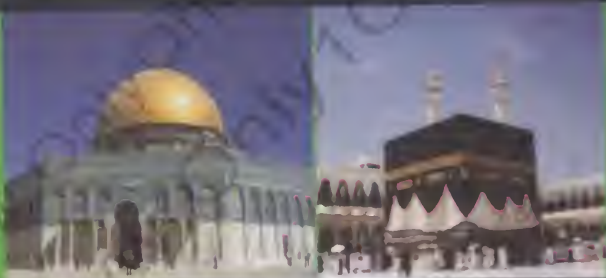


اِكَلُوْنَا
فَرَزَنْدِیَنَیْ

اسحق علی اسماعیل علی



عبدالستار غوری ڈاکٹر احسان الرحمن غوری

اردو ترجمہ

عثمان سبحان غوری، ڈاکٹر احسان الرحمن غوری



اکلوتا فرزند ذبیح
اسحاقؑ یا اسماعیلؑ

تصنیف

عبد الستار غوری، ڈاکٹر احسان الرحمن غوری

نظر ثانی اور ترجمہ

عبد الستار غوری

اردو ترجمہ

عثمان سبحان غوری، ڈاکٹر احسان الرحمن غوری

المورد

۵۱ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

فہرست مضامین

دیباچہ ۱

مقدمہ ۷

باب اول: "قرآنی" کہانی، بائبل میں ۱۱

(الف) بائبل میں واقعہ قرآنی کا بیان ۱۳

(ب) بائبل کے اس قصے کی حیثیت ۱۶

باب دوم: "انکو تھے" کی قرآنی کا حکم ۲۳

باب سوم: "پیلے پھل" یا پہلے پھل "کے نذرانے کی رسم ۲۳

باب چہارم: "بیادے بنے" کی قرآنی مطلب تھی ۵۹

باب پنجم: مقام قرآنی کا مکمل وقوع ۹۹

(الف) حمران کے قریب ایک پہاڑ ۱۱۱

(ب) "کو کلاوری" جس کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہاں حضرت مسیح کو سولی چڑھایا گیا ۱۷۱

(ج) "کو پیریز" ۱۷۱

باب ششم: "میرڈلم" کے "سوریا" ہونے کا دعویٰ ۸۱

باب ہفتم: "سوریا" یا "الرد" کا حقیقی محل وقوع ۹۹

باب ہشتم: "سوریا" کے حقیقی محل وقوع کے تئیں کے سلسلے میں چند سوالات اور ان کے جوابات ۱۰۷

باب نهم: "کہ اور عرب بطور مسکن نسل اسٹامیل" ۱۲۹

باب دہم: "کتاب" میں "میں" کے مقام پر قرآنیایاں پیش کرنے کا ذکر ۱۳۷

باب یازدہم: "زبور" میں "ج" کے "کا ذکر ۱۶۳

(الف) "ج" نے حضرت داؤد کے دور ابتلا میں انھیں پناہ فراہم کی ۱۷۰

(ب) "ج" کا اسلی نام ۱۷۲

(ج) "ج" کے محل وقوع کے متعلق علماء بائبل کی لاطینی ۱۷۳

(د) "ج" کا حقیقی محل وقوع ۱۷۹

ضمیمہ ۱: "میر" (سات) کا کنواں یا زم زم ۱۹۹

ضمیمہ ۲: "کتاب" تاریخ کی حیثیت ۲۲۹

ضمیمہ ۳: "میکل سلیمانی" کی مختصر تاریخ ۲۶۱

ضمیمہ ۴: "میرڈلم" کی مختصر تاریخ ۲۶۹

کتابیات ۳۱۵

حواشی کا انڈیکس ۳۲۱

Transliteration Table

medial ع	:	'	ع	:	'	بھ	:	bh
final ع	:	'	غ	:	gh	پھ	:	ph
initial ع	:	not expressed	ف	:	f	تھ	:	th
ا	:	a	ق	:	q	ٹھ	:	ṭh
ب	:	b	ک	:	k	جھ	:	jh
پ	:	p	گ	:	g	چھ	:	ch
ت	:	t	ل	:	l	دھ	:	dh
ٹ	:	ṭ	م	:	m	ذھ	:	ḏh
ث	:	th	ن	:	n	کھ	:	kh
ج	:	j	ں	:	ṇ	گھ	:	gh
چ	:	ch	و	:	w			
ح	:	h	ہ	:	h			
خ	:	kh	اَ	:	ah (e.g. sunnah)			
د	:	d	اِ	:	al (in construct form e.g. sunnat al-Rasūl)			
ذ	:	ḏ	ی	:	y			
ڈ	:	dh	اِ	:	al- ('l in construct form e.g. Abū'l)			
ر	:	r						
ڑ	:	ṛ						
ز	:	z						
ژ	:	z						
س	:	s						
ش	:	sh						
ص	:	ṣ						
ض	:	ḍ						
ط	:	ṭ						
ظ	:	ẓ						

VOWELS	DIPHTHONGS
Short ا : a	او : aw
ی : i	ای : ay
و : u	ے : ae
Long آ : ā	Double
آی : ī	ؤ : uwwa
و : ū	ئی : iyya
و : ō	اُ : anna
اے : ē	
عطف : -o- (اردو / فارسی)	
اضافت : -i- (اردو / فارسی)	

COMMON ABBREVIATIONS

AD/CE	anno domini (Latin), in the year of the Lord, Common/ Christian Era.
Ar	Arab, Arabia, Arabian, Arabic.
B	Bible.
BC	Before Christ; Bible Commentary; Biblical Commentary.
BCE	Before Christian/Common Era.
BD	Bible Dictionary.
c/ca	About, approximately (Latin circa)
CB	Commentary of the Bible.
CE	Common Era: secular form of AD.
Cf	confer: compare.
Ch	Chapter.
DB	Dictionary of the Bible.
DSS	Dead Sea Scrolls.
E	East.
E	Elohistic tradition of some books of the OT of the Bible.
Ed	Editor/edited by.
Edn	Edition.
e.g./eg	for example (Latin exempli gratia).
Enc	Encyclopedia/Encyclopaedia/Encyclopedic.
Esp	especially.
Heb	Hebrew.
i.e.	that is, that means, namely.
J	Jehovist or Yahwist tradition of some books of the OT of the Bible.
JE	Text of the OT based on the combination of the E & J Traditions of the Bible.
L	Latin.
LLX	Septuagint (70): Greek Tr. of the OT claimed to be accomplished by 70 scholars in Alexandria between 250 - 150 BC.
MS/MSS	Manuscript/Manuscripts.
MT/Mt	Masoretic /Masoretic Text of the OT: Matthew; Mount.
N	North

NT	New Testament of the Bible containing 27 books: 4 Gospels + Acts + 21 Epistles (letters) + Revelations. It was originally written in Greek, whereas Jesus Christ delivered his message in the Aramaic language.
op.cit.	in the work already quoted (Latin opere citato).
OT	Old Testament of the Bible Consists of 39 books: The first five are collectively called the Pentateuch or Torah. It was originally written in Heb.
p/pp	Page/pages.
P	Priestly tradition of the OT of the Bible.
Pbl/pblg	Publisher(s)/Publishing/
Pbln	Publication(s)
Q	Quelle (a German word), i.e. source. A hypothetical common source of the gospels of Matthew and Luke.
q.v.	(L quod vide) which see.
Rvd	Revised.
S	South, southern.
Sic.	thus, so: used within brackets, [sic], to show that a quoted passage, esp. one containing some error or s.th. questionable, is precisely reproduced.
s.o.	Some one.
s.th.	Some thing.
St	Saint.
s.v.	Under the word or heading.
Tr.	Translator, translation, translated by.
Trad/Tradn	Tradition(s).
Uni./Univ.	University.
v/vv	Verse/verses (of the Bible).
V	Version (Translations) of the Bible.
Vol.	Volume.
Vulg.	Vulgate, the Latin Tr. of the Bible accomplished by St Jerome in late 4th century AD.
W	West, western.
Y	Yahwist (Jehovist) tradition of the Bible.
(...)	It indicates that some word(s), sentence(s), or line(s) have been left over from the original quotation.
(....)	It shows that a sizeable text has been omitted from the original quotation.
[]	Square brackets are used to insert something by the Tr./Ed., which did not originally exist in the quotation.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

از: جناب جاوید احمد غامدی

پریذیٹنٹ، المورڈ

ام القریٰ سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا تعلق قرآن مجید کی دعوت کا ایک بہتم بالشان مسئلہ ہے۔ نبی ﷺ کی بعثت ذریت ابراہیم کی ایک شاخ بنی اسماعیل میں ہوئی۔ یہ لوگ مکہ میں آباد تھے۔ بیت الحرام کی تعمیر نو کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کی اس شاخ کو خود یہاں آباد کیا تھا۔ یہی وہ مقام ہے، جہاں مروہ کے پاس انھوں نے اپنے اکلوتے بیٹے کو قربانی کے لیے پیش کیا۔ یہ بیٹے خدا کے آخری پیغمبر محمد ﷺ کے جد امجد اسماعیل علیہ السلام تھے۔ یہود نے جو تحریفات اپنے صحائف میں کی ہیں، وہ زیادہ تر انھی حقائق سے متعلق ہیں۔ اسماعیل علیہ السلام کی جگہ انھوں نے قربانی کے لیے پیش کیے جانے والے فرزند کی حیثیت سے سیدنا اسحاق علیہ السلام کا نام اپنے صحیفوں میں داخل کر دیا ہے۔ اُن کی قربان گاہ مروہ کے بارے میں بھی بہت کچھ خلط بحث پیدا کیا ہے۔ بیت الحرام سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے تعلق کو بھی ہر پہلو سے مشتبہ بنانے کی کوشش کی ہے۔

یہود و نصاریٰ پر اتمام حجت کے لیے ان تحریفات کا پردہ چاک کرنا ضروری تھا۔ دور حاضر کے ایک جلیل القدر عالم اور محقق امام حمید الدین فراہی نے یہ خدمت سرانجام دی اور الہامی اور الہامی الصحیح فی مرہو الذبیح کے نام سے ایک رسالہ اس موضوع پر لکھا جس میں نہایت قابل اطمینان دلائل سے یہ تمام حقائق مبرہن کر دیے۔

بزرگوارم عبد الستار صاحب غوری انھی علوم کے محقق ہیں۔ انھوں نے اپنی زندگی قدیم صحائف میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے متعلق چشبین گویوں کی تحقیق کے لیے وقف کر رکھی ہے۔ اس موضوع کی

اہمیت کے پیش نظر انھوں نے امام فرامی کی تحقیق کو آگے بڑھایا اور انگریزی زبان میں ایک ایسی کتاب لکھ دی ہے جو ہر صاحب علم کی طرف سے داد و تحسین کی مستحق ہے۔ اس میں انھوں نے اصل مسئلہ کی تفتیح مزید کے علاوہ مکہ، زمزم اور حج کی عبادت کے بارے میں بھی بعض اہم حقائق کی طرف توجہ دلائی ہے اور اپنے مخصوص محققانہ اسلوب میں ایسے نظریات پیش کیے ہیں جو بائبل اور اس کے متعلق علوم کے محققین کے لیے بھی قابل توجہ ہیں اور دینی علوم کے ماہرین کے لیے بھی۔ ان سے اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ ان علوم کے ایک طالب علم کی حیثیت سے میرا زیادہ نظر بھی بعض معاملات میں ان سے مختلف ہے، لیکن ان کے خلوص، محنت اور عالمانہ انداز تحقیق سے کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا۔ وہ اس راہ کے پرانے مسافر ہیں اور راہ و رسم منزل سے خوب آشنائیں۔ اہل نظر اس آگہی کے شواہد ان کی اس کتاب میں جگہ جگہ دیکھ سکتے ہیں۔

المورد کے لیے باعث عزت ہے کہ ان جیسا عالم اور محقق اس ادارے کے ساتھ 'فیلو' کی حیثیت سے وابستہ ہے۔ ہماری دعا ہے کہ وہ تادیر یہ خدمات انجام دیتے رہیں اور پروردگار اس کے صلے میں انھیں اپنی عنایتوں سے بہرہ یاب کرے۔

— جاریہ —

المورد، لاہور

۲۷ اپریل ۲۰۰۷ء

دیباچہ طبع ہذا

ابتداء یہ کتاب ۲۰۰۳ء میں انگریزی زبان میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے بعد مصنف کو چند ارباب علم کی طرف سے بیش قیمت تجاویز موصول ہوئیں۔ برصغیر اور کچھ دوسرے ممالک کے موثر جرائد میں اس پر قابل قدر تبصرے بھی شائع ہوئے۔ ان کی روشنی میں اور مزید تحقیق کے بعد جہاں ضرورت محسوس ہوئی کتاب کو بہتر بنانے کی کوشش کی گئی۔ مصنف ان تمام ارباب علم کا شکر گزار ہے جنہوں نے ازراہ کرم تبصرے لکھے اور تجاویز پیش کیں۔ مصنف نے بذات خود بھی کتاب کا تنقیدی نظر سے مطالعہ کیا اور جہاں مناسب خیال کیا، اصلاح اور نظر پائی کر دی۔

کتاب میں بعض مواقع پر قدرے طویل انگریزی اقتباسات دیے گئے ہیں۔ اسی طرح بعض اشخاص و اماکن کے ناموں کے ساتھ ان کا انگریزی تلفظ بھی درج کیا گیا ہے۔ اس سے بظاہر کتاب قدرے گراں بار نظر آتی ہے، لیکن اس کی افادیت سے بھی انکار ممکن نہیں۔ جو حضرات محض حصول معلومات کے لیے کتاب کا مطالعہ فرمائیں گے، ان سے مصنف معذرت خواہ ہے کہ انھیں اس کی وجہ سے خواہ مخواہ زحمت ہوگی، لیکن مصنف کی مجبوری یہ ہے کہ اُس نے یہ کتاب علمی اور تحقیقی مکتوب کی ضروریات کو مد نظر رکھ کر لکھی ہے اور اس کی وجہ سے انھیں اصل تاخذ و مراجع سے رجوع میں آسانی رہے گی۔

کتاب میں 'یروشلم کی مختصر تاریخ' کے عنوان سے ایک ضخیم ضمیمے کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ مصنف نے اپنے بیٹے ڈاکٹر احسان الرحمن غوری، شعبہ اسلامیات، پنجاب یونیورسٹی کو یہ ذمہ داری سونپی تھی۔ الحمد للہ انھوں نے بطریق احسن اسے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ مصنف نے ان کے اس مقالے کا بنظر غائر مطالعہ کر کے بعض تجاویز پیش کیں، جن پر انھوں نے خوش اسلوبی سے عمل کیا۔ انھوں نے حواشی کا ایک انداز بھی تیار کیا جس سے کتاب کی افادیت میں قابل قدر اضافہ ہوا۔ مصنف ان کے اس عالمانہ تعاون کا شکر گزار ہے۔

جناب عثمان بھان غوری اور ڈاکٹر احسان الرحمن غوری نے بڑی محنت اور نہایت ذمہ داری سے کتاب کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا۔ الحمد للہ ان کی یہ کاوش اطمینان بخش اور لائق تحسین ہے۔

چند تبصروں سے اقتباسات

What makes Ghawri's work of particular relevance is his almost total, albeit deliberate, reliance on the Bible and the works of Biblical scholars to prove his point.(...). Indeed, the extensive footnotes to which the attention of the reader is constantly invited in almost every page of the book constitutes a significant, if not a major, part of the work itself.(...). Of especial consideration, with regard to Ghawri's approach, must certainly be his eye for detail and his ability to go directly to the point; to the heart of the matter, as it were.

غوری صاحب کے کام کو جس وجہ سے خصوصی اہمیت حاصل ہوتی ہے، وہ اُن کا اپنے نقطہ نظر کو ثابت کرنے کے لیے کیے گئے اور اراکین بائبل اور اس کے علماء کی تحریروں پر انحصار ہے۔ (...)۔ ذیلی حواشی، جن کی طرف کتاب کے تقریباً ہر صفحے پر قاری کی نگاہ توجہ مبذول رہتی ہے، کتاب کا ایک قابل لحاظ حصہ ہیں۔ (...)۔ غوری صاحب کی کاوش کا یہ پہلو خصوصی طور پر قابل لحاظ ہے کہ اُن کی نظر تفصیل پر رہتی ہے اور وہ مضمون کی گہرائی میں اتر کر اس کی تک پہنچ جاتے ہیں۔

(ایک مسلم ڈائجسٹ، بنگلور انڈیا: ستمبر ۲۰۰۵ء)

جناب غوری صاحب کی کتاب ذبح، مردہ، پیر شیا، بکے جیسے اہم موضوعات پر بہت قیمتی معلومات فراہم کرتی ہے۔ انھوں نے اپنے موقف کو بہت محکم دلائل سے ثابت کیا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے ان موضوعات پر موجود مغربی اہل قلم کی تحریروں سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ ان کا انداز گفتگو ایک مناظر کا نہیں، بلکہ ایک سنجیدہ محقق کا ہے۔ (...)۔ یہ بلاشبہ ایک بہت گراں قدر علمی کوشش ہے۔ غوری صاحب اس کے لیے بجا طور پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔

(سہ ماہی فکر و نظر، شمارہ ۳، جلد ۴۲، جنوری تا مارچ ۲۰۰۵ء، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی

یونیورسٹی، اسلام آباد)

فاضل مصنف کا اسلوب تحریر معروضی، سائنٹفک اور تحقیقی ہے۔ انہوں نے اپنی بحثوں میں بائبل کے مختلف نسخوں، تراجم، شروح، لغات و معاجم، اٹلس اور انسائیکلو پیڈیا سے مدد لی ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک قابل قدر اضافہ ہے جس پر فاضل مصنف تحسین و تہریک کے مستحق ہیں۔

(سرمایہ تحقیقات اسلامی، شمارہ ۳، جلد ۲۴، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۵ء، علی گڑھ، انڈیا)

(...). Ghauri deals with this issue in a very systematic manner in 11 chapters with 3 important appendices (...).

The two main issues selected by Ghauri are: (a) which son of Prophet Ibrahim was offered for sacrifice? (Chapters I to IV), and (b) what was the place of sacrifice (Moriah or Al-Marwah) and related matters (Chapters V to XI).

Before moving further it is better to summarize the story of prophet Ibrahim. Prophet Ibrahim was a prophet of Allah. He had two wives - one, Sarah and the other Hagar (Hajirah). Noble Hajirah was an Egyptian princess, daughter of Pharaoh, who had offered her to Ibrahim. At that time Prophet Ibrahim was issueless. Hajirah gave birth to the first son of Prophet Ibrahim. His name was Ismail, to whose progeny last Prophet of Islam, Muhammad, (peace be upon him) came. Later another son of Prophet Ibrahim was born by noble Sarah. His name was Isaac, whose progeny includes Prophets like Moses, David, Solomon and Jesus. The Jews generally consider Prophet Ismail of inferior origin. As Ibrahim was a great Prophet whose life was full of sacrifices, God ordered him to sacrifice his 'only son' or 'beloved son' into the land of Moriah. But when finally he took the knife to slay his son, God stopped him. The Jews and Christians consider Prophet Isaac the 'only son' referred to above for the special sacrifice. For [most of the] Muslims, it was Prophet Ismail. The Hajj Pilgrimage is based on the traditions of Prophet Ibrahim, his son Ismail and noble Hajirah's faiths and sacrifices at Makkah.

The author's methodology is simple. First he would put forward the Bible story or the claims of the Biblical scholars directly and comment on its weaknesses in the footnotes or in the text as the growth of story demands. Second, he would show its contradictions by extensively citing the criticism of Jewish or Christian scholars on the story or the thesis. Third, he would also raise questions and answer them with utmost skill. He mostly did his construction or deconstruction by using the works of Jewish or Christian scholars.

In these discussions, the author has not claimed any superiority of

Prophet Ismail over Prophet Isaac. He avers, 'The Biblical scholars have taken much liberties with the interpretations of Biblical themes while depicting the characters of Ibrahim, Ismail, Isaac (...) Sarah and Hagar. The writer of the present book holds all of these great personalities equally respectable, honourable and innocent.'

There is no doubt that the book has been written in 'vintage scholarly style'. I would like to make a suggestion at the end. As most of us are not familiar with Biblical historiography [or 'chronology'?], it would be pertinent to add a chapter thereon in the beginning of the book. Without this full appreciation of the book is not possible [The Chronology has now been given in Appendix on 'A Brief Account of the History of Jerusalem']. (By Javed Ali)

(...) غوری صاحب نے اس موضوع پر کتاب کے گیارہ ابواب اور تین ضمیموں میں بڑے مستقیم اور

حکیمانہ انداز میں گفتگو کی ہے۔ (...)

غوری صاحب نے جن دو اہم موضوعات کا انتخاب کیا ہے وہ ہیں: (الف) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کون سے فرزند کو قربانی کے لیے پیش کیا گیا تھا؟ (ابواب اول تا چہارم)، اور (ب) قربانی کا مقام کون سا تھا (موریا یا اللہ) اور اس سے متعلق معاملات (ابواب پنجم تا یازدہم)۔

آگے بڑھنے سے پہلے بہتر ہے کہ حضرت ابراہیم کا قصہ مختصر بیان کر دیا جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے۔ ان کی دو بیویاں تھیں: پہلی حضرت سارہ اور دوسری حضرت ہاجرہ۔ حضرت ہاجرہ ایک مصری شہزادی تھیں۔ وہ فرعون مصر کی بیٹی تھیں جنہیں اُس نے حضرت ابراہیم کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ اُس وقت حضرت ابراہیم بے اولاد تھے۔ ہاجرہ نے حضرت ابراہیم کے پہلے بیٹے کو جنم دیا۔ اُس کا نام اسماعیل تھا، جن کی نسل سے پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ پیدا ہوئے۔ بعد میں حضرت ابراہیم کے ہاں حضرت سارہ کے بطن سے ایک اور فرزند پیدا ہوا۔ اُن کا نام اسحاق تھا، جن کی نسل سے حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے۔ یہودی بالعموم حضرت اسماعیل کو کم تر حیثیت کا خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک عظیم پیغمبر تھے، جن کی زندگی قربانیوں سے بھری ہوئی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا اکوٹا اور پیارا بیٹا موریاہ کی سرزمین میں لے جا کر قربانی کے لیے پیش کرنے کا حکم دیا، لیکن جب بالآخر انہوں نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے چھری پکڑی، اللہ تعالیٰ نے انہیں روک دیا۔ یہودی اور عیسائی حضرت اسحاق کو وہ 'اکوٹا فرزند' تصور کرتے ہیں، جن کی خصوصی قربانی پیش کرنے کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے۔ اکثر مسلمانوں کے نزدیک یہ اکوٹا فرزند حضرت اسماعیل تھے۔ حج کی رسوم حضرت ابراہیم کی روایات، اُن کے فرزند

اسماعیل اور حضرت ہاجرہ کے ایمان اور مکہ میں قربانی پر مبنی ہیں۔

مصنف کا طرز استدلال نہایت سادہ اور آسان ہے۔ پہلے وہ بائبل کی کہانی اور بائبل کے علماء کے دعوے براہ راست پیش کرتے اور ذیلی حواشی یا متن میں حسب ضرورت اُن کی خامیوں کی تشریح کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ یہودی یا عیسائی علماء کی اس قصے یا موضوع پر تنقید کے مفصل حوالے دے کر اس کے تضادات ظاہر کرتے ہیں۔ تیسرے نمبر پر وہ سوالات قائم کرتے ہیں اور بڑی مہارت سے اُن کے جوابات دیتے ہیں۔ انھوں نے اپنے دعوے کی تائید یا مخالف دعوے کی تردید کے لیے یہودی اور مسیحی علماء کی تصانیف سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔

ان مباحث کے دوران میں مصنف نے حضرت اسماعیلؑ کی حضرت اسحاقؑ پر کسی فضیلت کا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ اُن کا بیان ہے: 'بائبل کے علمائے حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ' (...) حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ کے کرداروں کی عکاسی کرتے وقت بائبل کے مضامین کی من مانی تعبیرات سے کام لیا ہے۔ اس کتاب کا مصنف ان تمام عظیم شخصیات کو یکساں طور پر قابل احترام صاحبِ تکریم اور معصوم خیال کرتا ہے۔'

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کتاب انتہائی معیاری اور عالمانہ انداز میں لکھی گئی ہے۔ اخیر میں، میں ایک تجویز پیش کرنا پسند کروں گا: کیونکہ ہم میں سے اکثر لوگ بائبل کے سنین و اوقات سے واقف نہیں ہیں، اس لیے مناسب ہوگا کہ کتاب کے شروع میں اس طرح کے ایک باب کا اضافہ کر دیا جائے۔ اس کے بغیر کتاب کی پوری تفہیم ممکن نہیں۔

(سنین و اوقات کا ایک مختصر اور ضروری نقشہ کتاب کے اخیر میں 'مردِ خلم کی مختصر تاریخ' نامی غصیے میں درج کر دیا گیا ہے۔)

(ریڈینس و یوزوینگی، ۱۶، ۲۲۲ جنوری ۲۰۰۵ء، نئی دہلی، انڈیا۔)

In the Second Appendix, Ghauri gives heaps of evidence about the different types of intentional and unintentional corruption in the text of both the Old and the New Testaments. This is followed by a brief account of the history of the Temple of Solomon in the Third Appendix. These appendices have added to the value of this scholarly work. (....), the book has been written in a scholarly manner and the author attempts to accumulate irrefutable arguments in support of his views.

[اشاعت اول (انگریزی) میں] دوسرے غصیے میں غوری صاحب نے نئے اور پرانے عہد نامے

نے متن میں ارادی اور غیر ارادی تحریف کی مختلف اقسام کے متعلق ذہیروں شہادتیں فراہم کی ہیں۔ اس کے بعد تیسرے نمبرے میں ہمیکل سلیمانی کی تاریخ کا مختصر خاکہ فراہم کیا گیا ہے۔ ان نمبروں نے اس فاضلانہ تعینف کی قدر و قیمت میں بہت اضافہ کیا ہے۔ (...) کتاب عالمانہ انداز میں لکھی گئی ہے اور مصنف نے کوشش کی ہے کہ اپنے نظریات کی تائید میں ناقابل تردید دلائل جمع کرے۔

(اسلامک سٹڈیز، شمارہ ۱، جلد ۴۴، بہار، ۲۰۰۵ء، اسلام آباد)

Mr. Abdus Sattar Ghauri, the learned author of this well-researched work, must be complimented for the tremendous work he has done in documenting this important issue of religious history. This issue, of course, has direct bearing on the relationship of Prophet Muhammad (SAW) with Abraham (AS) and the land where the latter had settled his progeny, i.e. Arahia. Besides discussing the main issue, Mr. Ghauri has added some other related topics as well in the book. These include the locations of Makkah, Al-Marwah and the well of Zamzani.

Here, it may be made clear that at some places the writer of this book had to reproduce some Biblical authorities, which implied the comparison between the Prophets. The Biblical scholars have taken much liberties with the interpretations of Biblical themes while depicting the characters of Abraham, Ishma'el and Isaac. Regrettably, noble Sarah has been depicted as a very cruel, jealous and revengeful woman, while dealing with noble Hajra and her son, Ishma'el.

Mr. Ghauri, however, differs with these Biblical scholars and holds all of these great personalities as equally respected, honourable and innocent. It is, indeed, a matter of great interest to note that this event of the offering for sacrifice was reduced to writing in the Bible more than a thousand years after its happening. It is quite unknown who its writer was and what his credentials were, but, of certain, he was not an eyewitness of the event.

Commenting on the book, Allama Javed Ahmad Ghamidi, the profound scholar of Islam, remarks that going deep into the ancient time, the learned author has conducted an incisive multidisciplinary analysis to bring out the truth. Marked by copious references, this book testifies that the author has an eye for the subtle and the penetrating details.

[Allama Ghamidi, continuing his observations, asserts:] The author has indeed, undertaken daunting task to gather and arrange all the scattered pieces of the facts that were also defaced by corruption and ignorance. Further, Allama Ghamidi asserts that many a time, textual

corruption, far from hiding the truth, actually leaves behind bright clues and trails, which, in turn, help reconstruct the disjointed pieces of the picture.

To conclude: Mr. Ghauri has brought forth copious evidence to show that Abraham had offered Ishma'el for sacrifice. He has made an attempt to solve a long addressed problem on the principles of objective research. He has also tried to present the evidence faithfully and without any manipulations. A narrative par excellence, indeed!

اس انتہائی محققانہ کتاب کے فاضل مصنف جناب عبدالستار غوری کو مذہبی تاریخ کے اس اہم موضوع پر ایسا عظیم الشان دستاویزی کارنامہ سرانجام دینے کی بنا پر خراج تحسین پیش کیا جا ضروری ہے۔ بلاشبہ یہ موضوع حضرت محمد ﷺ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باہمی رشتے سے، اور اُس سرزمین یعنی عرب سے، جہاں موخر الذکر کے اپنی نسل لے جا کر آباؤ کی تھی، براہ راست متعلق ہے۔ مرکزی موضوع پر گفتگو کر کے علاوہ غوری صاحب نے کتاب میں بعض دوسرے متعلقہ موضوعات کا بھی اضافہ کیا ہے۔ یہ موضوعات کہ، اللہ و اور چاروں مزم کے محل وقوع کی نشان دہی پر مشتمل ہیں۔

اس موقع پر اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ بعض مقامات پر کتاب کے مصنف کو بائبل سے بعض حوالے نقل کرتا ہوا ہے، جن سے انبیاء کرام کے درمیان مقابلے کا تاثر ابھرتا ہے۔ بائبل کے ملانے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے کرداروں سے متعلق بائبل کے مضامین کی عکاسی کرتے وقت عموماً غیر محتاط رویہ اختیار کیا ہے۔ قابل افسوس بات ہے کہ سیدہ سارہ کو سیدہ ہاجرہ اور اُن کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ان کے پڑتاؤ کے بارے میں ایک بڑی ظالم، حاسد اور فتنہ مزا عورت کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

تاہم جناب غوری بائبل کے ان علماء سے اتفاق نہیں کرتے اور ان تمام عظیم شخصیات کو یکساں طور پر قابل احترام، معزز اور محترم قرار دیتے ہیں۔ یہ بات واقعی بڑی دل چسپی کی ہے کہ قربانی کے لیے پیش کیے جانے کا یہ واقعہ بائبل میں اپنے وقوع سے ایک ہزار سال سے بھی زیادہ بعد منبٹ تحریر میں لایا گیا۔ یہ بات قطعی طور پر نامعلوم ہے کہ اس کا مصنف کون تھا؟ اور اُس کی استنادی حیثیت اور نشاۃ کس درجے کی تھی؟ تاہم یہ بات یقینی ہے کہ وہ واقعے کا یقینی شاہد ہرگز نہ تھا۔

کتاب پر رائے زنی کرتے ہوئے اسلام کے ایک عظیم اسکالر علامہ جاوید احمد غامدی نے لکھا ہے کہ فاضل مصنف نے قدیم زمانے کی تاریخ کی گہرائی میں اتر کر حقیقت کو مہربان کرنے کے لیے مختلف پہلوؤں سے نہایت باریک بینی کے ساتھ تحقیق کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ فراوان حوالہ جات کی حامل یہ

کتاب اس امر کی شاہد ہے کہ جزوی تفصیلات اور نادر و نازک مضامین پر مصنف کی گہری نظر ہے۔
 اپنے ملاحظات کے تسلسل میں علامہ غامدی رقمطراز ہیں کہ انی الحقیقت مصنف نے حقائق کے
 تمام بکھرے ہوئے اُن ٹکڑوں کو، جنہیں جہالت اور تحریف کے ذریعے سے مسخ کر دیا گیا تھا، جمع اور
 مرتب کرنے کا عظیم فریضہ سرانجام دیا ہے۔ علامہ غامدی مزید لکھتے ہیں کہ اکثر اوقات متنی تحریف حقائق
 کو چھپانے کے بجائے حقیقت میں نمایاں سراغ اور نشانات راہ چھوڑ جاتی ہے، جو تصویر کے منتشر اجزا
 کی شیرازہ بندی میں معاون ہوتی ہے۔

بقدر مختصر، جناب غوری نے یہ ثابت کرنے کے لیے، کہ حضرت ابراہیم بابا... نے حضرت اسماعیل علیہ السلام
 ہی کو قربانی کے لیے پیش کیا تھا، وافر شہادت فراہم کر دی ہے۔ انھوں نے کوشش کی ہے کہ ایک قدیم
 نزاعی مسئلے کا مغربی محققین کے اصولوں کی روشنی میں حل پیش کریں۔ انھوں نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ
 شہادت کو بغیر کسی تحریف و جبر کی کے دیانت داری کے ساتھ پیش کریں۔ [تبرہ نگار نے اپنے تبصرے کا
 اختتام اس جملے پر کیا ہے: "A narrative par excellence, indeed!"]۔ حقیقت میں یہ ایک ایسی
 کتاب ہے جو عظیم شان کے ہر معیار پر پوری اترتی ہے۔

(کرمل انٹرنیٹ) غلام سرور، روضہ نامہ پاکستان اوپن رور، ۷ اگست ۲۰۰۴ء، اسلام آباد)

This book is the fruit of a serious effort at studying a complex issue. The author has studied the problem not only by drawing on Islamic resource material but also by studying a wide selection of Christian scholarship. As such, it must be admitted that the book is a unique contribution in the field of Muslim-Christian scholarly dialogue. It is rare to see a Muslim scholar approach Christian scholarship to build his argument. Hence, as an effort in the area of Muslim-Christian dialogue, this work must be welcomed.

یہ کتاب ایک وجہیہ و موضوع پر تحقیق و مطالعہ کی بنیاد کاوش کا ثمر ہے۔ مصنف نے نہ صرف اسلامی
 مواد و تاحذ کی روشنی میں مسئلے کا جائزہ لیا ہے، بلکہ مسیحی علما (کی تحقیقات) کے ایک وسیع انتخاب کو بھی
 خوب کھنگالا ہے۔ اس طرح یہ تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں کہ یہ کتاب مسلم مسیحی عالمانہ کالے کے
 میدان میں ایک بے مثال اضافہ ہے۔ یہ بات اپنی مثال آپ ہے کہ ایک مسلمان عالم اپنے اپنے دلائل کی
 فراہمی کے سلسلے میں مسیحی عالمی تاحذ سے اس قدر استفادہ کرتے۔ چنانچہ مسلم مسیحی مکالمے کے سلسلے میں
 ایک کاوش کے طور پر اس کتاب کا خیر مقدم کیا جانا چاہیے۔

(تمبرہ نگار: جرمن رودورگ، ریسرچ اسکالر، بلی گزھ مسلم یونیورسٹی۔ ودیا جیوتی جرنل آف تھیالوجیکل ریفلیکشن ۴۔ اے، راج نواس بلڈنگ، دہلی، ۱۱۰۰۵۴، شمارہ نمبر ۲، جلد ۶۹، فروری ۲۰۰۵ء)

9934_NRT_08_Bibliographie 14-03-2007 09:04 Page 336

BIBLIOGRAPHIE

Nouvelle Revue Theologique

GHAWRI, A.S., The Only Son offered for Sacrifice Isaac or Ishmael?, with Zamzaim Al-Marwah, and Makkah in the Bible, Lahore, Al-Mawrid, 2004, 22x15, xiv-310p., 15 \$.

Un livre bien étrange que celui de ce chercheur Pakistanais qui déploie une érudition absolument étonnante et un esprit enquêteur remarquablement ingénieux pour prouver que "le fils unique" que devait sacrifier Abraham au mont Moriah n'était pas Isaac (tradition Judéo-chrétienne), mais bien Ismaël (traduction musulmane). Mettant bout à bout des analyses de textes provenant de commentaires bibliques divers anciens et récents, des détails sur les processus de transmission des manuscrits et les erreurs qu'ils perpétuent, dans la tradition tant juive et chrétienne que musulmane, il en arrive à démontrer avec aplomb que l'interprétation musulmane est la seule objective. Il poursuit sa lancée en identifiant le Moriah à la Ka'bah, construite par Abraham et Ismaël (!), et il découvre que le pèlerinage à La Mecque (Mekkah) se trouverait mentionné dans la Bible par Isaïe 60 et dans les Psaumes, notamment Ps 84,7 (=vallée de Baka).

Beaucoup de notations intéressantes dans ce travail, surtout à propos de l'évolution de la double lecture des textes bibliques, mais malheureusement au service d'une cause fondamentaliste qui historicise le "sacrifice d' Abraham" sans y percevoir le message essentiel. Tout en admirant la sagacité et la patience de l'A., nous ne pouvons le suivre dans son raisonnement.—J.R.

Tome 129/ 2

(année 2007)

de la part - et avec le merci - due secr. de la

Nouvelle Revue Théologique

Boulevard Saint-Michel, 24 BE-1040 Bruxelles

secretariat@nrt.be tel. 00 32 2739 34 80 <http://www.ict.be>

اس پاکستانی محقق کی یہ ایک بہت عمدہ کتاب ہے۔ اُس نے اس کی تالیف میں انتہائی حریت انگیز علم و دانش اور تحقیق جذبہ سے کام لیا ہے۔ اُس نے بڑے سلیقے اور ناباں طور پر تحقیقی مہارت سے کام لیتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ انکوائری

دینا، جسے ابراہیم [علیہ السلام] کو موریاہ پر قربانی کے لیے پیش کرنا چاہتے تھے، اسحاق [علیہ السلام] نہ تھا (جیسا کہ یہودی اور مسیحی روایت ہے)، بلکہ اسماعیل [علیہ السلام] تھا (جیسا کہ مسلم تاویل کرتے ہیں)۔ شروع سے آخر تک بائبل کی قدیم اور جدید تفاسیر سے اخذ کردہ متون کے تجزیے کے ذریعے سے، مسودات کی منتقلی کے طریقے کار کی تفصیل کے ذریعے سے، اور یہودی، مسیحی اور مسلم روایت کے مطابق ان کتب میں پائی جانے والی دائمی اغلاط کے ذریعے سے مصنف بالآخر نہایت مضبوط بنیادوں پر واضح کر دیتا ہے کہ صرف مسلم تعبیری معروضی تعبیر ہے۔ اپنی تحقیق کے تسلسل میں وہ یہ واضح کر رہا ہے کہ موریاہ وہی مقام ہے جہاں ابراہیم [علیہ السلام] اور اسماعیل [علیہ السلام] نے کعبہ تعمیر کیا تھا۔ اُس نے دریافت کیا ہے کہ کعبہ کے حج کا ذکر بائبل کی کتاب یسعیاہ، باب ۶۰ اور زبور کے مزامیر ۸۳ و ۸۷ (واوی نکا) میں موجود ہے۔

اس کتاب میں بہت سے دل چسپ حواشی اور مشاہدات ہیں جن میں بالخصوص اس امر کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ بائبل کے متون کے متعدد تراجم اور قراءتیں دجوز میں آتی رہی ہیں، لیکن یہ قسمتی سے مصنف کی اس کاوش سے بنیاد پرستی کے مقاصد کی خدمت ہوئی ہے اور ابراہیم [علیہ السلام] کی قربانی کو تاریخی رنگ دے کر اس کی اصل روح کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ ہم مصنف کے علم و دانش اور سیر کی جملہ پوزٹائیڈ کرتے ہیں، لیکن ہم ان کے استدلال کی کئی تائید نہیں کر سکتے۔ (دبلیو گرانی ناویلی ریویو تھیا لوجی، صفحہ ۳۶۶، شمارہ ۴، مارچ ۲۰۰۷ء، برسلز، بیچٹم)

مصنفین نے (...) نہ صرف عہد نامہ قدیم و جدید، بلکہ عیسائی لٹریچر اور متعدد حوالہ جاتی کتب سے متعلقہ مواد اخذ و پیش کیا ہے اور قطعیت کے ساتھ ثابت کر دیا ہے کہ 'ذبح' فی الواقع حضرت اسماعیل ہی تھے۔ (...)۔ مصنفین نے (...) ضمنی فلسطین کے تاریخی مقامات کے بارے میں جو معلومات فراہم کی ہیں، وہ ایک وسیع گواہی کے طور پر مرتب کر دینے کی نہایت کامیاب کوشش ہے۔ یہ کتاب ہمارے عیسائی اور یہودی بھائیوں کو حق میں دینے کے لیے نہایت مفید ہے۔ اردو دان طبقے کے لیے بھی اگر اس کا ترجمہ کر دیا جائے تو اچھا ہوگا۔ جاوید احمد غامدی نے 'پیش لفظ' میں اس کوشش کو اپنے اوارے کے لیے باعث فخر قرار دیا ہے۔ (ماہنامہ ترجمان القرآن، بابت نومبر ۲۰۰۸ء، منصورہ، ملتان روڈ، لاہور، تبصرہ از پروفیسر عبدالقدیر سلیم)

قربانی کی حقیقی روح

قربانی کے عمل کی حقیقی روح اللہ تعالیٰ کی کامل فرماں برداری ہے، جس کا تمام ابراہیمی مذاہب (اسلام، مسیحیت اور یہودیت) کے صحائف میں ذکر کیا گیا ہے:

(الف) سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ تو اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری طاقت سے خداوند اپنے خدا سے محبت رکھ [یہودی و مسیحی روایت]۔ (کتاب مقدس، استثناء ۱۰: ۳-۵، انجیل متی ۲۲: ۳۷، انجیل مرقس ۱۲: ۳۱، انجیل لوقا ۱۰: ۲۷)

(ب) ان باتوں کے بعد یوں ہوا کہ خدا نے ابرہام کو آزمایا، (...) تو اپنے بیٹے اسحاق کو جو تیرا اکلوتا ہے اور جسے تو پیار کرتا ہے کھاتھ لے، (...) اور وہاں اُسے (...) سوختی قربانی کے طور پر چڑھا۔ (...) جب ابرہام صبح سویرے اٹھا (...) کیونکہ میں اب جان گیا کہ تو خدا سے ڈرتا ہے اس لیے تُو نے اپنے بیٹے کو بھی جو تیرا اکلوتا ہے مجھ سے دریغ نہ کیا۔ (...) اور تیری نسل کے وسیلہ سے زمین کی سب قومیں برکت پائیں گی کیوں کہ تُو نے میری بات مانی۔ (کتاب مقدس، پیدائش ۲۲: ۱-۱۸، ۱۲: ۳، ۱۸: ۱)

(ج) وہ لڑکا جب اس کے ساتھ روزِ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ گیا تو (ایک روز) ابراہیم نے اُس سے کہا: بیٹا، میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، اب تو بتا، تیرا کیا خیال ہے؟ اُس نے کہا: اُٹھا جان، جو کچھ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اسے کر ڈالیے، آپ ان شاء اللہ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔ آخر کو جب اُن دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم نے بیٹے کو ماتھے کے بل کرا دیا اور ہم نے ندادی کہ اے ابراہیم، تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی۔ اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اُس بچے کو چھڑا لیا۔ اور اُس کی تعریف و توصیف ہمیشہ کے لیے بعد کی نسلوں میں چھوڑ دی۔ سلام ہے ابراہیم پر۔ (القرآن، الصافات ۱۰۹ تا ۱۲: ۳۷)

(د) تم نیکی کی حقیقت کو ہرگز نہیں پاسکتے، جب تک اُن چیزوں میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب ہیں، اور جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے، (اُس کا صلہ تمہیں لازماً ملے گا)، اس لیے کہ اللہ اُسے جانتا ہے۔ (القرآن، آل عمران ۹۲: ۳)

اس طرح قربانی کی حقیقی روح مختصر ایوں بیان کی جاسکتی ہے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کا کامل نمونہ ہیں۔ انھوں نے اپنا انتہائی پیارا اور نہایت لازمی اثاثہ یعنی اپنا اکلوتا بیٹا بھی اللہ تعالیٰ کے حضور قربانی کے لیے پیش کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ دنیا کی تمام اقوام میں سے جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی کامل اطاعت کا رویہ اختیار کرتا ہے، اُسے برکت دی جائے گی، کیونکہ ایک اللہ کی اطاعت مذہب کے درمیان ہم آہنگی اور اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات کے درمیان امن کی ضامن ہے۔

دیباچہ

طبع اول ۲۰۰۴ء (انگریزی ایڈیشن)

ابتداءً یہ تحریر ایک مضمون کی صورت میں مصنف کی کتاب 'Paran Prophecy of the Bible Regarding The Prophet of Islam' کے صمیمیہ کے طور پر لکھی گئی تھی۔ جب مصنف نے اسے ایک مضمون کی شکل میں جناب جاوید احمد غامدی، سرپرست اعلیٰ، ادارہ علم و تحقیق، المور و کو پیش کیا تو انھوں نے اس بات کی ترغیب دلائی کہ اس موضوع پر مزید تحقیق کی جائے اور اگر مواد مناسب ضخامت اختیار کر لے تو اس کو ایک مکمل کتاب کی شکل میں شائع کیا جاسکتا ہے۔ ان کے مشورے کے مطابق اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ و تحقیق کا آغاز کر دیا گیا۔ متعدد مرتبہ ان کی رہنمائی حاصل کرنے کے لیے ان سے رجوع کیا گیا۔ نماز عصر کے لیے جاتے ہوئے راستے میں اکثر اوقات وہ اس کی ترتیب کے سلسلے میں پیش آمدہ مشکلات چند جملوں میں حل کر دیتے تھے۔ اس کام کے دوران میں جاوید صاحب مصنف کی مسلسل رہنمائی اور حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ مصنف ان کا نہایت ممنون ہے۔

یہ کتاب نہ تو مناظراتی نوعیت کی ہے اور نہ ہی کوئی عام سی معلوماتی تصنیف۔ یہ ایک ایسے مسئلے کو سلجھانے کی معروضی اصولوں پر مبنی کاوش ہے جو طویل عرصے سے زیر بحث رہا ہے۔ اس بات کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ کسی لفظ یا نظریے کی وضاحت یا کوئی دعویٰ بغیر کسی مستند حوالے کے

پیش نہ کیا جائے۔ ہر بات کی وضاحت اتنی مدلل اور مفصل ہے کہ کسی کو یہ شکایت یا گمان نہ ہو سکے کہ وضاحت ناکافی یا یک طرفہ ہے۔ اس کے علاوہ حوالوں کو بغیر کسی جواز توڑ کے نہایت ایمان داری سے اپنی اصل حالت میں پیش کیا گیا ہے۔ ایک فاضل دوست نے شکوہ کیا ہے کہ اس میں حوالہ جات کی بھر مار ہے۔ مصنف کو اس بات کا پورا احساس ہے، لیکن کتاب کی نوعیت ہی کچھ ایسی ہے کہ یہ حوالے قریباً ناگزیر تھے اور ان سے گریز ناممکن تھا۔ ہو سکتا ہے بعض مقامات پر قاری مواد میں تکرار محسوس کرے، لیکن ایک تو موقع محل کا تقاضا تھا کہ اس کا ذکر کیا جائے، دوسرے یہ بھی پیش نظر تھا کہ قاری ایسی بلاوجہ کی ورق گردانی سے بچ جائے جو موضوع کی تاثیر اور دلچسپی ختم کرنے کا موجب ہو۔ امید ہے کہ اس کا بغور مطالعہ بہت مفید ثابت ہوگا۔ کتاب کی مزید بہتری کے لیے مناسب تجاویز کا خیر مقدم کیا جائے گا اور متعلقہ سوالات کے جواب دینے کی کوشش کی جائے گی۔

اگر اس اکلوتے بیٹے کو، جسے قربانی کے لیے پیش کیا جانا تھا، اس بات کی خبر ہی نہ ہو تو یہ قربانی اس کے لیے کسی اعزاز کا موجب نہیں ہو سکتی تھی، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ بائبل کے بیان کے مطابق حضرت اسحاق کو اُس وقت تک قربانی کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ تھا، جب تک ان کو اس مقصد سے 'عقیدہ' تک پہنچانہ دیا گیا، جبکہ دوسری طرف مسلمانوں کے مطابق اکلوتے بیٹے کو مکمل طور پر اعتماد میں لیا گیا تھا اور اس نے پورے اطمینان سے اسے قبول کیا تھا۔ بلاشبہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اکلوتا بیٹا انتہائی فرض شناس ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور اپنے والد کے حکم کی تعمیل کے سلسلے میں سر تسلیم خم کرنے والا ہے۔ یہ یقیناً ایک قابلِ تحسین بات ہے، لیکن مسلمان اس کی وجہ سے اُن کی برتری کا دعویٰ نہیں کرتے۔ وہ اس واقعہ کو حضرت ابراہیم کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش میں سرخ رُوئی اور ان کی فرض شناسی کے حوالے سے دیکھتے ہیں اور اسے ایک بیٹے کا ستھمن اقدام سمجھتے ہیں، جس نے اپنے باپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داری کی تکمیل کے لیے بغیر کسی حیلہ و حجت کے سر تسلیم خم کر دیا۔

کچھ مسلم علما اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ حضرت ابراہیم نے اپنے جس بیٹے کو قربانی کے لیے پیش

کیا تھا، وہ حضرت اسحاقؑ تھے۔ اس معاملے میں ان کا انحصار کلیۃً بائبل ہی پر ہے۔ یہ واقعہ جنوبی ایشیا کے ایک مسلمان عالم امام حمید الدین فراہیؒ نے اپنی کتاب 'الرای الصحیح فی من هو الذبیح' میں ہمیشہ کے لیے پوری طرح واضح کر دیا ہے۔ یہ ساڑھے آٹھ x ساڑھے پانچ انچ سائز کے ۱۶۴ صفحات پر مشتمل ایک عربی کتاب ہے، جو دارالقلم، دمشق سے ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کی موجودگی میں ناچیز مصنف کو اس موضوع پر مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ جو باب علم اس سلسلے میں تفصیل کے طالب ہوں، وہ امام فراہیؒ کی مذکورہ کتاب سے رجوع فرمائیں۔

'بیر سیخ' پر بھی ایک ضمیمہ شامل کتاب ہے، جسے کتاب ہی کا ایک حصہ سمجھنا چاہیے۔ 'بیر سیخ' کا لفظ بائبل میں 'زم زم' کے لیے استعمال ہوا ہے۔ کتاب کا مضمون اس بات کا متقاضی تھا کہ اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کی جائے۔ چنانچہ جب اس موضوع پر تفصیلی کام کیا گیا تو اس نے ایک الگ اور مستقل بالذات مضمون کی شکل اختیار کر لی۔ چنانچہ اسے کتاب میں ایک ضمیمے کے طور پر شامل کر لیا گیا۔

کتاب کی تدوین کے سلسلے میں اصل موضوع کی تکمیل کے ساتھ ساتھ متعدد ضمنی مباحث پر بھی تحقیق کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس کے نتیجے میں کتاب کے موضوعات کا دائرہ کافی وسعت اختیار کر گیا، لیکن اس سلسلے میں جس نکتے پر بھی گفتگو کی گئی ہے، وہ اپنی جگہ کتاب کے موضوع سے متعلق بھی ہے اور اُس مقام پر اس کی ضرورت بھی تھی۔ اس کی وجہ سے کتاب کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوا ہے۔ اس طرح اس میں مندرجہ ذیل ذیلی اور ضروری مباحث پر گفتگو کی گئی ہے:

- ۱۔ بائبل کے مطابق 'کے' کا محل وقوع۔
- ۲۔ بائبل میں 'کے' کے 'ج' کا ذکر۔
- ۳۔ بائبل کے مطابق 'المردہ' کا محل وقوع۔
- ۴۔ حضرت داؤدؑ کا 'کے' کا 'ج'۔
- ۵۔ بائبل کی کتاب۔ یسعیاہ میں 'کے' میں قربانیوں کا ذکر۔
- ۶۔ چاہ زم زم۔

۷۔ ہیکل سلیمانی کا مختصر تعارف۔

۸۔ حضرت باجرہ کا باندی نہیں بلکہ ایک شہزادی ہونا۔

ان مباحث سے کتاب کی قدر و قیمت اور افادیت میں اضافہ ہوا ہے۔

اصل انگریزی کتاب میں ۸۰ (اسی) صفحے کا ایک اور ضمیمہ بھی 'متن بائبل اور اس میں تحریف کی چند صورتیں' (The Text of the Bible and Some Types of Corruption in It) کے نام سے شامل کتاب تھا، لیکن اردو ترجمے میں اسے حذف کر دیا گیا ہے۔ اس پر مزید تحقیق جاری ہے اور اسے ان شاء اللہ ایک مستقل اور مفصل کتاب کی صورت میں الگ سے شائع کیا جائے گا۔

عبدالستار غوری

المورد، ادارہ علم و تحقیق، ۵۱ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

فون (+9242)5834306, 5865145, Ext.120; Mob. 0345-5205020

email <asghawri@hotmail.com> <asghawri@gmail.com>

حواشی دیباچہ

۱۔ دی اسٹینڈرڈ جیوش انسائیکلو پیڈیا (The Standard Jewish Enc.) ایڈیٹر ڈاکٹر سیسل روتھ، مطبوعہ لندن، ۱۹۵۹ء میں صفحہ ۶۱ پر عقیدہ کی یوں وضاحت کی گئی ہے:

(Heb. 'binding'): Traditional designation of Abraham's intended offering of Isaac (Gen. 22), the consummation of which was prevented at the last minute by Divine intervention.

(عبرانی میں 'باندھنے' کے لیے) (روایتی طور پر یہ لفظ [حضرت] ابراہیم کے [حضرت] اسحاق کو قربانی کے لیے پیش کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے) (کتاب پیدائش ۲۲)، جسے آخری لمحے پر اللہ تعالیٰ نے مداخلت کر کے پایہ تکمیل تک پہنچنے سے روک دیا تھا۔

اس لفظ کا بھی وہی سرحدی مادہ ہے جو عربی کے 'عقد بعقد عقدا' کا ہے۔ اس کے معنی ہیں باندھنا یا گرہ لگانا (معن زلفوہدینہ، عربی القش و کشری، نیویارک: پاکت بکس، ۱۹۷۳ء)۔ اس میں حضرت ابراہیم کے اپنے بیٹے حضرت اسحاق کو سوختی قربانی کے لیے پیش کرنے کی غرض سے 'باندھنے' کی طرف اشارہ ہے۔

۲۔ امام حمید الدین فراہی (۱۸۶۲ء-۱۹۳۰ء) اندیا میں ضلع اعظم گڑھ کے ایک گاؤں بھریہا (فراہی کا لفظ اسی سے ماخوذ ہے) میں پیدا ہوئے۔ جب وہ ایم اے او کالج علی گڑھ میں زیر تعلیم تھے تو انھوں نے ابن سعد (۸۴۳ء-۸۴۵ء) کی اسلامی تاریخ پر مشرور آفاق کتاب 'طبقات الکبریٰ' کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ ان کا یہ ترجمہ اتنا عمدہ تھا کہ کالج کے بانی اور سرپرست اعلیٰ سر سید احمد خان نے اسے کالج کے نصاب میں شامل کر لیا۔ امام فراہی نے بی اے الہ آباد یونیورسٹی سے کیا۔ ایم اے او کالج علی گڑھ میں عربی کی تدریس کے زمانے میں انھوں نے جرمن مستشرق جوزف ہور وونز (۱۸۷۴ء-۱۹۳۱ء) سے، جو وہاں ان کے ساتھ عربی کے پروفیسر تھے، عبرانی زبان سیکھی۔ ۱۹۲۵ء

میں مدرستہ اصلاح کی سربراہی کا منصب سنبھالا۔ وہاں انھوں نے اپنے بعض شاگردوں کی اس طرح تربیت کی کہ وہ عربی زبان و ادب، علوم اسلامیہ اور تاریخ کے عظیم علما کے طور پر مشہور ہوئے۔ امین احسن اصلاحی ان کے ایسے ہی ایک شاگرد تھے جو بعد میں ان کے افکار کے سب سے بڑے شارح قرار پائے۔ امام فراہی نے اپنی زندگی کے تقریباً پچاس سال قرآن کے تحقیقی مطالعہ پر صرف کیے۔ قرآن کی تشریح کے سلسلے میں ان کی سب سے نمایاں خدمت یہ ہے کہ انھوں نے تعلیم قرآن کو ایسے مربوط انداز میں پیش کیا کہ ان سے پہلے اس کی کوئی نظیر موجود نہیں۔ انھوں نے ثابت کیا کہ تعلیم قرآن کے تین عناصر (۱۔ ترتیب، ۲۔ تناسب، ۳۔ وحدت) کے گہرے مطالعے کے نتیجے میں قرآنی الفاظ و آیات کی ایک ہی تاویل ممکن ہے۔ انھوں نے عربی زبان کے متعدد ایسے قواعد و مناج کو نئے انداز میں مرتب کیا، جو قرآن کے تحقیقی مطالعہ کے سلسلے میں بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ امام فراہی کی اکثر و بیشتر تصانیف عربی زبان میں ہیں مثلاً 'مجموعہ تفاسیر فراہی' (یہ قرآن کی چودہ چھوٹی سورتوں کی تفسیر ہے جس کا اردو ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی نے کیا ہے)؛ 'مفردات القرآن' (اس میں قرآن کے بعض مشکل الفاظ کی جاہلی دور میں عربی زبان کی ادبی روایت اور اسالیب کی روشنی میں تشریح کی گئی ہے)؛ 'الإمعان فی انقسام القرآن'؛ 'الرای الصحیح فی من ہو الذبیح'؛ 'جمہرۃ البلاغۃ'؛ 'اسالیب القرآن'؛ 'دلائل النظام'؛ 'اسباق النحو'؛ 'اصول التاویل'؛ 'فی ملکوت اللہ'؛ 'القائد الی عبود العقائد'؛ 'حجج القرآن' اور 'کتاب الحکمۃ'۔ ان کی بعض کتابوں کے اردو اور انگریزی میں ترجمے بھی ہوئے ہیں۔ ان کی کتاب 'الرای الصحیح فی من ہو الذبیح' کا حال ہی میں جناب نادر قلیل انصاری نے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی نے کیا تھا جو ۱۹۷۵ء میں 'ذبح کون؟' کے نام سے لاہور سے شائع ہوا۔



تعارف

یہودیوں اور مسیحائیوں کے مطابق وہ 'اکلوئے فرزند' جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا کہ انہیں قربانی کے لیے پیش کیا جائے، حضرت اسحاق علیہ السلام تھے نہ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام۔ بائبل نے اس واقعہ کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ بائبل کے پورے بیان میں 'اکلوئے بیٹے' کا نام اسحاق علیہ السلام صرف ایک مرتبہ استعمال ہوا ہے جو غیر موزوں بھی ہے اور حقائق کے خلاف بھی ہے اس بیان میں ایسے صریح تضادات موجود ہیں جن کی بنا پر اس کے بارے میں یہود و نصاریٰ کا موقف بالکل ناقابل اعتبار قرار پاتا ہے۔ دوسری طرف مسلم علما کی اکثریت کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے جس فرزند کی قربانی پیش کرنے کا حکم دیا تھا، وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے مسلم علما حضرت اسحاق علیہ السلام پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی برتری کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے نزدیک تمام پیغمبر اللہ تعالیٰ کے رسول ہونے کی حیثیت سے رتبے میں برابر ہیں۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری محسوس ہوتی ہے کہ بعض مقامات پر مصنف نے مجبوراً اور ضرورتاً بائبل سے بعض حوالے نقل کیے ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ بائبل کے مصنفین نے پیغمبروں کے درمیان موازنے کی روش اختیار کی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی شخصیت اور کردار کے متعلق بائبل میں موجود واقعات کی تشریح کرتے ہوئے علمائے بائبل نے بے باکی، بلکہ قدرے گستاخی کا رویہ اختیار کیا ہے۔ اسی طرح حضرت

سارہ پر الزامات لگائے گئے ہیں کہ وہ حضرت ہاجرہ اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ اپنے سلوک میں بہت ظالمانہ، حاسدانہ اور انتقامی جذبات رکھتی تھیں۔ یہ صرف علمائے بائبل ہی کا موقف ہے۔ کتاب ہذا کا مصنف ان تمام عظیم شخصیات کو عزت اور احترام کی نظر سے دیکھتا اور انہیں یکساں طور پر معصوم اور قابل احترام تصور کرتا ہے۔

کتاب کے موضوعات کی تحقیق کے لیے موضوعی اور غیر جانبدار مطالعہ کی روش اختیار کی گئی ہے۔ یہ بات ابتدا ہی میں ذہن نشین کر لی جانی چاہیے کہ جب قربانی کا یہ واقعہ بائبل میں تحریر کیا گیا تھا، اس وقت تک اسے رونما ہوئے قریباً ایک ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ بیت چکا تھا۔ یہ بات بالکل نامعلوم ہے کہ اس کتاب کا مصنف کون تھا اور اس کی ثقافت کس حیثیت کی تھی، لیکن یہ بات بالکل یقینی ہے کہ وہ اس واقعہ کا چشم دید گواہ ہرگز نہیں تھا۔ جب خود مصنف ہی گمنا ہے تو اس بات کا تعین کیسے کیا جاسکتا ہے کہ اس نے یہ مواد کہاں سے حاصل کیا تھا، اور جس سے حاصل کیا تھا، اس کے ثقہ ہونے کا کہاں تک امکان ہے۔ اس سے یہ اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے کہ صدیوں تک اس واقعے کی زبانی روایت کے دوران میں عہد بہ عہد راویوں نے اس کے بیان میں کیسی کیسی 'اصلاحات' اور کتنا 'رد و بدل' کر کے اس کا کیا کیا حلیہ بگاڑا ہوگا، جبکہ اس کام کو سرانجام دینے والے لوگ خود کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کے حریف سمجھتے تھے اور اپنے حق میں یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی منتخب قوم اور اس کے لاڈلے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس بیان کا گہری نظر اور تنقیدی شعور کے ساتھ سوچ سمجھ کر تجزیہ کیا جائے اور اس کی کسی بھی بات کو قبول کرنے سے پہلے اس کے تمام پہلوؤں کے متعلق بے لاگ تحقیق کر لی جائے۔

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ بائبل میں حضرت ابراہیم کو 'آزمانے' کا جو ذکر ہے، اس کے لیے قرآن کریم میں 'امتلا' کا لفظ آیا ہے۔ 'امتلا' کے لفظ سے یہ مراد نہیں کہ اکلوتے بیٹے کو لازماً ذبح ہونا ہے۔ مقصود صرف یہ ہے کہ یہ بات بغیر کسی شک و شبہ کے ٹکڑے کر سامنے آ جائے کہ حضرت ابراہیم بلا تامل فرمان الہی کے آگے سر تسلیم خم کر کے بیٹے کی قربانی کے لیے تیار ہو گئے ہیں۔ اسی

طرح سورہ صافات (۱۰۲:۳۷) میں قرآن کے الفاظ 'میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تمہیں ذبح کرتا ہوں' اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ محض ایک خواب تھا، نہ کہ ایک واقعی حقیقت۔ قابل غور بات یہ ہے کہ وہ یہ الفاظ استعمال نہیں کرتے کہ 'میں نے تمہیں ذبح کر دیا ہے' یا 'میں نے تمہیں ذبح کیا ہے'۔ اس کے بجائے وہ کہتے ہیں: 'میں تمہیں ذبح (کرنے کا ارادہ) کرتا ہوں'۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عمل ذبح کی تکمیل مقصود الہی نہ تھی۔

حواشی تعارف

۱۔ یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ جس بیٹے کی قربانی پیش کی جانی تھی، اُس کا نام اس عبارت میں پانچ جگہ بیان ہوا ہے، لیکن پوری عبارت میں صرف ایک مقام ایسا ہے جہاں یہ اللہ تعالیٰ سے منسوب کیا گیا ہے۔ باقی چار مقامات (آیات ۶۰۳، ۶۰۴، ۹۰۷) پر یہ نام کتاب کے مرتب کی طرف سے لیا گیا ہے، اس بیٹے کا ذکر تین مرتبہ (آیات ۵، ۶، ۹۰۷) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا ہے، لیکن ان تینوں مقامات پر کسی جگہ بھی انھوں نے اس بیٹے کا ذکر (اسحاق) کے نام سے نہیں کیا۔ آیت ۵ میں انھوں نے اپنے اس بیٹے کے لیے 'میں اور لڑکا' کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور آیات ۶ اور ۸ میں انھوں نے اُس کے لیے 'میرا بیٹا' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ خداوند کے فرشتے نے بھی اُس بیٹے کا ذکر کسی جگہ 'اسحاق' کے نام سے نہیں کیا۔

باب اول

’قربانی‘ کی کہانی، بائبل میں

بائبل میں درج ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپنا ’اکلوتا بیٹا‘ سوختی قربانی کے طور پر پیش کرنے کے لیے کہا۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ ’اکلوتا بیٹا‘ صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی کو کہا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ صرف اسماعیل علیہ السلام ہی تھے جو چودہ سال تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اکلوتے فرزند رہے۔ جب حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کسی بھی فرزند کے متعلق ’اکلوتا بیٹا‘ کے الفاظ استعمال نہیں کیے جاسکتے تھے، کیونکہ اب ان کے صرف ایک نہیں، بلکہ دو بیٹے تھے۔ یہودی علماء نے خیال کیا کہ اللہ کے حضور قربانی کے لیے پیش کیا جانا ایک بہت بڑا اعزاز ہے، اس لیے ان کو یہ بات پسند نہ آئی کہ قربانی کا یہ واقعہ اصلی اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے منسوب ہو، کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کے حقیقی مورث اعلیٰ نہ تھے۔ ان کے مورث اعلیٰ تو حضرت اسحاق علیہ السلام تھے، اس لیے انھوں نے قربانی کے اس واقعہ کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کی کوشش کی۔

بائبل کے بیان کے مطابق قربانی کا مقصد یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کی جائے، جس کی پہلی ہی آیت میں وضاحت کر دی گئی ہے۔ قرآن کریم میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کا ذکر موجود ہے:

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي
قَالَ لَا يَنْبَأُ غَهْدِي الظَّالِمِينَ. (البقرہ ۲۵۰، ۱۲۴)

پاؤں کو کہ جب ابراہیمؑ کو اُس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ اُن سب میں پورا اثر
گیا، تو اُس نے کہا: 'میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ ابراہیمؑ نے عرض کیا: 'اور کیا میری
اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے؟' اُس نے جواب دیا: 'میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے۔'
اہم اور قابل غور بات یہ ہے کہ قربانی کا خواب میں دکھایا جانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ مقصود محض
ایک آزمائش ہی تھی اور ان الفاظ پر بعینہ عمل کیا جانا مطلوب نہ تھا۔ بیان واقعہ سے یہ بات پوری
طرح عیاں ہے۔



بائبل میں واقعہ قربانی کا بیان

بائبل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے اکلوتے بیٹے کو قربانی کے لیے پیش کرنے کا واقعہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے:

And it came to pass after these things, the God did tempt Abraham, and said unto him, Abraham: and he said, Behold, here I am. (2) And he said, Take now thy son, thine only son Isaac, whom thou lovest, and get thee into the land of Moriah; and offer him there for a burnt offering upon one of the mountains which I will tell thee of. (3) And Abraham rose up early in the morning, and saddled his ass, and took two of his young men with him, and Isaac his son, and clave the wood for the burnt offering, and rose up, and went unto the place of which God had told him. (4) Then on the third day Abraham lifted up his eyes, and saw the place afar off. (5) And Abraham said unto his young men, Abide ye here with the ass and I and the lad will go yonder and worship, and come again to you (6) And Abraham took the wood of the burnt offering, and laid it upon Isaac his son; and he took the fire in his hand, and a knife; and they went both of them together. (7) And Isaac spake unto Abraham his father, and said, My father: and he said, Here am I, my son. And he said, Behold the fire and the wood: but where is the lamb for a burnt offering? (8) And Abraham said, My son, God will provide himself a lamb for a burnt offering: so they went both of them together. (9) And they came to the place which God had told him of; and Abraham built an altar there, and laid the wood in order, and bound Isaac his son, and laid him on the altar upon the wood. (10) And Abraham stretched forth his hand, and took the knife to slay his son. (11) And the angel of the Lord called unto him out of heaven, and said, Abraham, Abraham: and he said, Here am I. (12) And he said, Lay not thine hand upon the lad, neither do thou any thing upon him: for now I know that thou fearest God, seeing thou hast not withheld thy son, thine only son from me. (13) And Abraham lifted up his eyes, and looked, and behold behind him a ram caught in a thicket by his horns: and Abraham went and took the ram, and offered him up for a burnt offering in the stead of his son. (14) And Abraham called the name of that place Jehovah-jireh: as it is said to this day, In the mount of the Lord it shall be seen. (15) And the angel of the Lord

called unto Abraham out of heaven the second time, (16) And said, By myself have I sworn, saith the Lord, for because thou hast done this thing, and hast not withheld thy son, thine only son: (17) That in blessing I will bless thee, and in multiplying I will multiply thy seed as the stars of the heaven, and as the sand which is upon the sea shore; and thy seed shall possess the gate of his enemies; (18) And in thy seed shall all the nations of the earth be blessed; because thou hast obeyed my voice.

کتاب مقدس سے اس کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے:

ان باتوں کے بعد یوں ہوا کہ خدا نے ابرہام کو آزماتا یا اور اسے کہا اے ابرہام! اس نے کہا میں حاضر ہوں (۱)۔ تب اُس نے کہا کہ تو اپنے بیٹے اِتھاق کو جو تیرا اکلوتا ہے اور جسے تو پیار کرتا ہے ساتھ لے کر موریاہ کے ملک میں جا اور وہاں اُسے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا سوختی قُربانی کے طور پر چڑھا (۲)۔ تب ابرہام نے صبح سویرے اٹھ کر اپنے گدھے پر چار جامہ کسا اور اپنے ساتھ دو جانوں اور اپنے بیٹے اِتھاق کو لیا اور سوختی قُربانی کے لیے لکڑیاں چیریں اور اٹھ کر اُس جگہ کو جو خدا نے اُسے بتائی تھی روانہ ہوا (۳)۔ تیسرے دن ابرہام نے نگاہ کی اور اُس جگہ کو نور سے دیکھا (۴)۔ تب ابرہام نے اپنے جانوں سے کہا تم یہیں گدھے کے پاس ٹھہرو۔ میں اور یہ لڑکا دونوں ذرا وہاں تک جاتے ہیں اور سجدہ کر کے پھر تمہارے پاس لوٹ آئیں گے (۵)۔ اور ابرہام نے سوختی قُربانی کی لکڑیاں لے کر اپنے بیٹے اِتھاق پر رکھیں اور آگ اور چھرتی اپنے ہاتھ میں لی اور دونوں اِکٹھے روانہ ہوئے (۶)۔ تب اِتھاق نے اپنے باپ ابرہام سے کہا اے باپ! اُس نے جواب دیا کہ اُسے میرے بیٹے میں حاضر ہوں۔ اُس نے کہا دیکھ آگ اور لکڑیاں تو ہیں پر سوختی قُربانی کے لیے ترہ کہاں ہے؟ (۷)۔ ابرہام نے کہا اے میرے بیٹے خدا آپ ہی اپنے واسطے سوختی قُربانی کے لیے ترہ مہیا کر لے گا۔ سو وہ دونوں آگے چلتے گئے (۸)۔ اور اُس جگہ پہنچے جو خدا نے بتائی تھی۔ وہاں ابرہام نے قُربان گاہ بنائی اور اُس پر لکڑیاں پختیں اور اپنے بیٹے اِتھاق کو باندھا اور اُسے قُربان گاہ پر لکڑیوں کے اوپر رکھا (۹)۔ اور ابرہام نے ہاتھ بڑھا کر مٹھری لی کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرے (۱۰)۔ تب خداوند کے فرشتے نے اُسے آسمان سے پکارا کہ اے ابرہام! اے ابرہام! اُس نے

کہا میں حاضر ہوں (۱۱)۔ پھر اس نے کہا کہ تو اپنا ہاتھ لڑکے پر نہ چلا اور نہ اس سے کچھ کر کیونکہ میں اب جان گیا کہ تو خدا سے ڈرتا ہے اس لیے کہ تو نے اپنے بیٹے کو بھی جو تیرا اکلوتا ہے مجھ سے دریغ نہ کیا (۱۲)۔ اور ابرہام نے نگاہ کی اور اپنے پیچھے ایک مینڈھا دیکھا جس کے سینگ جھاڑی میں اٹکے تھے۔ تب ابرہام نے جا کر اُس مینڈھے کو پکڑا اور اپنے بیٹے کے بدلے سوختی قربانی کے طور پر چڑھایا (۱۳)۔ اور ابرہام نے اُس مقام کا نام یہوداہیری رکھا۔ چنانچہ آج تک یہ کہادت ہے کہ خُداوند کے پہاڑ پر مہیا کیا جائے گا (۱۴)۔ اور خُداوند کے فرشتے نے آسمان سے دوبارہ ابرہام کو نکارا اور کہا کہ (۱۵)۔ خُداوند فرماتا ہے چونکہ تُو نے یہ کام کیا کہ اپنے بیٹے کو بھی جو تیرا اکلوتا ہے دریغ نہ کر رکھا اس لیے میں نے بھی اپنی ذات کی قسم کھائی ہے کہ (۱۶)۔ میں تجھے برکت پر برکت دوں گا اور تیری نسل کو بڑھاتے بڑھاتے آسمان کے تاروں اور سمندر کے کنارے کی ریت کی مانند کروں گا اور تیری اولاد اپنے دشمنوں کے پھانگ کی مالک ہوگی (۱۷)۔ اور تیری نسل کے وسیلے سے زمین کی سب قومیں برکت پائیں گی کیونکہ تُو نے میری بات مانی (۱۸)۔

یہاں یہ بات فہم میں رہے کہ مندرجہ بالا عبارت میں قصہ نگار نے صرف محدود الفاظ ہی خداوند کی طرف منسوب کیے ہیں، باقی تمام عبارت قصہ نگار کے انسانی توضیحی الفاظ پر مشتمل ہے۔ جو الفاظ خداوند کی طرف منسوب ہیں، ان میں بھی ہزار سالہ زبانی روایت کے مراحل میں فطری طور پر اور راویوں کے رجحانات و نظریات کے زیر اثر حذف و اضافہ ہوتا رہا ہے۔ اس سے عبارت کی استنادی حیثیت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

ہانبل کے اس قصے کی حیثیت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے اکلوتے بیٹے کو قربانی کے لیے پیش کرنے کے مندرجہ بالا قصے میں قابل لحاظ حد تک کئی مرتبہ متعدد تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا ہلیکا میں اس کے متعلق وضاحت کی گئی ہے:

It has become certain that the story has been considerably altered since E [Elohist] wrote it. The editor or compiler of JE [Yahwist and Elohist] not only appended vv 14b-18 (an unoriginal passage, full of reminiscences), but also introduced several alterations into vv. 1-14a (...). So far, however, as an opinion is possible, the form of the Elohist's story is, apart from the detail about the ram, all his own. It was suggested, indeed, by circumstances already related in the traditional narratives; but it was molded by himself, and it is bathed throughout in an ideal light. Evidently this pious writer felt that for the higher religious conceptions no traditional story would be an adequate vehicle. The course which he adopted shows the writer to have been a great teacher. He admits the religious feeling which prompted the sacrifice of a firstborn son; (...).

یہ بات یقینی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ جب سے الوہست (Elohist) نے یہ قصہ تحریر کیا اس وقت سے یہ قابل لحاظ حد تک تبدیل ہو چکا ہے۔ یہوہست (Yahwist) + الوہست (Elohist)، یعنی JE کے مدبر و مؤلف نے نہ صرف اس میں آیات ۱۲-۱۸ (جو اصلی عبارت میں موجود نہیں، بلکہ زبانی یادداشتوں پر مشتمل ہیں) کا اضافہ کیا، بلکہ آیات ۱۳ تا ۱۴-الف میں بھی متعدد تبدیلیاں کیں۔ (...) تاہم جس حد تک کوئی رائے قائم کرنا ممکن ہے، بنے کے متعلق بیان کردہ تفصیلات کو چھوڑ کر، الوہست کے بیان کردہ قصے کے ضد و خال اس کی اپنی تصنیف ہیں۔ اس کی طرف اشارے تو فی الحقیقت ان حالات سے ماخوذ ہیں جو روایتی قصے میں پہلے سے موجود ہیں، لیکن ان کا ڈھانچا خود اسی کا تیار کردہ ہے اور یہ شروع سے آخر تک ایک مثالی انداز میں لکھا گیا ہے۔

صاف ظاہر ہے کہ اس نیک اور پارسا مصنف نے یہ محسوس کیا کہ بلند ترویخی تصورات کے لحاظ سے وہ قصہ جو روایتی طور پر بیان ہوتا آ رہا ہے، مناسب نہیں۔ اس نے جو راستہ اختیار کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف ایک بہت بڑا معلم رہا ہے۔ وہ اس دینی احساس کا اعتراف کرتا ہے جو پہلوئے بیٹے کی قربانی کا محرک ہوا۔ (...)

یہ اقتباس اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے۔ الگ الگ نکات کی صورت میں اسے یوں پیش کیا جاسکتا ہے:

(۱) اس قصے میں 'تبدیلیاں' اور 'اضافے' پوری آزادی سے رو بہ عمل لائے گئے ہیں۔

(۲) 'تبدیلیوں' کا عمل محض ایک مغرضہ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک یقینی امر ہے۔

(۳) 'تبدیلیاں' صرف ایک دو نہیں، بلکہ قابل لحاظ مقدار میں کی گئی ہیں۔

(۴) اس قصے کا مرکزی موضوع الوہیت روایت سے تعلق رکھتا ہے۔

(۵) جس مؤلف نے الوہیت اور یہوہیت بیانات کے امتزاج سے یہ قصہ ترتیب دیا ہے،

اس نے نہ صرف آیات ۱۳-ب تا ۱۸ کا اضافہ کیا، بلکہ آیات ۱۳-الف میں اپنی طرف سے متعدد تبدیلیاں بھی کیں۔

(۶) مؤلف ایک نیک و پارسا مصنف اور ایک بڑا معلم تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ روایتی

قصہ مفید مطلب نہیں تو اس نے اسے بڑی آزادی سے بذات خوایہ انداز میں ڈھال لیا جو اس کے نزدیک بلند ترویخی تصورات کے لحاظ سے زیادہ موزوں تھا۔

(۷) پہلوئے بیٹے کی قربانی ایک دینی ضرورت سمجھی جاتی تھی۔

حواشی باب اول

1. The Bible (KJV), Gen. 22:1-18

ج حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو سختی قربانی کے طور پر پیش کرنے کے لیے لے جا رہے تھے۔ یہ بات کہ وہ وہاں عبادت کے لیے جا رہے تھے، درست نہیں ہے، تاہم اگر 'عبادت' سے یہاں 'قربانی' مراد لی جائے تو یہ کہنا صحیحاً غلط ہوگا کہ ابراہیم علیہ السلام خود اور یہ لڑکا ان (دو جوانوں) کے پاس واپس آ جائیں گے۔ وہ اپنے 'انکوائری' کو قربانی کے لیے پیش کرنے کی غرض سے لے جا رہے تھے، اس لیے واپسی پر وہ اور ان کا یہ لڑکا اکٹھے تو کسی صورت نہ آ سکتے تھے۔ جب مینا قربان ہونا تھا تو ظاہر ہے واپس تو صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی آ سکتے تھے، لیکن اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جھوٹ نہیں بول رہے تھے اور انہیں اس بات کی پیشگی اطلاع تھی کہ اس لڑکے کی جگہ قربانی کے لیے ایک بڑا مہیا کر دیا جائے گا تو پھر نام نہاد قربانی کا یہ سارا ڈراما بے وقعت ہو کر رہ جاتا ہے اور 'آزمائش' والی یہ بات سراسر بے معنی اور فضول قرار پاتی ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کہانی کا یہ حصہ جعلی ہے، کیونکہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے عظیم الشان پیغمبر کو ایک جھوٹے اور دھوکے باز انسان کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ یہ بات ایک نبی کے منصب کے کسی طرح بھی شایان شان نہیں۔ جو شخص سچا، دیانت دار اور قابل اعتماد نہ ہو، اسے نبی کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔

ج یہ بات بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی کے کردار سے مطابقت نہیں رکھتی کہ لکڑیوں کا بھاری گٹھا تو اپنے فرزند کے ناتواں کندھوں پر لاد دیں، حالاں کہ اسے ابھی ابھی اللہ تعالیٰ کے حضور قربانی کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔ یہ صحیحاً بے رحمی ہے۔ اس وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ وہ ایسا کرتے۔ اس طرح کہانی کا یہ حصہ کسی طرح قابل اعتبار قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ج یہاں پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ بات درست نہیں ہو سکتی کہ 'خدا آپ ہی اپنے واسطے سختی قربانی کے لیے بڑا مہیا کر لے گا'۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بیٹے کی قربانی کا حکم ہوا

تھا اور وہ اسی مقصد کے لیے جا بھی رہے تھے۔ انھیں اس بات کا قتل از وقت علم نہ تھا کہ ان کے بیٹے کی جگہ قربانی کے لیے ایک بڑہ مہیا کر دیا جائے گا، مگر نہ تو 'آزمائش' کا یہ سارا عمل ایک ڈراما قرار پاتا اور اس کی کوئی حیثیت نہ ہوتی۔ اس صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول کہ 'خُد آپ ہی اپنے واسطے سوختنی قربانی کے لیے بڑہ مہیا کر لے گا۔' درست نہیں، جو ناقابل یقین ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ بعد کے کسی مؤلف کا اضافہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شایان شان نہیں کہ وہ اس طرح کی جھوٹی طفل تلمیذوں کے ذریعے سے اپنے بیٹے کو بہلانے کی کوشش کریں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کہانی کا یہ حصہ بھی کسی بعد کے مؤلف کا طبع زاد ہے۔

یہ بات کہ 'چنانچہ آج تک یہ کہات ہے' صریحاً ایک ایسا اضافہ ہے جو ممکن ہے کہ اس واقعہ کے رونما ہونے کے صدیوں بعد کسی مؤلف نے کیا ہو۔ بعض مفسرین اس اضافے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں، مثلاً:

This name, Moses adds, gave birth to the proverb, 'In the Mount of Jehovah it shall be seen.' [7th Day Adventist Bible Com., ed. Francis D. Nichol et al. (Hagerstown: Review & Herald Publishing Association, 1978), 1:353].

یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بات کا اضافہ کر دیا کہ اس نام کی وجہ سے یہ کہات مشہور ہو گئی ہے کہ خُداوند کے پہاڑ پر مہیا کیا جائے گا۔

لیکن اب کوئی ثقہ عالم تورات کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف قرار نہیں دیتا، کیونکہ یہ تو ان کے قریباً پانچ سو سال بعد ضبط تحریر میں لائی گئی تھی۔

۱۔ سیاق و سباق کا تقاضا ہے کہ بائبل کی یہ عبارت:

'چونکہ تُو نے یہ کام کیا کہ اپنے بیٹے کو بھی جو تیرا اکلوتا ہے، در بلیغ نہ رکھا، اس لیے میں نے بھی اپنی ذات کی قسم کھائی ہے کہ میں تجھے برکت پر برکت دؤں گا اور تیری نسل کو بڑھاتے بڑھاتے آسمان کے تاروں اور سمندر کے کنارے کی ریت کی مانند کر دؤں گا۔'

اس بیٹے سے متعلق قراردی جائے جس کا یہاں ذکر ہوا ہے اور جسے ابھی ابھی حضرت ابراہیم نے قربانی کے لیے پیش کیا تھا۔ تاہم جب 'تیری نسل' کے الفاظ کا اس طرح مطلقاً استعمال کیا جائے تو ان کا

اطلاق ان کی نسل کے دوسرے لوگوں پر بھی کیا جاسکتا ہے، لیکن اس میں حضرت اسماعیل اور ان کی اولاد ترجیحی طور پر شامل ہوگی۔ اس طرح نسل اسماعیل پر برکت اور اضافہ کے وعدے میں لازماً شامل قرار پائے گی۔

یہ اس کا حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل پر اطلاق ممکن نہیں۔ یہ تو دور کی بات ہے کہ ان کے متعلق یہ کہا جائے کہ تیری اولاد اپنے دشمنوں کے پھانک کی مالک ہوگی، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ تو اپنے صد سالہ عہد متحدہ مملکت کی مختصر مدت کے سوا اپنی تاریخ کے کسی دور میں اپنے پھانگوں کی حتیٰ کہ ہیکل سلیمانی کی عمارت کی بھی حفاظت نہ کر سکی۔

۵۔ جہاں تک یہودیوں کا تعلق ہے، وہ صرف اپنے آپ ہی کو اللہ تعالیٰ کی لاٹری اور منتخب قوم قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں بائبل کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

۱۔ دنیا کے سب گھرانوں میں سے میں نے صرف تم کو برگزیدہ کیا ہے۔ (عاموس ۳: ۲)

۲۔ کیونکہ تو خداوند اپنے خدا کی مقدس قوم ہے اور خداوند نے تجھ کو روئے زمین کی اور سب قوموں میں سے چن لیا ہے تاکہ تو اس کی خاص قوم ٹھہرے۔ (استثنا ۱۴: ۲)

۳۔ اور جب خداوند تیرا خدا ان کو تیرے آگے شکست دلانے اور تو ان کو مار لے تو تو ان کو بالکل نابود کر ڈالتا۔ تو ان سے کوئی عہد نہ باندھنا اور نہ ان پر رحم کرنا۔ تو ان سے یہ شادی بھی نہ کرنا۔ نہ ان کے بیٹوں کو اپنی بیٹیاں دینا اور نہ اپنے بیٹوں کے لیے ان کی بیٹیاں لینا کیونکہ وہ تیرے بیٹوں کو میری بیوی سے برگشتہ کر دیں گے تاکہ وہ اور معبودوں کی عبادت کریں۔ (۱۔)۔ کیونکہ تو خداوند اپنے خدا کے لیے ایک مقدس قوم ہے۔ خداوند تیرے خدا نے تجھ کو روئے زمین کی اور سب قوموں میں سے چن لیا ہے تاکہ اس کی خالص امت ٹھہرے خداوند نے جو تم سے محبت کی اور تم کو چن لیا تو اس کا سبب یہ نہ تھا کہ تم شمار میں اور قوموں سے زیادہ تھے کیونکہ تم سب قوموں سے شمار میں کم تھے۔ بلکہ چونکہ خداوند کو تم سے محبت ہے اور وہ اس قسم کو جو اس نے تمہارے باپ دادا سے کھائی پورا کرنا چاہتا تھا اس لیے خداوند تم کو اپنے زور آور ہاتھ سے نکال لایا اور غلامی کے گھر یعنی مصر کے بادشاہ فرعون کے ہاتھ سے تم کو خلاص بنی۔ سو جان لے کہ خداوند تیرا خدا وہی خدا ہے۔ وہ وفادار خدا ہے اور جو اس سے محبت رکھتے ہیں اور اس کے حکموں کو مانتے ہیں ان کے ساتھ ہزار پشت تک وہ اپنے عہد کو قائم رکھتا اور ان پر رحم کرتا ہے۔

(...) اور [وہ] تجھ سے محبت رکھے گا اور تجھ کو برکت دے گا اور بڑھائے گا اور اس ملک میں جسے تجھ کو دینے کی قسم اس نے تیرے باپ دادا سے کھائی، وہ تیری اولاد پر اور تیری زمین کی پیداوار یعنی تیرے غلہ اور نئے اور تیل پر اور تیرے گائے، بیل کے اور بھیڑ بکریوں کے بچوں پر برکت نازل کرے گا۔ تجھ کو سب قوموں سے زیادہ برکت دی جائے گی اور تم میں یا تمہارے چوپایوں میں نہ تو کوئی عقیق ہوگا نہ بانجھ [یہ وعدہ صریحاً خلاف حقیقت ہے، کیونکہ یہودیوں میں سے ایسے ہزاروں لوگ ہوئے ہوں گے جو بانجھ تھے یا ان کے مویشی بانجھ تھے]۔ اور خداوند ہر قسم کی بیماری تجھ سے دور کرے گا اور مصر کے ان برے ردگوں کو جن سے تو واقف ہے تجھ کو گلے نہ دے گا۔ بلکہ ان کو ان پر جو تجھ سے عداوت رکھتے ہیں نازل کرے گا [یہ بھی خوش اعتمادی پر مبنی ایک خواہش سے زیادہ حثیت نہیں رکھتی اور زمینی حقائق کے بھی خلاف ہے۔ نیز اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان نام نہاد خداوند کے لوگوں کی ذہنیت کیا تھی]۔ اور تو ان سب قوموں کو جن کو خداوند تیرا خدا تیرے قابو میں کر دے گا نابود کر ڈالنا۔ تو ان پر ترس نہ کھانا [کیسے بد نصیب ہوں گے وہ بے چارے لوگ جو شامت اعمال سے خدا کی اس 'جنتی ہوئی' قوم کے ہتھے چڑھ جائیں]۔ (...) اور خداوند تیرا خدا ان قوموں کو تیرے آگے سے تھوڑا تھوڑا کر کے دفع کرے گا۔ تو ایک ہی دم ان کو ہلاک نہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ جنگی درندے بڑھ کر تجھ پر حملہ کرنے لگیں۔ بلکہ خداوند تیرا خدا ان کو تیرے حوالے کرے گا اور ان کو ایسی شکست فاش دے گا کہ وہ نابود ہو جائیں گے (استثنا ۲: ۴-۶، ۱۰-۱۳، ۱۶-۲۲-۲۴)۔

جیوش انسائیکلو پیڈیا ۴: ۳۵ پر بائبل کی کتاب استثنا ۱۴: ۲ (R.V.) سے نقل کیا گیا ہے:

Thou art an holy people unto the Lord thy God, and the Lord hath chosen thee to be a peculiar people unto himself, above all peoples that are upon the face of the earth.

تو خداوند اپنے خدا کے نزدیک ایک مقدس قوم ہے اور خداوند نے تجھے روئے زمین کی تمام قوموں کے مقابلے میں اپنے لیے ایک مخصوص قوم کے طور پر چن لیا ہے۔

جیوش انسائیکلو پیڈیا ۴: ۳۵ پر 'Mek. Yltro, Pes. R. K. 103b, 186a, 200a' کے حوالے سے

مزید بیان کیا گیا ہے:

The Lord offered the Law to all nations; but all refused to accept it except Israel.

خداوند نے قانون تمام قوموں کو پیش کیا، لیکن اسرائیل کے سوا سب نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

یہودی عملی طور پر اسے اپنے لیے امتیازی وجہ افتخار سمجھتے ہیں۔ یہ بات ان کے درمیان ایک مسلسل روایت کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس طرح یہ بات کہ 'اور تیری نسل کے وسیلے سے زمین کی سب قومیں برکت پائیں گی' یہود پر کسی طرح صادق نہیں آتی۔ اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی پوری نسل، جو بنی اسرائیل یا یہود کے نام سے معروف ہے، کی تاریخ اس بات کی نفی کرتی ہے۔ مندرجہ بالا اقتباسات کے حوالے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ روئے زمین کی تمام قومیں حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل، یعنی یہود کے وسیلے سے کسی طرح بھی برکت حاصل نہیں کر سکتیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہود کا وجود روئے زمین کی تمام قوموں کے لیے موجب تکلیف و لعنت ہے۔ اس کے برعکس حضرت اسماعیل علیہ السلام جنھیں قربانی کے لیے پیش کیا گیا تھا، ہی وہ ذات ہیں جن کی نسل کے ذریعے سے روئے زمین کی تمام قومیں فیض یاب ہوئی ہیں۔

9۔ کتاب مقدس، پیدائش، 1:22-18، ہابیل موسائی، انارکلی، لاہور، 2002ء۔

10- Enc. Biblica, Ed. T.K. Cheyne, (London: Watts and co.), 2:2175,7.



باب دوم

حضرت ابراہیم کو اپنا اکلوتا بیٹا قربان کرنے کا حکم دیا گیا تھا

بائبل واضح طور پر بیان کرتی ہے کہ جس بیٹے کی قربانی درکار تھی، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا 'اکلوتا بیٹا' تھا۔ یہ ایک بہت اہم اور مرکزی نکتہ ہے۔ اسے نہ نظر انداز کیا جانا چاہیے اور نہ بے وزن سمجھنا چاہیے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے بچے اور سب سے بڑے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ اور جب ابرام سے باجرہ کے اسماعیل پیدا ہوا تب ابرام چھیا سی برس کا تھا۔

بائبل میں درج ہے:

اور ابرام کی بیوی ساری کے کوئی اولاد نہ ہوئی (...) اور ابرام کو ملک کنعان میں رہتے دس برس ہو گئے تھے جب اس کی بیوی ساری نے اپنی مصری لونڈی اسے دی کہ اس کی بیوی بنے۔ (...) یہ اور ابرام سے باجرہ کے ایک بیٹا ہوا اور ابرام نے اپنے اس بیٹے کا نام جو باجرہ سے پیدا ہوا اسماعیل رکھا اور جب ابرام سے باجرہ کے اسماعیل پیدا ہوا تب ابرام چھیا سی برس کا تھا۔

لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو وہ ایک سو سال کے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام چودہ سال کے ہو چکے تھے۔ بائبل کا بیان ہے:

اور خدا نے ابرہام سے کہا کہ ساری جو تیری بیوی ہے سو اس کو ساری نہ پکارنا۔ اس کا نام سارہ

ہوگا۔ اور میں اسے برکت دوں گا اور اس سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشوں گا۔ یقیناً میں اسے برکت دوں گا کہ تو میں اس کی نسل سے ہوں گی اور عالم کے بادشاہ اس سے پیدا ہوں گے۔ تب ابراہام سرنگوں ہوا اور بس کر دل میں کہنے لگا کہ کیا سو برس کے بڑے سے کوئی بچہ ہوگا اور کیا سارہ کے جنوے برس کی ہے اولاد ہوگی؟ اور ابراہام نے خدا سے کہا کہ کاش اسماعیل ہی تیرے حضور جیتا رہے۔

اور جب اس کا بیٹا اسحاق اس سے پیدا ہوا تو ابراہام سو برس کا تھا۔

اس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام چودہ (۱۴) سال کی عمر کو پہنچنے تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اکلوتے بیٹے کی حیثیت رکھتے تھے۔

اگر بائبل کی متعلقہ عبارت کا، جو اس کتاب کے شروع میں دی گئی ہے، دوبارہ مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں 'تیرا بیٹا، تیرا اکلوتا بیٹا' کے الفاظ اس لڑکے کے وصف کے طور پر جسے قربانی کے لیے پیش کیا جانا تھا، تین مرتبہ استعمال کیے ہیں، لیکن اُس نے اپنی تمام گفتگو میں اس بیٹے کا نام 'اسحاق' صرف ایک دفعہ لیا ہے۔ اگر ان الفاظ کو نظر انداز کر دیا جائے جو کہانی نویس یا ایڈیٹر نے بیان یہ مکمل کرنے کے لیے اپنی طرف سے بڑھائے ہیں، تو وہ الفاظ جو عبارت میں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں، حسب ذیل بنتے ہیں:

Abraham: (...) Take now thy son, thine only son Isaac, whom thou lovest, and get thee into the land of Moriah; and offer him there for a burnt offering upon one of the mountains which I will tell thee of. (...) Abraham, Abraham: Lay not thine hand upon the lad, neither do thou any thing upon him: for now I know that thou fearest God, seeing thou hast not withheld thy son, thine only son from me. (...), By myself have I sworn, (...), for because thou hast done this thing, and hast not withheld thy son, thine only son: That in blessing I will bless thee, and in multiplying I will multiply thy seed as the stars of the heaven, and as the sand which is upon the sea shore; and thy seed shall possess the gate of his enemies: And in thy seed shall all the nations of the earth be blessed; because thou hast obeyed my voice.

ابراہام: (...) اب اپنے بیٹے، اپنے اکلوتے بیٹے اسحاق کو جس سے تو محبت کرتا ہے، لے اور تو موریہ کی سرزمین میں جا، اور اسے ان پہاڑوں میں سے ایک پر جو میں تجھے بتاؤں گا ایک سوختی

قربانی کے طور پر پیش کر۔ (...) ابرہام، ابرہام، اپنا ہاتھ لڑکے پر نہ ڈال، نہ تو اس پر کوئی چیز کر۔ کیونکہ اب یہ دیکھ کر کہ تو نے اپنا بیٹا، اپنا اکلوتا بیٹا مجھ سے نہیں روکا ہے (یعنی مجھ سے بچا کر نہیں رکھا ہے)، میں جان گیا ہوں کہ تو خداوند سے ڈرتا ہے۔ (...) میں اپنی ذات کی قسم کھاتا ہوں (...) کیونکہ تو نے یہ چیز کی ہے اور اپنے بیٹے، اپنے اکلوتے بیٹے کو مجھ سے بچا کر نہیں رکھا: میں تجھے برکت میں برکت دوں گا اور بڑھانے میں میں تیری نسل کو آسمان کے تاروں کی مانند اور اس ریت کی مانند جو ساحل سمندر پر ہے، بڑھاؤں گا اور تیری نسل اپنے دشمنوں کے صدر دروازے پر قبضہ کرے گی اور تیری نسل میں زمین کی تمام قومیں برکت پائیں گی۔ کیونکہ تو نے میری آوازیں پیروی کی ہے۔

یہاں اس بیٹے کا، جسے قربانی کے لیے پیش کرنا تھا، اس طرح ذکر ہوا ہے:

۱۔ تین مرتبہ Whom اور Him کی ضمیروں کے ساتھ۔ (اگر) اس عبارت میں سے اسحاق کے لفظ کا اضافہ نظر انداز کر دیا جائے تو ان ضمیروں کے ذریعے سے اس بات کا یقینی علم ممکن نہیں کہ یہاں کون سا بیٹا مراد ہے۔

۲۔ ایک مرتبہ لفظ 'لڑکا' کے ساتھ (اس سے بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ان دو بیٹوں میں سے وہ 'لڑکا' کون تھا)۔

۳۔ تین مرتبہ 'تیرا بیٹا، تیرا اکلوتا بیٹا' کے الفاظ میں (ظاہر ہے کہ یہ لڑکا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا، کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام کو ان کی زندگی کے کسی مرحلے میں بھی 'تیرا اکلوتا بیٹا' نہیں کہا جاسکتا تھا)۔

یہاں لفظ 'اسحاق' صرف ایک مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ اور وہ اس جگہ جہاں 'تیرا بیٹا، تیرا اکلوتا بیٹا' کے الفاظ پہلی مرتبہ استعمال ہوئے ہیں۔ کوئی قاری، جو معمولی سا بھی ادبی ذوق رکھتا ہو اور اس کے ساتھ معروضی، غیر متعصب اور آزاد سوچ کا بھی مالک ہو، اس بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ لفظ 'اسحاق' اس جگہ بالکل فالتو، غیر متعلق اور بے محل ہے۔ اگر وہ لڑکا، جو قربانی کے لیے درکار تھا، اسحاق ہوتا تو صرف یہ کہہ دینا کافی تھا کہ 'اپنے بیٹے اسحاق کو لو'۔ اللہ تعالیٰ 'تیرا اکلوتا بیٹا' کے الفاظ ہرگز استعمال نہ کرتا، کیونکہ یہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے حق میں بہر صورت ایک جھوٹی بات ہے

اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں کہ وہ جھوٹی بات کرے۔ 'تیرا اکلوتا بیٹا' اور 'اسحاق' ایک واحد وجود کے لیے یک جا استعمال نہیں ہو سکتے، کیونکہ واقعاتی لحاظ سے وہ ایک دوسرے کی بالکل ضد ہیں۔ الفاظ کے استعمال اور ان کی ترکیب سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اصل میں جس کی قربانی درکار تھی وہ 'اکلوتا بیٹا' تھا۔ اور قربان کیے جانے والے بیٹے کی امتیازی خصوصیت اس کا اکلوتا پن تھا جو اس کی نمایاں طور پر ایک پیشگی شرط تھی۔ یہی وجہ ہے کہ 'تیرا اکلوتا بیٹا' جو اس عبارت میں تین مرتبہ استعمال ہوا ہے، وہ دوسرے 'اسحاق' کے بغیر آزادانہ حیثیت میں استعمال ہوا ہے۔ اور صرف ایک مرتبہ 'اسحاق' کے ساتھ آیا ہے۔ 'تیرا بیٹا، تیرا اکلوتا بیٹا' کے الفاظ کی ساخت بغیر کسی شک و شبہ کے یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ زور اولاً بیٹے کے اکلوتے پن پر ہے، جس سے کہنے والے کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مطلوبہ بیٹا اکلوتا بیٹا ہے۔ اور یہ زور ثانیاً وضاحتی ضمیر 'تیرا' پر ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو بیٹا قربانی کے لیے مطلوب ہے، وہ اے ابراہیم تمہارا بیٹا ہے اور وہ صرف تمہارا ہی اکلوتا بیٹا ہے (نہ کہ تمہاری بیوی کا اکلوتا بیٹا)۔ اگر اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہوتا کہ قربانی کے لیے حضرت اسحاقؑ کا پیش کیا جانا مطلوب تھا تو وہ بلا تردد و اعلان کرتا 'سارہ کا اکلوتا بیٹا' یا 'تمہارا سارہ سے اکلوتا بیٹا'، اور وہ کسی حالت میں بھی یہ نہ کہتا کہ 'تیرا بیٹا، تیرا اکلوتا بیٹا'۔ اس طرح تو حضرت ابراہیمؑ کے لیے بھی الجھن پیدا ہوتی ہے اور بعد کے آنے والے ادوار میں پوری مذہبی دنیا کے لیے بھی۔ لفظ 'اسحاق' کا ایسے بھونڈے اور متناقض انداز میں استعمال چغلی کھاتا ہے کہ اس مقام پر کسی نادان مؤلف نے صریحاً بے جوڑ انداز میں کوئی تحریف کی ہے۔

محترم قاری سے التماس ہے کہ وہ یہاں بائبل کی متعلقہ عبارت کو ایک مرتبہ پھر پوری توجہ کے ساتھ اور تمام ذہنی تحفظات سے بالاتر ہو کر پڑھے۔ عبارت کی روانی متکلم کا منشا اور ارادہ پوری طرح واضح کر رہی ہے اور اس میں کسی ابہام کی کوئی گنجائش نہیں۔ متکلم (اللہ تعالیٰ) پوری عبارت میں قربانی کے لیے مطلوب فرزند کے لیے 'تیرا بیٹا، تیرا اکلوتا بیٹا' کے الفاظ استعمال کر رہا ہے اور کسی جگہ بھی اس کے لیے 'تیرا اکلوتا بیٹا' کے الفاظ کے بغیر محض 'تیرا بیٹا' کے الفاظ استعمال نہیں کر رہا،

تاکہ کسی جگہ مخاطب کے لیے غلط فہمی کا امکان باقی نہ رہے۔ 'تیرا اکلوتا بیٹا' اور 'اسحاق' صریح طور پر ایک دوسرے کے متضاد و متناقض الفاظ ہیں اور انھیں یکجا استعمال نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اسحاق زندگی کے کسی مرحلے میں بھی 'اکلوتا بیٹا' نہیں رہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسحاق علیہ السلام کے لیے 'اکلوتا بیٹا' کے الفاظ استعمال نہیں کیے (البتہ قصے کے راوی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے ایک جگہ اپنے ذہن بیٹے کے لیے 'میرا بیٹا اسحاق' کے الفاظ بھی استعمال کرائے ہیں)۔ مختلف مقامات میں سے صرف ایک جگہ مؤلف کتاب نے اللہ تعالیٰ سے 'تیرا بیٹا، تیرا اکلوتا بیٹا' کے الفاظ کے ساتھ 'اسحاق' کا لفظ کہلوا یا ہے، لیکن سیاق و سباق سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کسی مدّوں کا بعد کا اضافہ ہے۔ یہودیوں کی اس روش کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ وہ 'دینی ضرورت' کے تحت بائبل کی عبارت میں حذف و اضافہ یا تبدیلی کا آزادانہ ارتکاب کرتے تھے اور اس بات میں کوئی برائی بھی نہیں سمجھتے تھے۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ نسل اسحاق علیہ السلام کو ایک برتر اور بچی ہوئی قوم ثابت کرنا ان کی 'دینی ضرورت' تھی۔ اس کے بعد یہ بات سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی چاہے کہ کسی 'ٹیک' اور 'پارسا' ربی نے پوری معصومیت سے جہاں پہلی مرتبہ 'تیرا بیٹا، تیرا اکلوتا بیٹا' کے الفاظ دیکھے ہوں، وہاں فی البدیہہ اپنے 'Wishful Preconception' کے تحت 'اسحاق' کا لفظ وضاحت کے طور پر لکھ دیا ہو، جسے بعد کے ناقلین نے مفید مطلب سمجھ کر یا معصومانہ غلط فہمی سے اصل عبارت میں شامل کر لیا ہو۔

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ بائبل یہ دعویٰ کرتی ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اکلوتے بیٹے تھے۔ یہ صریحاً تحریف ہے، یا جیسا کہ انسائیکلو پیڈیا بلیکا نے لکھا ہے¹، جس کا اوپر ایک اقتباس میں ذکر ہے، یہ تبدیلی کے زمرے میں آتا ہے۔ بائبل کے علماء و مفسرین نے اس بات کا ادراک کر لیا تھا کہ یہاں ضرور کوئی گڑبگڑی گئی ہے۔ انھیں اخلاقی جرأت سے کام لے کر اس غلطی کی اصلاح کر دینی چاہیے تھی، یا پھر کم از کم وہ اس کی نشاندہی ہی کر دیتے۔ لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہوا۔ یہ سمجھ لینے کے باوجود کہ یہاں بائبل کے مؤلف نے صریحاً کوئی گڑبگڑ یا اضافہ کیا ہے، وہ

بڑے شوق سے اس کے ساتھ چپے رہے۔ میتھیو ہنری (Matthew Henry) نے اپنی تفسیر بائبل میں اس ترجمہ میں 'Only' کے ساتھ 'One' کا اضافہ کر کے اس میں ترمیم و اصلاح کی کوشش کی ہے۔ وہ لکھتا ہے:

That son whom thou lovest. It was a trial of Abraham's love to God, and therefore it must be in a beloved son, and that string must be touched most upon; in the Hebrew it is expressed more emphatically, and, I think, might very well be read thus, Take now that son of thine, that only one of thine, whom thou lovest, that Isaac. ۵

’وہ بیٹا جس سے تو محبت کرتا ہے‘: یہ ابراہام کی خداوند کے ساتھ محبت کا امتحان تھا اور اس لیے اسے ایک پیارے بیٹے کی صورت میں ہونا چاہیے تھا۔ اور اس روح کو پوری طرح پیش نظر رکھنا چاہیے۔ عبرانی میں اسے زیادہ زور دے کر بیان کیا گیا ہے۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ اسے یوں پڑھنا زیادہ بہتر ہوگا: اپنے اس بیٹے کو لے، اس کو جو تیرا ایک ہی اکلوتا بیٹا ہے، جس سے تو محبت کرتا ہے، وہی اسحاق۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحیح ترجمے کے لیے ’صرف ایک‘ کے وضعی الفاظ استعمال کیے جانے چاہئیں تھے نہ کہ صرف ’Only‘، یعنی ’اکلوتا‘ کے۔ اگر میتھیو ہنری کے مجوزہ ترجمے کو اختیار کر بھی لیا جائے تو بھی مفہوم وہی رہتا ہے۔ صحیح ترجمہ یعنی ’وہ تیرا ایک ہی اکلوتا‘ کا یقینی مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس وقت صرف ایک ہی بیٹا تھا۔ اور ابھی تک ان کے ہاں کوئی دوسرا بیٹا پیدا نہ ہوا تھا۔ سیدھی سی بات ہے کہ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے سوا کوئی ہو ہی نہیں سکتا تھا، کیونکہ جب تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا نہیں ہوئے تھے، حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ’ایک‘ اور ’اکلوتے‘ بیٹے تھے۔ اور اس وقت تک حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر چودہ سال ہو چکی تھی۔

بائبل کے علما نے لفظ کے حقیقی مفہوم سے گریز کی سعی لا حاصل کی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ لفظ ’اکلوتا‘ کا مطالعہ کیا جائے۔ عبرانی بائبل میں ’اکلوتا‘ کے لیے ’متحد‘ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

’سحید‘ کے معنی ہیں: ’ایک ہی، تنہا، اکیلا (بچہ یا بیٹا)، تنہائی میں (سرونگز ڈکشنری ۴۹، اندارج نمبر ۳۱۷، عہد نامہ قدیم کی عبرانی و آرامی لغات، برل، ۲۰۰۱ء، ص ۴۰۶)‘۔ اس کے علاوہ بائبل کے سارے عہد نامہ قدیم میں یہ لفظ صرف مندرجہ ذیل چار مقامات پر استعمال ہوا ہے:

کیونکہ میں بھی اپنے باپ کا بیٹا تھا اور اپنی ماں کی نگاہ میں نازک اور اکیلا لاؤلا۔ (امثال ۳: ۴)

اپنے اکلوتوں پر ماتم اور دلخراش نوہ کر۔ (یرمیاہ ۶: ۲۶)

(...) اور ایسا ماتم برپا کروں گا جیسا اکلوتے بیٹے پر ہوتا ہے۔ (عاموس ۱۰: ۸)

جیسا [ماتم] کوئی اپنے اکلوتے کے لیے کرتا ہے۔ (زکریا ۱۲: ۱۰)

ان تمام مقامات پر اس کا ترجمہ صرف لفظ ’اکیلا یا اکلوتا‘ ہی سے کیا جاسکتا ہے اور سیاق و سباق میں کوئی دوسرے معنی مناسب معلوم نہیں ہوتے۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ بائبل ’سحید‘ کا لفظ صرف ’اکیلا یا اکلوتا‘ ہی کے مفہوم میں استعمال کرتی ہے اور بائبل کے محاورے اور سیاق و سباق کے مطابق اس لفظ کو کوئی اور معنی نہیں دیے جاسکتے۔

بائبل کے بعض مفسرین نے اس جعل سازی کی توجیہ کے لیے مضحکہ خیز توضیحات پیش کی ہیں۔ شلومو ہیٹھا کی، سلیمان بن اسحاق نامی ایک مشہور فرانسیسی نژاد یہودی ربی نے، جسے عام طور پر راشی (۱۰۴۰ء-۱۱۰۵ء) کہا جاتا ہے، اپنی تفسیر تورات میں اس موضوع پر کچھ لچپ ملاحظت لکھے ہیں۔ اس نے اس واقعے کو ایک تخیلاتی گفتگو کی شکل دے دی ہے اور ایک سادہ سے بیان کو اپنے مزعومات و تصورات کے رنگ میں ڈھالنے اور من پسند انداز میں توڑ مروڑ کر اس کی تاویل کرنے کی مہارت کا حیرت انگیز مظاہرہ کیا ہے۔ اس اقتباس پر بالعموم کتاب کے متن کے اندر تبصرہ نہیں کیا گیا۔ اس کے بجائے حواشی میں موقع ہی پر تبصرے درج کر دیے گئے ہیں، خواہ وہ قدرے طویل ہی کیوں نہ ہو گئے ہوں۔ راشی لکھتا ہے:

thy son. 'But I have two sons,' Abraham said. 'Thine only son,' was the reply. 'But each is the only one of his mother!' 'Whom thou lovest,' he was told. 'But I love both!' and the answer came 'Even Isaac.' Why did not God

name Isaac at once? Lest Abraham's mind reeled under the sudden shock. Further, to make His command more precious to him. And finally, that he might receive a reward for every word spoken.¹⁰

’تیرا بیٹا‘۔ ابراہیم نے کہا: ’لیکن میرے تو دو بیٹے ہیں‘۔ جواب تھا: ’تیرا اکلوتا بیٹا‘۔¹¹ لیکن (ان میں سے) ہر کوئی اپنی ماں کا اکلوتا ہے۔¹² اسے بتایا گیا: ’جس سے تو محبت کرتا ہے‘۔¹³ لیکن میں تو دونوں سے محبت کرتا ہوں۔¹⁴ اور جواب آیا: ’اسحاق ہی‘۔¹⁵ خداوند نے پہلی ہی دفعہ میں اسحاق کا نام کیوں نہ لیا؟ کہیں ابراہیم کا ذہن اچانک صدمے کے تحت چکرانہ جائے۔¹⁶ مزید اس لیے کہ اس (خدا) کا حکم اس (ابراہیم) کے لیے قابلِ قدر بن جائے۔¹⁷ اور آخری بات یہ کہ اسے ہر اس لفظ کا اجر و ثواب مل سکے جو اس نے ادا کیا۔

اس معاملے میں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ ’تیرا اکلوتا بیٹا‘ کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ اس وقت تک کوئی دوسرا بیٹا (حتیٰ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام بھی) پیدا نہیں ہوا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی اس وقت پیش کی ہوگی جبکہ وہ قریباً تیرہ سال کے تھے، کیونکہ جب حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے تو اس وقت تک حضرت اسماعیل علیہ السلام چودہ سال کے ہو چکے تھے۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ’اکلوتے بیٹے‘ ہونے کی حیثیت ختم ہو چکی تھی۔

اس دوسرے بیان کے مضامین کے اعادے کے طور پر ذیل میں اس کے چند اہم نکات پیش کیے جاتے ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو واضح طور پر اپنے بیٹے، اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی پیش کرنے کا حکم دیا تھا۔ کہ اپنے ’کسی یا ایک‘ بیٹے کی قربانی کا۔

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے اور وہ اس وقت پیدا ہوئے تھے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھ یا سی سال کی تھی۔

۳۔ حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے تھے اور وہ اس وقت پیدا

ہوئے تھے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سو سال کے تھے۔

۴۔ اس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام قریباً چودہ سال کی عمر تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے 'اکلوتے بیٹے' رہے۔ اس تمام عرصے کے دوران میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کوئی دوسرا بیٹا نہیں تھا، کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام تو اس وقت پیدا ہوئے تھے، جب حضرت اسماعیل علیہ السلام قریباً چودہ سال کے ہو چکے تھے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے 'اکلوتے بیٹے' کو قربانی کے لیے پیش کیا، اس وقت تک تو حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا بھی نہیں ہوئے ہوں گے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا 'اکلوتا بیٹا' قربانی کے لیے پیش کرنے کا حکم دیا تھا۔ پوری بائبل میں کسی جگہ بھی یہ بات موجود نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت سارہ کا 'اکلوتا بیٹا' قربان کرنے کا حکم دیا ہوگا۔ یہ تو بائبل کے مفسرین کی محض کھینچا تانی ہے کہ وہ اس طرح کا بے سرو پا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس بیٹے کو قربانی کے لیے پیش کرنے کا حکم دیا گیا تھا، وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔

۶۔ جیسا کہ اوپر درج ہوا ہے کہ انسائیکلو پیڈیا بلیک کاٹنے وٹون سے دعویٰ کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے 'اکلوتے بیٹے' کو قربانی کے لیے پیش کرنے کی کہانی قابلِ لحاظ حد تک متعدد مرتبہ کئی مقامات پر تحریف و تبدیلی کا ہدف بنی ہے۔ اس طرح 'تیرا بیٹا، تیرا اکلوتا بیٹا' کے ساتھ 'اسحاق ہی' کا اضافہ صریحاً کتاب کے مؤلف کی ترمیم و تحریف کی ایک بخونڈی مثال ہے۔

۷۔ جس 'اکلوتے بیٹے' کو قربانی کے لیے پیش کیا جانا مطلوب تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا صرف اکلوتا ہی نہیں، بلکہ لاڈلا اور پیارا بیٹا بھی تھا اور 'آزمائش' کو کمال تک پہنچانے کے لیے ایسا ہونا ضروری بھی تھا۔ اس موضوع پر کتاب بند اکے ایک مستقل باب میں الگ سے تفصیلی گفتگو کی گئی ہے (ملاحظہ کیجیے باب چہارم)۔

۸۔ جس بیٹے کو قربانی کے لیے پیش کیا جانا درکار تھا، وہ ایک 'لڑکا' تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی بالغ نہیں ہوا تھا، بلکہ قریباً تیرہ چودہ سال کا تھا، لیکن بائبل کے مفسرین کے مطابق جب حضرت اسحاق علیہ السلام کو قربانی کے لیے پیش کیا گیا تو یا تو وہ قریباً دو تین سال کے بچے تھے اور ان کا حال ہی میں

باب دوم: حضرت ابراہیمؑ کو اکلوتے بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا

دودھ چھڑایا گیا تھا، یا پھر وہ بیس سے لے کر سینتیس سال تک کے جوان آدمی تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کو جب نام نہاد قربانی کے لیے پیش کیا گیا تو وہ 'لاکے' نہ تھے، جبکہ بائبل قربانی کے لیے پیش کیے جانے والے بیٹے کے لیے 'لاکے' کا لفظ استعمال کرتی ہے۔ قطع نظر اس سے کہ یہ ایک مرتع غلطی ہے، یہ بات خصوصی توجہ کی طالب ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام اپنی زندگی کے کسی دور میں بھی اپنے باپ کے 'اکلوتے بیٹے' نہیں رہے۔

حواشی باب دوم

1-The Jewish Enc., Ed. Isidore Singer (KTAV Publishing House, Inc., USA), 6:647.

۲۔ یہ بات درست نہیں ہے کہ ہاجرہ سارہ کی باندی یا کنیز تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک شہزادی تھیں اور اس مصری بادشاہ کی بیٹی تھیں، جس نے انھیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی سارہ کی خدمت کے لیے پیش کیا تھا تاکہ وہ ایک پاکیزہ ماحول میں پرورش پائیں۔ یہاں بائبل کے مؤلفین نے انھیں جان بوجھ کر لونڈی یا باندی کے طور پر پیش کیا ہے۔ مندرجہ ذیل اقتباسات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے:

That Hagar appears as a slave-woman is a necessary consequence of the theory on which the Hebrew myth is based, the notion being that Ishma'el was of inferior origin. (Enc. Biblica, Column 1933).

یہ بات کہ ہاجرہ کو ایک لونڈی کے طور پر پیش کیا گیا ہے، عبرانی روایت پر مبنی نظریے کا لازمی نتیجہ ہے۔ اور وہ نظریہ یہ ہے کہ اسماعیل ایک فرو تر نسل سے تعلق رکھتے تھے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہاجرہ کو لونڈی اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام سے فرو تر ثابت کیا جائے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہاجرہ ایک مصری شہزادی تھیں، جیسا کہ جیوش انسائیکلو پیڈیا کے مندرجہ ذیل اقتباس سے ظاہر ہے:

According to Midrash (Gen. R. xiv.), Hagar was the daughter of Pharaoh, who, seeing what great miracles God had done for Sarah's sake (Gen. xii, 17), said: "It is better for Hagar to be a slave in Sarah's house than mistress in her own." In this sense Hagar's name is interpreted as "reward" ("Ha-Agar" = "this is reward"). (...). Hagar is held up as an example of the high degree of godliness prevalent in Abraham's time, (...). Her fidelity is praised, for even after Abraham sent her away she kept her marriage vow, (...). Another explanation of the same name is "to adorn," because she was adorned with piety and good deeds (l.c). (Jewish Enc., 6:138).

مدراش کے بیان کے مطابق ہاجرہ فرعون کی بیٹی تھی۔ جب فرعون نے یہ دیکھا کہ سارہ کے لیے اللہ تعالیٰ

باب دوم: حضرت ابراہیمؑ کو اکلوٹے بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا

نے کیسے عظیم معجزات صادر فرمائے ہیں تو اس نے کہا: 'ہاجرہ کے لیے یہ بات زیادہ اچھی ہے کہ وہ سارہ کے گھر میں لوٹدی بن کر چلی جائے، بہ نسبت اس بات کے کہ وہ اپنے گھر میں مالکہ کی حیثیت سے رہے۔' اس مفہوم کے اعتبار سے ہاجرہ کے نام کا ترجمہ 'ہاجر یا انعام' (ہااجر یعنی یہ اجر ہے) کیا جاتا ہے۔ (...) ہاجرہ کو ابراہیم کے دور میں رائج نیکی و پارسائی کے اعلیٰ درجے کی مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ (...) اس کی وفاداری کی تعریف کی گئی ہے کیونکہ باوجود اس کے کہ ابراہیم نے اسے اپنے گھر سے دور کر دیا تھا لیکن پھر بھی اس نے ابراہیم کے ساتھ اپنی شادی کے بندھن کو برقرار رکھا۔ (...) اس نام (ہاجرہ) کی ایک اور توجیح ہے 'جانا' کیونکہ اسے نیکی و پارسائی اور اعمالِ صالحہ سے مزین کیا گیا تھا۔

ایچ ای رائل نے بھی اپنے مضمون 'ہاجر' میں یہی رائے بیان کی ہے:

Rashi, in his commentary on 6:1, records the belief that Hagar was a daughter of Pharaoh, who, after seeing the wonders that had been done for Sarah, declared that it was better for his daughter to be a bondservant in the house of Abraham than a mistress in the palace of another. (J. Hastings, Dic. of Bible, 2:278.)

رashi نے اپنی تفسیر (1:16) میں یہ عقیدہ درج کیا ہے کہ ہاجرہ فرعون کی بیٹی تھی۔ فرعون نے یہ دیکھ کر کہ سارہ کے لیے کیسے عجیب و غریب معجزات صادر ہوئے ہیں، یہ اعلان کیا کہ اس کی بیٹی کے لیے ابراہیم کے گھر میں لوٹدی کی حیثیت سے رہنا اس بات سے زیادہ بہتر ہے کہ وہ کسی اور کے محل میں ملکہ بن کر رہے۔

۳ پیدائش ۱۶:۳۱، ۱۵:۱۶۔

۴ بائبل (NASB) پیدائش ۱۵:۱۷-۱۸۔ اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حضرت اسماعیل علیہ السلام سے شدید محبت کا اظہار ہوتا ہے۔

۵ پیدائش ۲۱:۵۔

۶ ملاحظہ کیجیے باب اول میں 'بائبل کے اس قصے کی حیثیت'۔

۷ بلاشبہ ان مفسرین میں سے بعض نے کسی نہ کسی انداز میں اس غلطی کی نشاندہی کی ہے، مثلاً 'The Works of Flavius Josephus' کا مترجم ولیم ولسٹن 'Isaac, as being his only-begotten' پر اپنے حاشیے میں لکھتا ہے:

Note, that both here and Heb. xi, and 17, Isaac is called Abraham's only-begotten son, though he at the same time had another son, Ishmael. The

Septuagint expresses the true meaning, by rendering the text the beloved son.' (The Works of Flavius Josephus, Tr by W. Whiston, Boston, D Lothrop & Co., na, footnote 1 on ch. XIII, paragraph 1, p. 42).

ملاحظہ کیجیے کہ یہاں اور عبرانیوں ۱۱: ۱۷، میں دونوں جگہ اسحاق کو ابراہیم کا 'اکلوٹا بیٹا' کہا گیا ہے، حالانکہ اس وقت ان کا ایک دوسرا بیٹا اسماعیل بھی موجود تھا۔ ہنٹادی ترجمے میں اس کے [برعم خویش] صحیح معنی درج ہیں اور اس نے معن کا ترجمہ 'پیارا بیٹا' کے الفاظ میں کیا ہے۔

حقیقت میں 'rendering the text the beloved son' والا جملہ ایک من گھڑت بات ہے جس کی کوئی لغوی بنیاد نہیں۔ کسی لفظ کا اپنے مزعومات کی تسکین یا ناپسندیدہ صورت حال سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے اس طرح کا ترجمہ کرنا تحریف ہی کی ایک قسم ہے۔ اس لفظ 'اکلوٹا' کے لیے اصل عبرانی بائبل میں جوفلف آیا ہے، وہ 'بہید' ہے، لیکن دی نیو جیروم تفسیر بائبل 'مطبوعہ ٹی پی آئی بنگلور، انڈیا، ۱۹۹۴ء کے مصنف نے بھی وی من مانی کی ہے۔ جب وہ صفحہ ۲۵ پر یہ لکھنے کے باوجود کہ اسحاق کے لیے 'تیرا اکلوٹا بیٹا' کے الفاظ کا استعمال غلط ہے، یہ دعویٰ کرتا ہے:

'Only son' is inaccurate, since Abraham will have other sons; already the LXX 'ton agapeton' correctly interpreted the Hebrew word as 'favored' by God.

'اکلوٹا بیٹا' غلط ترجمہ ہے، کیونکہ ابراہیم کے [اس وقت] دوسرے بیٹے بھی ہوں گے۔ ہنٹادی ترجمے نے پہلے ہی عبرانی الفاظ کا 'خداوند کا پسندیدہ' کے الفاظ میں صحیح مفہوم بیان کیا ہے۔

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ بائبل کے قریباً تمام تراجم میں لفظ 'سُخِد' کا ترجمہ 'اکلوٹا' کیا ہے (فی الحقیقت، اس کے بنیادی مادے 'سُخِد' کے پیش نظر، جس کے معنی صریحاً 'ایک ہونا' ہیں، یہی ترجمہ صحیح ہے)، سوائے چند جری یہودیوں کے جنہوں نے قصداً معنوں میں تحریف کی ہے۔

8. Matthew Henry's Bible Com., 1:80.

9. جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے علاوہ اور کوئی نہ تھا، جیسا کہ اس کتاب کے باب چہارم میں تفصیل سے واضح کیا گیا ہے۔

10. As quoted by Dr. A. Cohen in The Soncino Chumash, (Hindhead, Surrey: The Soncino Press, 1947), 108.

۱۱ 'لیکن میرے دو بیٹے ہیں' کے جملے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جیسے (نعوذ باللہ) خدا کو غلطی لگ گئی ہو، جیسے

اُس کے علم میں نہ ہو کہ سارہ پہلے ہی ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے کو جنم دے چکی تھیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ گویا ابراہیم علیہ السلام بے خبر خدا کے علم میں، جسے غلطی لگ گئی تھی، لانا چاہتے تھے اور انھیں بتانا چاہتے تھے کہ 'بلکہ میرے دو بیٹے ہیں' (اللہ تعالیٰ اس راقم کو معاف فرمائے جسے مجبوراً بیٹے کے الفاظ کے مضمرات بیان کرنے کے لیے یہ الفاظ استعمال کرنے پڑے)۔ فاضل مفسر کو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اُس کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کے 'بے علم' ہونے کا مفہوم مترشح ہوتا ہے۔ اُسے تو اس بات پر ہی اطمینان و مسرت محسوس ہو رہی ہے کہ اُس نے حضرت اسماعیل کو اکلوتے بیٹے کے طور پر قربانی کے لیے پیش کیے جانے کے استحقاق کی فضیلت سے محروم کر دیا ہے اور بزرگم خویش قربانی کے لیے پیش کیے جانے کی فضیلت حضرت اسحاق کے حق میں ثابت کر دی ہے۔

۱۲ اس لفظ 'اکلوتا' کے لیے اصل عبرانی لفظ 'بجید' ہے۔ 'سر ونگز عبرانی ڈکشنری' اندراج نمبر ۳۱۷۳، ص ۴۹ کے مطابق اس کے معنی ہیں:

from 3161; sole; also lonely; only (child, son), solitary.

'اکیلا، تنہا، لا ڈالا وغیرہ'۔ اندراج نمبر ۳۱۶۱ 'بجید' ہے جو لفظ 'بجید' کا مادہ ہے اور اس کے معنی ہیں 'ایک ہونا یا ہو جانا' یہ وہی لفظ ہے جو عربی میں وحدت ہے اور اس کے معنی بھی وہی ہیں۔ عہد نامہ قدیم کی عبرانی اور آرامی ڈکشنری (صفحہ ۴۰۶) میں اس کے معانی ہیں:

only, single, alone, the only son, the only one.

یہ بات بالکل ناقابل یقین ہے کہ راشی جیسے فاضل شخص کو اس لفظ کی حقیقت اور معنی معلوم نہ ہوں۔ سیدھی سی بات ہے کہ اگر کسی شخص کے بہ یک وقت دو بیٹے ہوں تو ان میں سے کسی کو بھی اس کا 'اکلوتا بیٹا' نہیں کہا جاسکتا۔ ان میں سے ہر ایک کو 'اس کے دو بیٹوں میں سے ایک' ہی کہا جاسکتا ہے۔ ان میں سے کسی ایک کو 'اس کا اکلوتا بیٹا' کہنا اسی طرح غلط اور گمراہ کن ہے، جیسے لفظ 'تین' کو 'ایک' کہنا۔ بائبل کے بعض مفسرین نے بھی اس بات کو محسوس کیا ہے۔ 'وی نیو جیمز تفسیر بائبل' میں کتاب پیداہی کی تفسیر بیان کرتے ہوئے رچرڈ جے کلیر ڈاور ولینڈا مرئی (صفحہ ۲۵ پر) لکھتے ہیں:

'اکلوتا بیٹا' درست نہیں، کیونکہ ابراہیم کے دوسرے بیٹے بھی ہوں گے۔

مندرجہ بالا گفتگو سے آسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قربانی

پیش کی اس وقت تک ان کے صرف ایک ہی فرزند تھے۔ یہ بات خود بخود ظاہر ہے کہ وہ اسماعیلؑ، عیساؑ ہی ہو سکتے ہیں، نہ کہ اسحاقؑ عیساؑ۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ چند یہودی مترجمین (مثلاً مسوراتی متن کے مطابق تورات، صفحہ ۳۵-۳۶، دی توراہ، ایک جدید تفسیر صفحہ ۱۴۶، ۱۴۷۔ مؤخر الذکر میں عبرانی متن بھی موجود ہے اور اس میں یہاں 'سکید' کا لفظ استعمال کیا ہے) نے اس لفظ 'اکیلا یا اکلوتا' کا ترجمہ اصل مادے کو نظر انداز کرتے ہوئے 'پسندیدہ' (favored one) کیا ہے۔ یہ صریحاً بدینتی پڑتی ہے۔

اس کہانی میں ایک اور بھی لفظ ہے جو اس نکتے کو پوری طرح واضح کر دیتا ہے اور وہ ہے لفظ 'لڑکا'۔ بائبل کی متعلقہ عبارت میں یہ لفظ دوسرے ادا کیا گیا ہے۔ پہلی دفعہ خود حضرت ابراہیمؑ عیساؑ کی زبان سے اور دوسری دفعہ خداوند کے فرشتے کی زبان سے۔ اصل عبرانی زبان میں لڑکے کے لیے جو لفظ آیا ہے، وہ ہے: 'نعر'۔ 'نعر' لڑکا، لڑکی، لڑکھنڈ، لڑکھنڈی میں اس کے معنی ہیں:

a boy, from the age of infancy to adolescence; by impl. a servant; also (by interch. of sex), a girl (of similar latitude in age): babe, boy, child, damsel, lad (Heb. Dic. in Strong's Exh. Concordance, entry 5288, p. 79.).

لڑکا: بچپن سے لے کر عفو ان شباب کی حدود میں داخل ہونے تک [یعنی قریباً تیرہ چودہ سال تک]، نوکر، لڑکی وغیرہ۔

اس طرح یہ بات یقینی طور پر طے ہو جاتی ہے کہ قربانی کے لیے پیش کیا جانے والا بیٹا ایک تو اپنے باپ کا اکلوتا فرزند ہونا چاہیے اور دوسرے عمر کے اعتبار سے 'لڑکا'۔ یہ دونوں شرائط حضرت اسماعیلؑ عیساؑ کی ذات میں پوری طرح موجود ہیں، جبکہ حضرت اسحاقؑ عیساؑ قربانی کے لیے پیش کیے جانے کی ان دونوں شرائط میں سے کوئی بھی پوری نہیں کرتے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے قربانی کا حکم دیتے وقت اس کی وضاحت کر دی تھی۔ جہاں تک حضرت اسحاقؑ عیساؑ کے نام نہاد قربانی کے لیے پیش کیے جانے کی عمر کا تعلق ہے تو حیرت کی بات یہ ہے کہ علمائے بائبل کے مطابق اس نام نہاد قربانی کے وقت حضرت اسحاقؑ عیساؑ یا تو ابھی لڑکپن کی حدود میں داخل ہی نہیں ہوئے تھے اور صرف دو تین سال کے بچے تھے، یا پھر لڑکپن کی عمر کی حدود پار کر کے جوان آدمی بن چکے تھے۔

ہلب دوزر حضرت ابراہیمؑ کو اکلوئے بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا

بائبل کے یہودی مفسرین حضرت ابراہیمؑ کی طرف سے پیش کی جانی والی اس نام نہاد قربانی کے وقت حضرت اسحاقؑ کی عمر کے بارے میں مختلف آراء رکھتے ہیں۔

ذیلو کلتھر پلاٹ لکھتے ہیں:

According to the Rabbis, Isaac was thirty-seven years old. However, the story should be read not in chronological order but rather as an unrelated unit; here Isaac is a mere boy. The Rabbis took the death of Sarah to be immediately related to the Akedah [sacrifice]; therefore, with Sarah dying at 127 years of age, Isaac would be 37, having been born when his mother was 90. (W. Gunther Plaut, in his 'The Torah: A Modern Commentary' (NY: Union of American Hebrew Congregations, 1981), p. 146)

یہودیوں کے مطابق اسحاقؑ پینتیس سال کے تھے۔ تاہم کہانی کو ماہ و سال کے نقطہ نظر سے نہیں پڑھنا چاہیے، بلکہ اسے ایک آزاد اکائی کے طور پر لینا چاہیے۔ یہاں اسحاقؑ "بھٹس ایک لڑکا ہے۔" یہودیوں نے سارہ کی وفات کو قربانی کے فوری بعد قرار دیا ہے۔ اس طرح جب سارہ ایک سو ستائیس سال کی عمر میں فوت ہوئی تو اس وقت اسحاقؑ کی عمر پینتیس سال بنتی ہے کیونکہ وہ اس وقت پیدا ہوئے تھے جب ان کی والدہ کی عمر نوے سال تھی۔

صفحہ ۱۵۹ پر وہ مزید لکھتا ہے:

Abraham returned alone from Moriah, and Sarah, believing to Isaac to have been sacrificed, died of grief. -Midrash.

ابراہیمؑ موریاہ سے تہوا واپس آئے۔ سارہ نے سوچا کہ اسحاقؑ قربان کر دیے گئے، اس لیے وہ غم سے مرنے لگی۔

جو زینٹس لکھتا ہے:

Now Isaac was twenty-five years old. And as he was building the altar, he asked his father what he was about to offer, since there was no animal there for the oblation (Antiquities, Book I, Chap. XIII, para. 2, p. 42).

اب اسحاقؑ پچیس سال کا تھا۔ اور وہ قربانی کا چبوترہ تیار کر رہا تھا۔ کیونکہ نذرانے کے طور پر پیش کرنے کے لیے کوئی جانور موجود نہ تھا، اس لیے اس نے اپنے والد سے پوچھا کہ وہ (ابراہیمؑ) قربانی کے لیے کیا پیش کرے گا؟

'دی جیوش انسائیکلو پیڈیا' میں ۶: ۱۷۱ پر درج ہے:

In Jose ben Zimra's opinion, the akedah took place immediately after Isaac's weaning [at the age of 2 or 3 years].

جوڑ بن زمرہ کے خیال میں قربانی اسحاقؑ کا دودھ چھڑانے کے فوری بعد (دو یا تین سال کی عمر میں) پیش کی گئی تھی۔

بائبل میں بیان کیا گیا ہے:

ابراہیم نے سوچتی قربانی کے لیے لکڑیاں لیں اور انھیں اپنے بیٹے اسحاقؑ پر لادا۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ بچہ جس کا ابھی دودھ چھڑایا ہی گیا ہے، اسے لکڑیوں کا اتنا بڑا بوجھ اٹھوایا جائے! الین جی وائٹ سیونٹھ ڈے ایڈوانٹسڈ تفسیر بائبل ۱: ۳۴۹ پر لکھتا ہے:

’اسحاقؑ اس وقت بیس سال کا جوان آدمی تھا۔‘

خواہ نام نہاد قربانی کے لیے پیش کیے جانے کے وقت حضرت اسحاقؑ بیس سال کا ابھی ابھی دودھ چھڑایا جانے والا بچہ قرار دیا جائے یا ستیس سال یا پچیس سال یا بیس سال کا سمجھا جائے یا کسی اور عمر کا، بہر صورت وہ ’لڑکا‘ ہرگز قرار نہیں دیے جاسکتے۔ پھر حضرت اسحاقؑ بیس سال کی عمر تک کچھ بھی ہو، انھیں اپنی زندگی کے کسی دور میں بھی ’تیرا اکلوتا بیٹا‘ نہیں کہا جاسکتا، جبکہ حضرت اسماعیلؑ کی ’تیرا اکلوتا بیٹا‘ اور ’لڑکا‘ ہونے کی حیثیت چودہ سال کی عمر تک برقرار رہی۔ اس طرح اگر قربانی کے لیے حضرت اسحاقؑ کو پیش کیا جانا ہوتا تو ’تیرا اکلوتا بیٹا‘ والی بات بالکل بے معنی قرار پاتی ہے۔

۳۱۔ یہ اس کی ماں کے الفاظ کہاں سے درمیان میں آ گئے؟ یہ بات سر یہان قابل یقین ہے کہ اتنا بڑا صاحب علم مصنف ’تیرا اکلوتا بیٹا‘ جیسے سیدھے سادے بیان پر ایسی لغو توجیہ پیش کر سکتا ہے۔ یہاں قابل لحاظ بات یہ ہے کہ یہ مکالمہ صرف اللہ تعالیٰ اور حضرت ابراہیمؑ کے درمیان ہو رہا ہے۔ اس مکالمے میں کسی تیسرے شخص کا کوئی دخل نہیں۔ اس جملے میں اللہ تعالیٰ متکلم ہے، کیونکہ وہ حضرت ابراہیمؑ سے ہم کلام ہے، اور حضرت ابراہیمؑ مخاطب ہیں، جن کے لیے مخاطب یا حاضر کی ضمیر ہی استعمال کی جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے لیے مخاطب کی ضمیر ’تیرا‘ استعمال کی ہے۔ اس مخاطب کی ضمیر ’تیرا‘ کا اطلاق کسی صورت بھی حضرت سارہ پر نہیں ہو سکتا جو یہاں موجود ہی نہیں ہیں اور ان کے لیے صرف غائب ہی کی ضمیر استعمال ہو سکتی

تھی۔ اللہ تعالیٰ نے 'اکلوتا بیٹا' کو مجہول انداز میں نہیں بیان کیا کہ کسی شک یا تردید کی کوئی گنجائش باقی رہ جائے، بلکہ 'اکلوتا بیٹا' کو واضح طور پر لفظ 'تیرا' کے وصف سے موصوف کر کے بیان کیا ہے۔ بدیہی طور پر اس کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ 'اے ابراہیمؑ، جو لڑکا قربانی کے لیے درکار ہے، وہ 'تیرا' اکلوتا بیٹا ہے اور کسی ماں کا اکلوتا بیٹا نہیں۔ جہاں تک حضرت ابراہیمؑ کا تعلق ہے تو ان جیسے ذی شعور انسان کے بارے میں یہ بات قطعی طور پر ناقابل تصور ہے کہ وہ اس جگہ 'تیرا' اکلوتا بیٹا جیسے واضح جملے کا 'لیکن ہر ایک اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا ہے' جیسا احقانہ جواب دیں گے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اپنی ماں کا 'کے الفاظ کا تیرا' اکلوتا بیٹا' کے الفاظ سے کیا تعلق ہے۔

۱۲۔ اس موضوع پر اس کتاب کے باب چہارم میں تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۳۔ ملکہ مخمل سے ملا مال فاضل مفسر نے حضرت ابراہیمؑ کی زبان سے 'لیکن میں دونوں سے محبت کرتا ہوں' کے الفاظ ادا کرائے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہاں اس لفظ 'دونوں' سے مراد حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ ہیں۔ اگر کسی شخص کے دو بیٹے ہوں تو ان میں سے کسی ایک کو بھی 'اکلوتا' نہیں کہا جاسکتا۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ ابراہیمؑ کو اپنا 'اکلوتا بیٹا' قربانی کے لیے پیش کرنے کا حکم دے رہا ہے اور دوسری طرف یہ فاضل مصنف حضرت ابراہیمؑ کے منہ میں 'لیکن میں دونوں سے محبت کرتا ہوں' کے الفاظ ڈال رہے ہیں۔ یہ بیانات صریحاً متضاد ہیں اور اس طرح 'لیکن میں دونوں سے محبت کرتا ہوں' کے الفاظ قطعی طور پر بے بنیاد اور بے سرو پا ہیں۔

۱۶۔ جہاں تک 'اسحاق' ہی کے الفاظ کا تعلق ہے وہ جملے کی روانی اور سیاق و سباق کے لحاظ سے صریحاً غیر متعلق اور فضول ہیں۔ جس بیٹے کو قربانی کے لیے پیش کیا جانا مطلوب تھا اگر وہ اسحاقؑ ہی ہوتے تو اللہ تعالیٰ کو 'تیرا بیٹا اسحاق' کے الفاظ ادا کرنے چاہئیں تھے، لیکن جب وہ 'تیرا بیٹا، تیرا اکلوتا بیٹا' کے الفاظ ادا کر رہا ہے تو اس سے مراد اسماعیلؑ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس جگہ لفظ 'اسحاق' کا اضافہ کسی چابک دست مؤلف کی نامناسب اور غیر موزوں تحریف کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

۱۷۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ تمام فرضی سوالات اور ان کی یہ ساری ترتیب مفسر محترم کی ذہنی کاوش

کی اختراع ہے، وگرنہ بائبل کی عبارت میں ان کا کوئی اشارہ یا تذکرہ موجود نہیں۔ اگر کوئی جانب دار مؤلف اتنے بھدے انداز میں یہاں لفظ 'اسحاق' کا اضافہ نہ کرتا تو ہمارے یہ فاضل مفسر اپنی تخیلاتی تخلیق کاری کا ایسا عظیم الشان مظاہرہ کس طرح کر سکتے تھے!

۱۸ 'مباد ابراہیم' کا ذہن اچانک مدے سے پکرا جائے، تحلیل نفسی کا کیا شان دار مظاہرہ ہے!

۱۹ 'اپنے فرمان کو اس (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کے لیے مزید قیمتی بنانے کے لیے: سبحان اللہ! کیا خوب انداز ہے۔ قارئین توجہ فرمائیں کہ اگر انھوں نے کسی کے لیے اپنے حکم کو زیادہ قیمتی بنانا ہو، تو یہ اس کا کتنا عمدہ طریقہ ہے! آخری بات یہ کہ وہ اپنے ادا کیے ہوئے ہر لفظ کا بھرپور اجر پائے' تحریف کی یہ کیا شان دار توجیہ ہے!



پہلے پھل یا پہلوئے بیٹے کے نذرانے کی رسم

جب کبھی انسانی قربانی درکار ہوتی تو پسندیدہ بات یہ تھی کہ وہ 'پہلوئے' کی ہو۔ اگر مطلوبہ قربانی انسانی جان کی نہ بھی ہوتی، بلکہ کسی جانور یا پھل کی ہوتی تو بھی ضروری تھا کہ یا تو یہ پہلوئے جانور کی ہو اور یا پہلے پھل کی۔ ذیل میں اس نقطے کی وضاحت کے لیے کچھ مستند حوالے پیش کیے جا رہے ہیں۔ 'مقدس صحیفے کی ایک نئی تفسیر' میں درج ہے:

At the time of Abraham human sacrifice was customary and frequent among his canaanite neighbors, and the early legislation of Ex 22:29, which states without modification that first-born sons are to be given to God, seems clearly to imply a stage in Israel's thought which regarded such sacrifices as a religious duty.¹

ابراہیم کے عہد میں ان کے کنعانی ہمسایوں میں انسانی قربانی رائج تھی اور اس پر کبھی کبھی عمل بھی کیا جاتا تھا۔ کتاب خروج ۲۲:۲۹ میں اس حکم سے کہ پہلوئے بیٹے اللہ کی بارگاہ میں پیش کیے جائیں، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک زمانے میں بنی اسرائیل کا خیال تھا کہ ایسی قربانیاں مذہبی فریضے کی حیثیت رکھتی ہیں۔

دی ریورنڈ، ٹی کے جینی اپنے مقالے 'اسحاق' میں حضرت اسحاق علیہ السلام کی قربانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

The course that he adopted shows the writer to have been a great teacher. He admits the religious feeling which prompted the sacrifice of a firstborn son.²

مصنف نے جو اسلوب اختیار کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک عظیم مبلغ اور معلم ہے۔ وہ

پہلے پھل یا پہلوئے بیٹے کے نذرانے کی رسم

جب کبھی انسانی قربانی درکار ہوتی تو پسندیدہ بات یہ تھی کہ وہ 'پہلوئے' کی ہو۔ اگر مطلوبہ قربانی انسانی جان کی نہ بھی ہوتی، بلکہ کسی جانور یا پھل کی ہوتی تو بھی ضروری تھا کہ یا تو یہ پہلوئے جانور کی ہو اور یا پہلے پھل کی۔ ذیل میں اس نقطے کی وضاحت کے لیے کچھ مستند حوالے پیش کیے جا رہے ہیں۔ 'مقدس صحیفے کی ایک نئی تفسیر' میں درج ہے:

At the time of Abraham human sacrifice was customary and frequent among his canaanite neighbors, and the early legislation of Ex 22:29, which states without modification that first-born sons are to be given to God, seems clearly to imply a stage in Israel's thought which regarded such sacrifices as a religious duty.¹

ابراہیم کے عہد میں ان کے کنعانی ہمسایوں میں انسانی قربانی رائج تھی اور اس پر کبھی کبھی عمل بھی کیا جاتا تھا۔ کتاب خروج ۲۲:۲۹ میں اس حکم سے کہ پہلوئے بیٹے اللہ کی بارگاہ میں پیش کیے جائیں، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک زمانے میں بنی اسرائیل کا خیال تھا کہ ایسی قربانیاں مذہبی فریضے کی حیثیت رکھتی ہیں۔

دی ریورنڈ، ٹی کے جینی اپنے مقالے 'اسحاق' میں حضرت اسحاق علیہ السلام کی قربانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

The course that he adopted shows the writer to have been a great teacher. He admits the religious feeling which prompted the sacrifice of a firstborn son.²

مصنف نے جو اسلوب اختیار کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک عظیم مبلغ اور معلم ہے۔ وہ

تسلیم کرتا ہے کہ ایسا دینی جذبہ بھی موجود تھا جس کے نتیجے میں 'انکو تے بیٹے' کی قربانی پیش کی جاتی تھی۔

مارکس ڈوڈس بیان کرتا ہے کہ اس دور کی سب سے زیادہ عظیم مذہبی عبادت پہلوئے بیٹے کی قربانی تھی۔ یہ بات نامناسب خیال کی جاتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی ایسی چیز کی قربانی پیش کی جائے جو حقیقی طور پر قابل قدر نہ ہو۔ (حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نزدیک ان دونوں میں سے کون سا حقیقت میں قابل قدر تھا۔ اس موضوع پر کتاب ہذا میں کسی اور مقام پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے)۔ مارکس لکھتا ہے:

Abraham was familiar with the idea that the most exalted form of religious worship was the sacrifice of the first-born. He felt, in common with godly men in every age, that to offer to God cheap sacrifices while we retain for ourselves what is truly precious, is a kind of worship that betrays our low estimate of God rather than expresses true devotion.¹

ابراہیم اس نظر سے آگاہ تھے کہ دینی عبادت کا بلند ترین مقام یہ تھا کہ قربانی میں پہلوئے بیٹے کو پیش کیا جائے۔ ہر دور کے دین دار لوگوں کی طرح ان کا بھی یہ خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ادنیٰ قربانیاں پیش کرنا اور حقیقی معنوں میں اعلیٰ اور بیش قیمت چیزیں اپنے لیے بچا کر رکھنا عبادت کی ایک ایسی قسم ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہماری جچی گئی نہیں ہے، بلکہ ہم اس کو اس کے شایان شان مرتبہ نہیں دیتے۔

سینٹ اے کک (Stanley A. Cook) لکھتا ہے کہ ایک زمانے میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہلوئے بیٹے کی قربانی پیش کرنا اسی طرح لازمی سمجھا جاتا تھا جس طرح پہلے پھل اور جانوروں کے پہلوئے بچے کا نذرانہ پیش کرنا لازم تھا:

The firstborn male enjoyed the privileges of which he was not to be deprived (...). Not only were the first-fruits as acceptable an offering as the firstlings, but when (in exceptional cases) a human victim was required it was a firstborn that was preferred (2K.3:27). (...). No doubt, strictly, the offering of the firstborn to Yahweh was at one time considered to be as binding as the offering of firstlings and first-fruits, and, indeed, the evidence goes to show that in exceptional cases the offering was actually made. However, just as the first-fruits were offered as a part of the whole, it is conceivable that originally the rite of circumcision was instituted upon

پہلوٹے نر کو ایسا استحقاقِ فضیلت حاصل تھا جس سے اُسے محروم نہیں کیا جاسکتا تھا (...)- نہ صرف یہ کہ پہلے پہلے پہلوں کو اسی طرح قابل قبول نذرانے کی حیثیت حاصل تھی، جس طرح پہلوٹے جانوروں کو، بلکہ جب (استثنائی حالات میں) کوئی انسانی ہیئت درکار ہوتی، تو اس سلسلے میں بھی پہلوٹے بچے کو ترجیح دی جاتی (۲- سلاطین ۳: ۲۷۷)۔ (...)۔ بلاشبہ ایک زمانے میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہلوٹے بیٹے کی قربانی پیش کرنا اسی طرح لازم خیال کیا جاتا تھا جس طرح جانوروں کے پہلے پہلے بچوں اور پہلے پہلے پہلوں کا نذرانہ پیش کرنا لازم تھا۔ اس بات کے عملی شواہد موجود ہیں کہ استثنائی حالات میں اس طرح کی انسانی قربانی فی الواقع بھی پیش کی جاتی تھی، تاہم جس طرح پہلے پہلے پہلو پوری فصل کے ایک جز کے طور پر نذر کیے جاتے تھے، اسی طرح یہ بات بھی قابل فہم ہے کہ ختہ کی رسم کی بنیاد بھی اسی اصول پر رکھی گئی تھی کہ یہ پہلوٹے بیٹے کی قربانی کی علامت سمجھی جائے۔

مندرجہ بالا عبارت کے اولین جملے میں بیان کیا گیا ہے کہ پہلوٹے نر کو ایسا استحقاقِ فضیلت حاصل تھا جس سے اُسے محروم نہیں کیا جاسکتا تھا۔ خود بائبل میں بھی واضح طور پر بیان کیا گیا ہے:

اگر کسی مرد کی دو بیویاں ہوں اور ایک محبوبہ اور دوسری غیر محبوبہ ہو اور محبوبہ اور غیر محبوبہ دونوں سے لڑ کے ہوں اور پہلوٹھا بیٹا غیر محبوبہ سے ہو، تو جب وہ اپنے بیٹوں کو اپنے مال کا وارث کرے، تو وہ محبوبہ کے بیٹے کو غیر محبوبہ کے بیٹے پر جو فی الحقیقت پہلوٹھا ہے، فوقیت دے کہ پہلوٹھا نہ ٹھہرائے۔ بلکہ وہ غیر محبوبہ کے بیٹے کو اپنے سب مال کا دوا حصہ دے کر اسے پہلوٹھانا، کیونکہ وہ اس کی قوت کی ابتدا ہے اور پہلوٹھے کا حق اسی کا ہے۔^۵

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود بائبل کے مطابق پہلوٹے بیٹے کا استحقاقِ فضیلت ناقابل منسوخ ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی شخص اپنی بیویوں میں سے کسی ایک کی طرف زیادہ میلان کی وجہ سے کسی دوسری بیوی کے بیٹے کو اس کے پہلوٹے پن کے جائز اور واجب حق سے محروم کرنا چاہے، تو اس کو اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ پہلوٹے بیٹے کے نذرانے کو قربانی کی اعلیٰ ترین شکل سمجھا جاتا تھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قربانی کے لیے پیش کیے

جانے کا استحقاقِ فضیلت حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ناقابلِ تنبیخ اور ناقابلِ انتقال حق تھا۔ اسے کسی حالت میں بھی حضرت اسحاق علیہ السلام کی طرف منتقل نہیں کیا جاسکتا تھا۔

یہودی ایک مشہور کتاب کا نام ہے: 'دی بک آف جوبلیز' (The Book of Jubilees)۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ یہ بائبل کی مستند کتابوں میں شامل نہیں، لیکن یہ کلی طور پر مسترد بھی قرار نہیں دی جاتی۔ بائبل کے علماء اپنے نقطہ نظر کے حق میں بلا تردید اس کے حوالے نقل کرتے ہیں۔ 'انٹر پرائز بائبل ڈسٹری بیوٹرز' میں ایس۔ تڈسچے (S. Tedsche) نے اپنے مقالے 'Jubilees, Book of' میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ اس کے چند اقتباسات ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں، تاکہ قاری کو اس کی حقیقی اہمیت سے آشنائی ہو:

One of the most important books of the Pseudepigrapha. It gives a graphic picture of judaism in the two pre-Christian centuries. Its purpose was to show that Judaism, as it then was, had been the same from the very beginning of known history. (...) emphasis is also placed on jewish tenets and customs, and the importance of preserving the difference between Jews and Gentiles is stressed. (...) The purpose of the author was to do for Genesis what the Chronicler did for Samuel and Kings—to rewrite the facts in such a way that it would appear that the law was rigorously observed by the patriarchs. (...) His desire was to save Judaism from the demoralizing effects of Hellenism by glorifying the law and picturing the patriarchs as irreproachable; by glorifying Israel and urging her to preserve the separateness from the Gentiles; and by denouncing the Gentiles and also Israel's national enemies. The "Angel of the Presence" reveals to Moses on Sinai the history and religious laws of Gen. 1-Exod. 3 in the form of sermonized translations, or Midrashic Targums, which show only favorable practices and omit anything derogatory. (...) The contrast between Jews and Gentiles is sharply drawn, and Israel is warned to keep separate. (...), and anything is omitted that would put the patriarchs in an unfavorable light.¹

غلط منسوب کتابوں (Pseudepigrapha) میں سے (یہ) ایک اہم ترین کتاب (ہے)۔ یہ قبل مسیح کی دو صدیوں میں یہودیت کی واضح تصویر کشی کرتی ہے۔ اس کی تحریر کا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ یہودیت، معلوم تاریخ کی ابتدائی سے اسی حالت میں موجود رہی ہے، جیسی کہ یہ اس وقت موجود تھی۔ (...) اس میں یہودی عقائد اور رسم و رواج پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ یہود اور غیر یہود کے

درمیان امتیاز قائم رکھنے کی اہمیت پر بھی بڑا زور دیا گیا ہے۔ (...)۔ مصنف کا مقصد یہ تھا کہ جو چیز Chronicler نے کتاب سموئیل اور کتاب ملوک کے سلسلے میں سرانجام دی ہے، یعنی حقائق کو دوبارہ ایسے انداز میں لکھا جائے جس سے ظاہر ہو کہ بزرگ آبا قانون شریعت کی سختی سے پیروی کرتے تھے، وہی چیز وہ خود کتاب پیدائش کے بارے میں سرانجام دے۔ (...)۔ اس کی خواہش تھی کہ:

(۱) قانون شریعت کی عظمت ظاہر کر کے،

(۲) بزرگ آبا کو تنقید سے بالاتر حیثیت میں پیش کر کے،

(۳) بنی اسرائیل کی عظمت بیان کر کے،

(۴) بنی اسرائیل کو غیر قوموں سے اپنی الگ حیثیت قائم رکھنے پر زور دے کر،

(۵) غیر قوموں اور بنی اسرائیل کے قومی دشمنوں کو باطل اور مسترد قرار دے کر،

یہودیت کو یونانیت کے تباہ کن اور حوصلہ شکن اثرات سے بچایا جائے۔

[چنانچہ وہ] 'فرصت' بارگاہ خداوندی کو سینائی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کتاب پیدائش باب اول سے لے کر کتاب خروج باب سوم تک میں شامل قوانین شریعت اور تاریخی واقعات و اعظانہ تراجم کی صورت میں نازل کرتا ہے۔ ان میں صرف موافق اور پسندیدہ باتیں ہی ظاہر کی جاتی ہیں اور اہانت آمیز چیزیں حذف کر دی جاتی ہیں۔ (...)۔ یہودیوں اور غیر قوموں کے درمیان فرق کی بڑے واضح انداز میں تصویر کشی کی جاتی ہے اور بنی اسرائیل کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنا الگ تشخص برقرار رکھیں اور غیر قوموں میں خلط ملط نہ ہوں۔ (...)، اور ہر ایسی چیز کو حذف کر دیا گیا ہے جو بزرگ آبا کو نا پسندیدہ انداز میں پیش کرے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ:

(۱) 'The Book of Jubilees' غلط منسوب کتابوں (Pseudepigrapha) کی اہم ترین

کتابوں میں سے ایک ہے۔

(۲) اس میں یہودیوں اور غیر قوموں کے درمیان فرق مرا تب پر بہت زور دیا گیا ہے۔

(۳) یہودی برتری اور غیر قوموں کی کمتری ثابت کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔ (...)،

اور ہر ایسی چیز حذف کر دی گئی ہے جو بزرگ آبا کو ناپسندیدہ رنگ میں پیش کرے۔

(۴) 'مصنف کا مقصود یہ تھا کہ وہ کتاب پیدائش کے ساتھ وہی معاملہ کرے جو مصنف کتاب تواریخ نے کتاب سموئیل اور کتاب ملوک کے ساتھ کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں تک کتاب پیدائش کے موضوعات کا تعلق ہے، ان کے بارے میں کتاب جوئیلز کا بیان کسی طرح بھی اس سے کم قابلِ اعتماد نہیں، جتنا کہ کتاب تواریخ کا بیان کتاب سموئیل اور کتاب سلاطین کے بارے میں ہے۔

(۵) اس کتاب کے مصنف کی خواہش تھی کہ (۱) قانون شریعت کی عظمت ظاہر کر کے (ب) بزرگ آبا کو تنقید سے بالاتر حیثیت میں پیش کر کے (ج) بنی اسرائیل کی عظمت بیان کر کے (د) بنی اسرائیل کو غیر قوموں سے اپنی الگ حیثیت قائم رکھنے پر زور دے کر اور (ه) غیر قوموں اور بنی اسرائیل کے قومی دشمنوں کو باطل اور مسترد قرار دے کر یہودیوں کو یونانیت کے حوصلہ شکن اثرات سے محفوظ رکھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کتاب جوئیلز کا مصنف اس میں کسی ایسے مواد کا وجود برداشت نہیں کر سکتا تھا جو یہودیوں کے قومی احساسِ تفاخر اور مفاد کو نقصان پہنچا سکتا ہو۔

(۶) جہاں تک بزرگ آبا کا تعلق ہے، مصنف نے پوری کوشش کی ہے کہ وہ ان کے متعلق انتہائی محبت اور احترام کا اظہار کرے۔

(۷) اس نے ہر ایسی چیز حذف کر دی ہے جو ان آبا (Patriarchs) کو نامناسب انداز میں پیش کرے۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کتاب جوئیلز نہ تو کوئی غیر اہم کتاب ہے اور نہ اس میں کوئی ایسی بات جگہ پاسکتی تھی جو یہودیوں اور بزرگ آبا کے مفاد کے منافی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بائبل کے علما اپنے موضوعات اور اپنی تحریروں کو قیغ بنانے کے لیے اس میں سے پوری آزادی سے حوالے نقل کرتے ہیں۔ اس کتاب میں درج ہے:

And he drew near to the place of the mount of God. (...) And I called to him from heaven, and said unto him: 'Abraham, Abraham;' and he was terrified and said: 'Behold, (here) am I.' And I said unto him: 'Lay not thy hand upon the lad, neither do you anything to him; for now I have shown that thou fearest the Lord, and hast not withheld thy son, thy first-born son, from me.'^{۱۵}

اور وہ خداوند کے پہاڑ کی جگہ سے قریب ہوا۔ (...) اور میں نے اسے آسمان سے پکارا اور اس سے کہا 'ابراہیم ابراہیم!' اور وہ خوف زدہ ہوا اور اس نے کہا 'دیکھیے میں یہ رہا'۔ اور میں نے اسے کہا 'اپنا ہاتھ لڑکے پر نہ ڈالو اور نہ اس کے ساتھ کچھ کرو۔ کیونکہ اب یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ تم خدا سے ڈرتے ہو اور تم نے اپنے بیٹے، اپنے پہلوئٹے بیٹے، کو بھی مجھ سے بچائیں رکھا'۔

اسی کتاب کے ۱۵:۱۸ میں دوبارہ بیان کیا گیا ہے:

And the Lord called Abraham by his name a second time from heaven, (...). And he said: 'By Myself have I sworn, saith the Lord, Because thou hast done this thing, And hast not withheld thy son, thy beloved son, from Me, That in blessing I will Bless thee.'²

اور خداوند نے آسمان سے ابراہام کو دوسری دفعہ اس کا نام لے کر پکارا، (...) اور اس نے کہا، خداوند کہتا ہے مجھے اپنی ذات کی قسم، کیونکہ تو نے یہ چیز سرائجام دی ہے اور اپنے بیٹے، اپنے پیارے بیٹے، کو بھی مجھ سے نہیں روکا [بچا کر رکھا]، اس لیے میں تجھے پوری طرح برکت دوں گا'۔

اس کتاب کے ایڈیٹر نے 'تیرے پیارے بیٹے' پر ایک ذیلی حاشیہ دیا ہے۔ وہ اس میں لکھتا ہے:

But here c d have 'thy first-born son'.

لیکن یہاں مسودہ 'c' اور مسودہ 'd' میں 'تیرا پہلونا بیٹا' لکھا ہے۔

'کتاب جوبلیز' کے اس ورژن کے مقدمے میں صفحہ ۲ پر 'c' اور 'd' کی تشریح کروئی گئی ہے۔

اس کے مطابق 'c' سے مراد اس کتاب کا حبشی مسودہ ہے جو ٹوبنگن (Tubingen) کی یونیورسٹی لائبریری کی ملکیت ہے۔ اور 'd' سے مراد کتاب کا وہ حبشی مسودہ ہے جو پیرس کی نیشنل لائبریری کی ملکیت ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ 'کتاب جوبلیز' کے باب ۱۸ کی آیات ۱۱ اور ۱۵ کے مطابق ابراہام سے اپنے پہلوئٹے بیٹے کو قربانی کے لیے پیش کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

اس طرح مستند علمائے وضاحت کی ہے کہ اگر چند مخصوص حالات میں چاروں چار کسی کو جسمانی قربانی کے لیے پیش کرنا ہوتا، تو اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنے باپ کا پہلونا بیٹا یا پہلونا جانور ہو۔ دوسری صورت میں، ایک عمومی قانون کے طور پر، یہ ضروری تھا کہ کسی باپ کے

پہلوئے نے بیٹے یا پہلوئے نے جانور کا فدیہ دے کر اُس کو چھڑا لیا جائے۔ مندرجہ بالا اقتباسات کے علاوہ بھی ایسے متعدد علما ہیں جو یہی رائے رکھتے ہیں۔ اُن میں سے چند ایک کے نام ہیں: پیک (Peake) کی تفسیر بائبل، نیوجیروسلیم بائبل، کرچین کیوئی بائبل۔

جہاں تک اس حقیقت کا تعلق ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام مسلمانہ طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلوئے فرزند ہیں، اس سلسلے میں بائبل اور دیگر متعلقہ ریکارڈ میں اس قدر واضح اور غیر مبہم الفاظ موجود ہیں کہ اس کے حق میں استدلال کرتے وقت انسان خفت محسوس کرتا ہے، لیکن انتہائی افسوس کی بات ہے کہ بائبل کے کچھ فاضل علما ایسی واضح حقیقت سے انکار کرنے اور اسے منہ کرنے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کرتے، اس لیے ذیل میں اس موضوع پر نہایت اختصار سے روشنی ڈالی جاتی ہے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام بطور فرزند حضرت ابراہیم علیہ السلام

بائبل میں درج ہے:

تب خدا نے فرمایا: بیشک تیری بیوی سارہ کے تجھ سے بیٹا ہوگا۔ تو اس کا نام اسحاق رکھنا۔^{۱۴}

اور جب اُس کا بیٹا اسحاق اس سے پیدا ہوا تو ابراہام نو برس کا تھا۔^{۱۵}

حضرت اسماعیل علیہ السلام بطور فرزند حضرت ابراہیم علیہ السلام

بائبل میں درج ہے:

اور ابراہام سے ہاجرہ کے ایک بیٹا ہوا اور ابراہام نے اپنے اس بیٹے کا نام جو ہاجرہ سے پیدا ہوا،

اسماعیل رکھا (۱۵)۔ اور جب ابراہام سے ہاجرہ کے اسماعیل پیدا ہوا تو ابراہام چھایا برس کا تھا۔^{۱۶}

تب ابراہام نے اپنے بیٹے اسماعیل کو اور سب خانہ زادوں اور اپنے سب زر خریدوں کو یعنی

اپنے گھر کے سب مردوں کو لیا اور اسی روز خدا کے حکم کے مطابق ان کا ختنہ کیا۔^{۱۷}

لیکن لوئی کا بیٹا بھی تمہارا بیٹا ہے اور میں اس کی نسل کو عظیم قوم بناؤں گا۔^{۱۸}

میں لونڈی کے بیٹے کو بھی بہت سے بچے عطا کروں گا، تاکہ وہ ایک قوم بن جائیں۔ وہ بھی تمہارا بیٹا ہے۔^{۱۸}

اس آیت کا ترجمہ اردو کتاب مقدس نظر ثانی شدہ ایڈیشن ۲۰۰۲ء میں درج ذیل ہے:

اور اس لونڈی کے بیٹے سے بھی میں ایک قوم پیدا کروں گا، اس لیے کہ وہ تیری نسل ہے۔
(پیدائش ۱۳: ۲۱)

اس طرح یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ بائبل کے مطابق حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام، دونوں حضرات ابراہیم علیہ السلام کے یکساں طور پر حقیقی، جائز اور قانونی فرزند تھے۔ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند نہ تھے یا چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انھیں جدا کر دیا تھا، اس لیے وہ ان کے فرزند نہ رہے تھے تو یہ بات حقائق کے بھی خلاف ہے اور اس کی کوئی وجہ جواز بھی پیش نہیں کی جاسکتی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتا دیا تھا کہ اگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو کسی اور جگہ آباد کر بھی دیا جائے، تب بھی وہ ان کے فرزند رہیں گے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اس وقت پیدا ہوئے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام چھبیس سال کے تھے اور حضرت اسحاق علیہ السلام اس وقت پیدا ہوئے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سو برس کے تھے۔ اس طرح صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے ہوئے بیٹے قرار پاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے ہوئے بیٹے ہونے کا استحقاق فضیلت حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ناقابل تنسیخ اور ناقابل تبدیل حق تھا۔ اور کوئی شخص انھیں ان کے اس حق سے محروم نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے تھے۔ انھیں ان کی زندگی کے کسی مرحلے پر بھی اور الفاظ کے کسی مفہوم کے مطابق بھی اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پہلو ٹایا نہیں قرار دیا جاسکتا تھا۔ مزید یہ کہ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے جن کو قریباً چودہ سال تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بلا شرکت غیرے اٹکوتے بیٹے کی حیثیت حاصل رہی، جبکہ حضرت اسحاق علیہ السلام کو اپنی پوری زندگی میں ایک لمحے کے لیے بھی یہ حیثیت حاصل نہیں رہی کہ انھیں حضرت ابراہیم علیہ السلام

کا 'اکلوتا بیٹا' قرار دیا جاسکے۔ وہ بیٹا جس کے متعلق قربانی کے طور پر پیش کیے جانے کا حکم دیا گیا تھا، اس کے لیے لازم تھا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اکلوتا بیٹا ہو۔ نیز یہ کہ وہ ان کا پہلو بننا بھی ہو۔ اگر اس حکم سے اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہوتا کہ قربانی کے لیے 'اکلوتا وارث' یا 'حضرت سارہ کا اکلوتا بیٹا' پیش کیا جائے، جیسا کہ بائبل کے بعض علما نے اللہ تعالیٰ کے الفاظ سے یہ مفہوم اخذ کرنے کی کوشش کی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے واضح اور دو ٹوک الفاظ استعمال کرتا۔ اسے حضرت ابراہیم کو 'تیرا بیٹا، تیرا اکلوتا بیٹا' قربانی کے لیے پیش کرنے کا حکم دے کر مخمضے میں ڈالنے کی کیا ضرورت تھی۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان الفاظ سے کسی طرح بھی یہ متبادر ہوتا ہے کہ جس فرزند کو قربانی کے لیے پیش کرنے کا حکم دیا گیا تھا، وہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ حضرت اسحاق علیہ السلام اپنی پیدائش کے وقت یا اپنی زندگی کے کسی بھی مرحلے میں نہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے 'اکلوتے بیٹے' تھے اور نہ ان کے پہلو بننے والے بیٹے تھے۔ جب تک حضرت ابراہیم علیہ السلام زندہ رہے، حضرت اسحاق علیہ السلام ان کے 'اکلوتے بیٹے' نہ ہو سکتے تھے، کیونکہ ان کے آخری سانس تک حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی زندہ موجود رہے۔ اب یہ قاری کا کام ہے کہ وہ حقیقت حال کا ادراک کرے۔

'پہلو بننے والے بیٹے' کے استحقاق خصوصی کے متعلق مندرجہ بالا تفصیلات کی روشنی میں جو نتائج برآمد ہوتے ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں ان کے پڑوسی کنعانیوں میں انسانی قربانی کا رواج عام تھا۔ کتاب خروج ۲۲:۲۹ میں بھی درج ہے کہ پہلو بننا یا خداوند کی نذر کیا جانا چاہیے۔

۲۔ نہ صرف پہلے پہلے اور جانوروں کے پہلو بننے بچے نذرانے کے طور پر پیش کیے جاتے تھے، بلکہ (استثنائی حالات میں) جب کسی انسانی قربانی کی ضرورت ہوتی تو 'پہلو بننے والے بیٹے' ہی کو ترجیح دی جاتی (۲۔ سلاطین ۳:۲۷)۔

۳۔ 'پہلو بننے والے بیٹے' کو کچھ ایسے خصوصی استحقاق حاصل تھے جن سے اسے کسی صورت میں محروم نہیں کیا جاسکتا تھا۔

۴۔ سیو ڈی پی گرافا کی ایک اہم کتاب 'کتاب جوہیز' میں خداوند کا یہ فرمان درج ہے: 'کیونکہ اب میں نے ظاہر کر دیا ہے کہ تو خداوند سے ڈرتا ہے اور تو نے اپنے بیٹے، پہلونٹے بیٹے' کو بھی مجھ سے بچا کر نہیں رکھا'۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیٹا جو قربانی کے لیے پیش کیا گیا تھا، وہ نہ صرف بائبل کے مطابق، بلکہ تمام دستیاب ریکارڈ کے مطابق، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پہلونٹا بیٹا تھا۔

۵۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی اور جائز بیٹے ہیں، اگرچہ (حضرت قطورہ کے بطن سے) ان کے چند اور بیٹے بھی تھے۔

۶۔ کسی شخص کے صرف ایک ہی بیٹے کو اس کا 'پہلونٹا بیٹا' کہا جاسکتا ہے۔ اس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے 'پہلونٹے بیٹے' تھے، جو حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش سے قریباً چودہ سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔

۷۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے 'پہلونٹے بیٹے' ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت اسماعیل علیہ السلام قریباً چودہ سال تک ان کے 'اکلوتے بیٹے' بھی رہے، جبکہ حضرت اسحاق علیہ السلام کو یہ فضیلت اپنی زندگی کے کسی دور میں بھی حاصل نہیں رہی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت اسحاق علیہ السلام اپنی زندگی کے کسی مرحلے میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے 'اکلوتے بیٹے' یا 'پہلونٹے بیٹے' نہیں کہلا سکتے تھے۔

۸۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا 'اکلوتا بیٹا' قربانی کے لیے پیش کرنے کا حکم دیا تھا۔ مزید برآں مروجہ دستور کے مطابق اسے 'پہلونٹا بیٹا' بھی ہونا چاہیے تھا۔ اس لحاظ سے فطری طور پر حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی کو قربانی کے لیے پیش کرنے کی خاطر نامزد کیا جاسکتا تھا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام ان میں سے ایک شرط بھی پوری نہ کرتے تھے، اس لیے صرف یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہو سکتے تھے جن کو قربانی کے لیے پیش کرنا مقصود تھا۔ اور یہ کسی طرح بھی

حضرت اسحاق یا ابراہیم نہیں ہو سکتے تھے۔

۹۔ مندرجہ بالا گفتگو سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ قربانی کو زیادہ شان و آوار اور موقع بنانے کے لیے اور حضرت ابراہیم یا اسحاق کی حقیقی معنوں میں وفا داری ثابت کرنے کے لیے ان کا پہلوئنا اور اکلوتا بیٹا بنی وہ ہستی ہو سکتا تھا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم یا اسحاق کو یہ حکم دیا تھا کہ اسے قربانی کے طور پر پیش کیا جائے۔ حضرت ابراہیم یا اسحاق بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ ان کی بیوی سارہ بھی بوڑھی ہو چکی تھیں۔ وہ سن یا س سے گزر چکی تھیں اور فطری طور پر کوئی اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ رہی تھیں۔ اس طرح حضرت ابراہیم یا اسحاق کسی مزید اولاد کی توقع نہ کر سکتے تھے۔ ان کا صرف ایک ہی بیٹا تھا، جو اب معقول عمر کو پہنچ چکا تھا، تاکہ ان کے کاموں میں ہاتھ بٹا سکے۔ زندگی کے اس مرحلے میں انھیں اس بیٹے کی ضرورت بھی بہت تھی جس بیٹے کی قربانی درکار تھی۔ اگر وہ دو بیٹوں میں سے ایک ہوتا اور وہ بھی ان کا چھوٹا بیٹا 'اسحاق' جو کم مفید، کم طاقت ور، کم صلاحیت اور ان کے لیے کم مددگار ہوتا تو یہ آزمائش اتنی شدید، معنی خیز اور کامل نہ ہوتی، جتنی کہ اس حال میں ہوتی، جبکہ قربانی کے لیے مطلوب بیٹا پہلوئنا اور اکلوتا ہوتا۔

۱۰۔ ایسی صورت حال میں جہاں اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم یا اسحاق کو ان کا پہلوئنا اور اکلوتا بیٹا قربان کرنے کی آزمائش میں ڈال رہا ہے، اور وہ بھی ان کی زندگی کے اس دور پر ضعیفی میں، اسے بیٹے کا نام لینے کی کوئی ضرورت نہ تھی، کیونکہ 'تیرا بیٹا'، تیرا اکلوتا بیٹا' کے الفاظ اسنے واضح ہیں کہ ان کے لیے مزید کسی توضیح یا اضافہ کی ضرورت نہیں۔ اگر یہاں 'اسحاق' ہی کے الفاظ داخل کیے جائیں تو فرمان کی تاثیر اور شان ختم ہو جاتی ہے۔ اکلوتے بیٹے کے نام کا ذکر ایک فضول اضافہ ہے اور ایک فصیح و بلیغ ذہین اور مسحور کن خطیب سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ یہ تحریف کی ایک بھونڈی مثال ہے جو کسی پر جوش، مگر ناپختہ کار اور جانب دار مؤلف نے کی ہے۔ جس سے اس کے مجرم ضمیر اور غیر پاکیزہ محرکات کی نشاندہی ہوتی ہے۔

حواشی باب سوم

1. Charles Gore, Goudge, Alfred Guillaume, A New Commentary, on Holy Scripture, London, 1928, p. 53.

۲ کتاب مقدس میں درج ہے:

تو اپنی کثیر پیداوار اور اپنے کچھو کے رس میں سے مجھے نذرانہ دینے میں دیر نہ کرنا اور اپنے بیٹوں میں سے پہلوئیں کو مجھے دینا۔ اپنی گایوں اور بھیڑوں میں سے بھی ایسا ہی کرنا۔ سات دن تک تو بچہ اپنی ماں کے ساتھ رہے۔ آٹھویں دن تو اسے مجھ کو دینا۔ (خروج ۲۲:۲۹)

پیک کی (Peake's) تفسیر بائبل میں صفحہ ۲۲۱ پر وضاحت کی گئی ہے:

Every first-born is the property of Yahweh. (...). It [set apart] is the word used also for sacrificing children to Molech. Since the Canaanite practice, resorted to on occasion certainly, was abhorrent to Israel, it is unlikely that the term was borrowed from them. (...) Though in Israel the first-born were to be set apart to Yahweh as his, they were not to be given to him by sacrifice, but they were to be 'ransomed' from him, a term which could suggest that they were sacrificed in theory, though not in actual fact. (...) The price of the redemption of the first-born of human beings, which is not stated here, was later fixed at 5 shekels, Num. 18:15f.

ہر پہلوئہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ (...)۔ یہ [الگ کرنا]، وہ لفظ ہے جو بچوں کو موسیٰ (ایک موبی دیوتا، جس کے لیے بچہ بھینٹ چڑھائے جاتے تھے اور جسے شریعت موسیٰ میں حرام کیا گیا تھا) پر قربان کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا تھا، کیونکہ یہ عیسائی رسم، جو یقینی طور پر بعض مواقع پر اختیار کی جاتی تھی، بنی اسرائیل کے لیے قابل نفرت تھی، یہ بات بعید از قیاس ہے کہ یہ اصطلاح اُن سے لی گئی ہو۔ (...) اگرچہ بنی اسرائیل نے پہلوئے بنے اللہ تعالیٰ کے لیے الگ کر دینے ہوتے تھے، تاہم انھیں قربانی کے ذریعے سے اسے پیش نہیں کیا جانا ہوتا تھا، بلکہ انھیں اُسے (اللہ تعالیٰ کو) فدایہ دے کر چھڑا لیا جاتا تھا۔ لفظ فدایہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انھیں نظریاتی طور پر تو قربان کر دیا جاتا تھا، تاہم امر واقعہ میں نہیں۔ (...) انسانوں کے پہلوئے بیٹوں کے فدایہ کی قیمت، جو یہاں تو بیان نہیں کی گئی ہے، بعد میں

پانچ شیعہ مقرر کی گئی تھی، جیسا کہ بائبل کی کتاب کنفی ۱۸:۵۱ بعد میں درج ہے:

اُن جانداروں میں سے جن کو وہ خداوند کے حضور گذراتے ہیں جتنے پہلوٹنے کے بچے ہیں
[Everything] that first opens the womb of all flesh [خواہ وہ انسان کے ہوں خواہ حیوان کے
وہ سب تیرے [لاویوں کے] ہوں گے پر انسان کے پہلوٹنے کے فدیہ لے کر اُن کو ضرور چھوڑ دینا اور
نا پاک جانوروں کے پہلوٹنے بھی فدیہ سے چھوڑ دیے جائیں۔ اور جن کا فدیہ دیا جائے وہ جب ایک مہینے
کے ہوں تو اُن کو اپنی ٹھہرائی ہوئی قیمت کے مطابق مقدس کی مشقال کے حساب سے جو چوبیس جیرے کی
ہوتی ہے چاندی کی پانچ مشقال لے کر چھوڑ دینا۔

’جبرئیل انسائیکلو پیڈیا‘ (۳۹۶:۵) میں اس کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے:

According to Talmudic tradition, the first-born acted as officiating priests in the wilderness, until the erection of the Tabernacle, when the office was given to the tribe of Levi. In consequence of the deliverance from the tenth plague, when 'the Lord slew all the first-born in the land of Egypt' but spared the first-born of the Israelites, the following commandment was given: 'Sanctify unto me all the first-born whatsoever openeth the womb among the children of Israel, both of man and of beast: it is mine'. The first-born of clean beasts were thus made holy and were unredeemable, while the first-born of unclean beasts and of man had to be redeemed from the priests. (...).

Every Israelite is obliged to redeem his son thirty days after the latter's birth. The mother is exempt from this obligation. The son, if the father fails to redeem him, has to redeem himself when he grows up. The sum of redemption as given in the Bible (Num. 18:16) is five shekels, which should be given to the priest

تالمودی روایت کے مطابق جب منصب کہانت قبیلہ لاوی کو سونپا گیا تو خیمہ اجتماع کی تعمیر سے قبل
سب صحرائیں پہلوٹنے جینے کا بہن کی جگہ کام کرتے تھے۔ دسویں واسے رہائی کے واسطے میں جب
خداوند نے سرزمین مصر کے تمام پہلوٹنے کو مار دیا، اور بنی اسرائیل کے اگلے بیٹوں کو باقی رہنے دیا تو
مندرجہ ذیل فرمان جاری کیا گیا: ’تمام پہلوٹنے، جو بھی اولاد اسرائیل میں پہلے پیدا ہوں، خواہ وہ انسان
ہوں یا جانور، انھیں مقدس قرار دو، وہ میرے ہیں۔ اس طرح حلال جانوروں کے پہلوٹنے بچے مقدس
قرار دیے گئے اور انھیں فدیہ دے کر نہیں چھڑایا جاسکتا تھا، جبکہ حرام جانوروں اور انسانوں کے پہلوٹنے
بچوں کا فدیہ دے کر انھیں کانہوں سے چھڑایا جانا ہوتا تھا۔ (...).

ہر اسرائیلی اپنے بیٹے کی پیدائش کے تیس دن بعد فدیہ دے کر چھڑانے کا پابند ہے۔ ماں اس فریضے

سے بری الذمہ ہے۔ اگر باپ بیٹے کو فدیہ دے کر نہ چھڑا سکے تو بیٹے کو بڑا ہونے پر اپنا فدیہ خود ادا کر کے اپنے آپ کو چھڑانا ہوگا۔ فدیے کی رقم، جیسا کہ بائبل میں درج ہے (گنتی ۱۸:۱۶)، پانچ شیکل ہے، جو کاہن کو دی جانی چاہیے۔

یہاں یہ بات پیش نظر دینی چاہیے کہ پہلوئے بیٹے کے فدیے سے متعلق یہ قانون خروج سے بعد کے زمانے کے اسرائیلیوں سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا اطلاق حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے پہلوئے بیٹے پر نہیں ہو سکتا۔

3. *Enc. Biblica*, 3:2177.

4. Marcus Dods, *The Expositor's B.*, NY, 1903, 1:199-200.

5. *Enc. Biblica*, 3:1525-26.

۱۔ کتاب مقدس، استثنائاً ۱۵:۲۱-۱۷:۱۰۔

7. *The Interpreter's Dic. of the Bible*, 2:1002-03.

8. *The Book of the Jubilees*, 18:11, in *The Apocrypha and Pseudepigrapha of the OT in Eng.*, Ed. R. H. Charles, (Oxford: The Clarendon Press, 1968), 2:40.

9. *The Book of the Jubilees*, 18:15, p. 40.

۱۰۔ پیک کی تفسیر بائبل میں بیان ہے:

The story may also have been intended to explain the early Hebrew custom of ransoming the firstborn of male children (cf. Exod. 34:20). (*Peake's Com. of Bible*, ed. H. H. Rowley, (London: Thomas Nelson & Sons Ltd, 1967), p. 193)

اس کہانی کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ نر بچوں میں سے پہلوئے بیٹے کو فدیہ دینے کی قدیم عبرانی رسم کی توضیح کی جائے۔

۱۱۔ نیو جیروسلیم بائبل میں درج ہے:

The story as it stands justifies the ritual prescription for the redemption of the first-born of Israel: like all 'first-fruits' these belong to God. (*The New Jerusalem Bible*, ed Alexander Jones, Darton, (London: Longman & Todd Ltd., 1993), p. 41)

اپنی موجودہ صورت میں یہ کہانی اس رسم کی وجہ جواز پیش کرتی ہے کہ اسرائیل کے پہلوئے بچوں کو فدیہ دے کر ہاراکرا جائے، جس طرح تمام 'پہلے پھل' خداوند کی خدمت میں پیش کیے جاتے تھے۔

۱۲۔ کریمین کی ذہنی بائبل میں وضاحت ہے:

In a first reading the text also justifies the ransom of the firstborn children. As

for all first-fruits they belong to God, but unlike the firstborn of animals which are immolated, children are redeemed (Ex 13:13). (Christian Community Bible, ed. Patricia Grogan, Catholic Bishops' Conference of the Philippines, 1995, p. 73)

اولین قراءت میں متن پہلوتے بچوں کے نذیے کی توجیہ بیان کرتا ہے۔ جہاں تک تمام پہلے پہلے بچوں کا تعلق ہے، وہ خداوند کی ملکیت ہیں، لیکن جانوروں کے پہلوتے بچوں کے برعکس جنہیں قربان کر کے جلا دیا جاتا ہے، انسانی بچوں کو نذیہ دے کر چھڑا لیا جاتا ہے۔ (خروج ۱۳:۱۳)

۱۳ کتاب مقدس، پیدائش ۱۹:۱۷۔

۱۴ کتاب مقدس، پیدائش ۵:۳۱۔

۱۵ کتاب مقدس، پیدائش ۱۶:۱۵-۱۶۔

۱۶ کتاب مقدس، پیدائش ۲۳:۱۷۔

۱۷ کتاب مقدس، پیدائش ۱۳:۲۱۔

۱۸ کتاب مقدس، پیدائش ۱۳:۲۱۔

باب چہارم

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے 'اپنے پیارے بیٹے' کی قربانی مطلوب تھی

بائبل کا بیان ہے کہ جس بیٹے کو قربانی کے لیے پیش کیا جانا تھا، وہ 'اکھوتا بیٹا' تھا، جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام محبت کرتے تھے۔ یہ 'محبت' والا کلمہ نہایت اہم ہے اور اس سے سرسری طور پر نہیں گزر جانا چاہیے۔

'حضرت ابراہیم علیہ السلام کو محبت کس بیٹے سے تھی؟' اس امر کی تحقیق نہایت محنت سے کی جانی چاہیے۔ اور اس پر بے سوچے سمجھے ایک روالا سا تبصرہ نہیں کرنا چاہیے۔ پہلی بات جس کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے، وہ بائبل کے یہ الفاظ ہیں: 'Whom thou lovest'، یعنی 'جس سے تو محبت کرتا ہے'۔

یہ متعلقہ بیٹے کے لیے محض عام سا سادہ بیان نہیں ہے، بلکہ اس سیاق و سباق میں اس کے امتیازی خصائص کا بیان ہے۔ ان الفاظ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کسی بیٹے پر ڈھیلے ڈھالے انداز میں چسپاں نہیں کیا جانا چاہیے۔ انھیں بڑی سوچ بچار اور ذمہ داری سے متعین طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلقہ بیٹے ہی پر لاگو کرنا چاہیے۔

جہاں تک حضرت اسحاق علیہ السلام کا تعلق ہے، 'Whom thou lovest'، یعنی 'جس سے تو محبت

کرتا ہے' کے الفاظ ان سے متعلق قرار نہیں دیے جاسکتے۔ بلاشبہ حضرت ابراہیمؑ حضرت اسحاقؑ کے لیے واجب پدرانہ شفقت کا اظہار ضرور کرتے ہوں گے، جو ایک فطری بات ہے، لیکن وہ ان کے لیے کوئی غیر معمولی محبت اور لگاؤ نہیں رکھتے تھے۔ جب حضرت ابراہیمؑ کے سامنے حضرت اسحاقؑ کے پیدا ہونے کا ذکر کیا گیا جو درج ذیل ہے:

اور خدا نے ابراہیمؑ سے کہا کہ ساری جو تیری بیوی ہے، سو اس کو ساری نہ پکارنا۔ اس کا نام سارہ ہوگا۔ اور میں اسے برکت دوں گا اور اس سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشوں گا۔ یقیناً میں اسے برکت دوں گا کہ تو میں اس کی نسل سے ہوں گی اور عالم کے بادشاہ اس سے پیدا ہوں گے۔^۳

تو حضرت ابراہیمؑ کو اس سے کچھ خاص خوشی نہ ہوئی، بلکہ اس آنے والے فرزند کے لیے انھوں نے عدم دلچسپی کا اظہار کیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی واحد خواہش اور انتہائی اہم ترجیح حضرت اسماعیلؑ تھے، جیسا کہ بائبل میں بھی بیان کیا گیا ہے:

اور ابراہیمؑ نے خدا سے کہا کہ کاش اسماعیلؑ ہی میرے حضور جیتا رہے۔ تب خدا نے فرمایا کہ بے شک تیری بیوی سارہ کے تجھ سے بیٹا ہوگا۔ تو اس کا نام اسحاقؑ رکھنا اور میں اس سے اور پھر اس کی اولاد سے اپنا عہد، جو ابدی عہد ہے، باندھوں گا۔ اور اسماعیلؑ کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سنی، دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا۔^۴

بائبل کے مفسرین نے اسے بجا طور پر حضرت ابراہیمؑ کی اپنے فرزند حضرت اسماعیلؑ کے حق میں محبت کے اظہار کی علامت قرار دیا ہے۔ 'وی نلیسن سٹڈی بائبل' (The Nelson Study Bible) میں بیان کیا گیا ہے:

What is more, he still loved his son Ishmael (16:15; 17:18).^۵

مزید برآں یہ کہ وہ اب بھی اپنے بیٹے اسماعیلؑ سے محبت کرتے تھے۔

'وکلّف کی تفسیر بائبل' (Wycliffe Bible Com.) میں یہ بات اس انداز میں بیان کی گئی ہے:

Sarah may have feared that Abraham, out of love for Ishmael, would

give the older lad the prominent place in the inheritance. (...). To drive them out must have been exceedingly grievous to Abraham, for he loved the boy.⁵

ہو سکتا ہے سارہ و ذرتی ہو کر اسماعیل کی محبت کی وجہ سے ابراہیمؑ ترکے میں بڑے لڑکے کو غالب
حصہ دے دیں گے۔ (...)- انھیں گھر سے نکال دینے پر ابراہیمؑ کو ضرور شدید دکھ ہوا ہوگا، کیونکہ وہ
اس لڑکے سے محبت کرتے تھے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نہ صرف حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام حضرت اسماعیلؑ علیہ السلام سے محبت کرتے
تھے، بلکہ حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کی حضرت اسماعیلؑ علیہ السلام سے محبت اتنی نمایاں اور واضح تھی کہ حضرت
سارہ کو بھی اس کا بخوبی علم تھا۔ وہی ڈوڈنل فیملی بائبل (The Devotional Family Bible) میں اسے
اس طرح بیان کیا گیا ہے:

He [Abraham] bears Ishma'el upon his heart, and expresses a laudable concern for him.⁶

وہ [حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام] اسماعیلؑ کو اپنے دل میں جگہ دیتے ہیں اور ان کے لیے قابل ستائش
محبت کا اظہار کرتے ہیں۔

مارکس ڈوڈس (Marcus Dods) نے یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ حضرت اسماعیلؑ علیہ السلام ہی وہ
فرزند تھے جن سے حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام بہت زیادہ محبت کرتے تھے، بہت عمدہ توضیحی شذرہ قلم بند کیا
ہے۔ اس نے اس شدید محبت کی توجیہ بھی بیان کی ہے۔ وہ رقم طراز ہے:

Abram's state of mind is disclosed in the exclamation: "Oh, that Ishmael might live before Thee!" He had learned to love the bold, brilliant, domineering boy. (...). But there he was, in actual flesh and blood, full of life and interest in everything, daily getting deeper into the affections of Abram, who allowed and could not but allow his own life to revolve very much around the dashing, attractive lad [It may be noted that when Ishma'el was still a 'lad', Isaac had either not been born, or would have been still a suckling baby]. (...). "Oh, that Ishmael might serve Thy turn!" Why call me again off from this actual attainment to the vague, shadowy, non-existent heir of promise, who surely can never have the brightness of eye and force of limb and lordly ways of this Ishmael? Would that what already exists in actual substance before the eye might satisfy Thee and fulfil Thine intention

and supersede the necessity of further waiting! Must I again loosen my hold, and part with my chief attainment?⁷

ابرام کی دینی کیفیت ان کے اس فہمیے سے ظاہر ہے اے کاش اسماعیلؑ تیرے حضور جیتا رہتا! ان کے دل میں اس جرأت مند، روشن دماغ اور چھا جانے والی شخصیت کے حامل لڑکے کی محبت جاگزیں ہو چکی تھی۔ (...)۔ وہ [حضرت اسماعیل علیہ السلام] گوشت پوست کے ایک جسم پتلے کی صورت میں زندہ و پایندہ اس [حضرت ابراہیم علیہ السلام] کے سامنے موجود تھا۔ ہر چیز میں دلچسپی اور ولولہ حیات سے بھر پور! ابرام کے دل میں اس کی محبت روز بروز گہری سے گہری ہوتی جا رہی تھی۔ ان [حضرت ابراہیم علیہ السلام] کی زندگی اس جاذبِ نظر اور شان والے لڑکے کے گرد ہی گھومتی تھی۔ [ذہن میں رہے کہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام ایک 'لڑکے' تھے، حضرت اسحاق علیہ السلام یا تو سرے سے پیدا ہی نہ ہوئے ہوں گے یا پھر ابھی ایک شیرخوار بچے ہوں گے]۔ (...)۔ اے کاش کہ اسماعیلؑ ہی تیری خدمت بجالاتا رہے! 'ایسا کیوں ہے کہ مجھے اس واقعی اور حاصل شدہ نعمت سے محروم کیا جا رہا ہے اور مجھ سے ایک مبہم پر چھائیں اور غیر موجود (خیالی) وعدے کے وارث کے متعلق گفتگو کی جا رہی ہے جو یقیناً اس اسماعیل جیسی آنکھوں کی چمک، اعضا کی توانائی اور شاہانہ انداز کا کبھی مالک نہیں ہو سکتا۔ کاش ایسا ہوتا کہ جو (لڑکا) واقعی جسم طور پر آنکھوں کے سامنے موجود ہے، تو اسی پر مطمئن ہو جائے اور یہی تیرے مقاصد پورے کرے اور مجھے مزید انتظار کی زحمت گوارا نہ کرنا پڑے۔ کیا اب میں پھر اپنے ہاتھ آئی ہوئی چیز کھودوں اور اپنی سب سے بڑی حاصل شدہ چیز سے ہاتھ دھو بیٹھوں۔

ملاحظہ خاطر رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے اتنی شدید محبت اس لیے ظاہر کر رہے ہیں، کیونکہ وہ ہونہار ہیں، توانا ہیں اور بھرپور استعداد کے مالک ہیں۔ 'سیونٹھ ڈے اینڈ ونٹس بائبل ڈکشنری' (Seventh Day Adventist Bible Dic.) میں درج ہے:

When 13 years later, God announced the imminent birth of Isaac (ch 17: 1-8, 15-17), Abraham interceded on behalf of Ishmael, whom he dearly loved.⁸

جب تیرہ سال بعد خداوند نے اس بات کا اعلان کیا کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش ہونے

والی ہے، تو حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ، جن سے وہ بہت زیادہ محبت کرتے تھے، کے حق میں سفارش کی اور ان کی وکالت کی۔

ڈاکٹر کوہن (Dr. Cohn) لکھتے ہیں:

I (...) would be satisfied if only Ishma'el lived before Thee.⁹

اگر صرف اسماعیل ہی تیرے حضور جیتا رہے تو میں بہت مطمئن ہوں گا۔

جہاں تک حضرت اسحاقؑ کا تعلق ہے، حضرت ابراہیمؑ ان کی طرف اس لیے بے التفاتی کا اظہار کرتے تھے کہ ان میں یہ تمام اوصاف موجود نہ تھے۔ بائبل کے علما نے حضرت اسحاقؑ کے کمزوریوں کا واضح طور پر اقرار کیا ہے۔ J. Hastings' Dic. of the Bible میں بیان کیا گیا ہے:

Isaac is a less striking personality than his father is. Deficient in the heroic qualities, he suffered indisposition from an excess of mildness, and the love of quiet (...). He was rather shifty and timid in his relations with Abimelech (26:1-22), too easily imposed upon, and not a good ruler of his household—a gracious and kindly but not a strong man.¹⁰

اسحاق کی شخصیت اتنی نمایاں نہیں جتنی ان کے والد کی ہے۔ ان میں دلیرانہ اوصاف کی کمی ہے۔ نرمی اور سکون کی خواہش کی زیادتی کی وجہ سے ان کی شخصیت میں بے دلی کا غلبہ تھا۔ (...)۔ اپنی ملک سے اپنے تعلقات کے بارے میں وہ دھمکی یقین اور پوچے ثابت ہوئے۔ دوسرا آدمی باسانی ان پر غالب آجاتا تھا اور وہ اپنے گھرانے کے بھی کوئی اچھے حاکم و منتظم نہ تھے۔ وہ فیاض اور نرم دل تو تھے، لیکن مضبوط آدمی نہ تھے۔

ولیم نیل (William Neil) نے بھی حضرت اسحاقؑ کے متعلق اسی طرح کے خیالات کا

اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

Isaac is generally referred to in the commentaries as a colourless personality. Certainly when we compare him with Abraham and Jacob it is impossible to form a clear picture of him. Few stories are recorded about him, presumably because there was little known of him that was worth recording, and in those stories in which he does feature he is generally a minor participant in the narratives dealing with his more notable father or son.¹¹

تفسیروں میں (حضرت) اسحاق (علیہ السلام) کا ذکر عام طور پر ایک بے رنگ سی شخصیت کے طور پر کیا جاتا ہے۔ جب ہم ان کا (حضرت) ابراہیمؑ اور (حضرت) یعقوبؑ سے موازنہ کرتے ہیں تو یہ بات قطعی ناممکن ہے کہ ان کی کوئی واضح تصویر پیش کر سکیں۔ ان کے متعلق شاذ ہی کسی واقعے کا ذکر ملتا ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ان کے متعلق کم ہی کوئی ایسی بات معلوم ہے جو قابلِ تحریر ہو۔ اور جن واقعات میں وہ نمایاں ہوتے بھی ہیں، ان میں عام طور پر ان کا ذکر اپنے شہرہ آفاق والد یا بیٹے کے مقابلے میں محض سرسری سا ہوتا ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بائبل کے علماء کے مطابق حضرت اسحاق علیہ السلام کی شخصیت حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مقابلے میں کم جاذبِ نظر اور متاثر کن تھی، تاہم اسلامی اقدار و روایات کے لحاظ سے اس کی تائید ممکن نہیں۔ اسلام کے مطابق یہ دونوں ایک ہی مرتبے کے انبیاء تھے۔ اب یہ بات کسی طرح موزوں نہیں کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دی جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حضرت اسماعیل علیہ السلام سے زیادہ محبت اور وابستگی کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ وہ جسمانی طور پر بھی مضبوط تھے اور عملی تعاون بھی فراہم کر سکتے تھے۔

ایک اور شہادت بھی ہے جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حضرت اسماعیل علیہ السلام سے 'محبت' ثابت ہوتی ہے۔ جب حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ فرمائش کی کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ہاجرہ کو گھر سے نکال دیا جائے، تو اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت دکھ ہوا۔ اس سے ان کی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ شدید محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ بائبل میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

اس لیے اس [سارہ] نے [حضرت] ابراہیمؑ سے کہا: 'اس نوکرانی اور اس کے بیٹے کو نکال باہر کرو۔ کیونکہ اس نوکرانی کا بیٹا میرے بیٹے اسحاقؑ کے ساتھ وارث نہیں ہوگا۔' اور [اس] واقعے سے [حضرت] ابراہیمؑ کو اپنے بیٹے [اسماعیلؑ] کی وجہ سے شدید دکھ پہنچا۔ [ایڈیٹر نے یہاں حاشیے میں لکھا ہے: 'ابراہیمؑ کی نظر میں یہ بہت الم ناک تھا'۔] ۱۲

حضرت ابراہیمؑ کی اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ سے 'محبت' اتنی واضح ہے کہ بائبل کے یہودی مفسرین بھی اس کا ذکر کیے بغیر نہیں رہتے۔ ڈاکٹر کوہن Dr. Cohen رقم طراز ہیں:

Scripture points out that this grief was caused not by the prospect of loosing the woman but on account of Ishmael.⁴³

صحفہ [توریت] اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ [حضرت ابراہیمؑ] یہ دیکھ اس عورت [حضرت ہاجرہ] کے کھودینے پر نہ تھا، بلکہ [حضرت] اسماعیلؑ کی وجہ سے تھا۔

مندرجہ بالا ساری بحث سے یہ بات ذہن نشین ہوتی ہے کہ 'جس سے تو محبت کرتا ہے' کے الفاظ صرف حضرت اسماعیلؑ ہی کے متعلق کہے جاسکتے ہیں نہ کہ حضرت اسحاقؑ کے متعلق۔ نیز یہ کہ حضرت ابراہیمؑ نے عملی طور پر صرف حضرت اسماعیلؑ ہی کو قربانی کے لیے پیش کیا تھا، کیونکہ حضرت اسماعیلؑ ہی حضرت ابراہیمؑ کے 'پیارے بیٹے' تھے۔

جہاں تک حضرت ابراہیمؑ کے اپنے 'اکھوتے بیٹے' کو قربانی کے لیے پیش کرنے کے موضوع کا تعلق ہے، اوپر کے چار ابواب میں اس پر قدرے سیر حاصل گفتگو کی جا چکی ہے۔ کچھ متعلقہ نکات کا تفصیلی مطالعہ آنے والے ابواب میں پیش کیا جائے گا۔ کتاب کے اس حصے کے اختتام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کے اس واقعے کے اختتامیے اور کہانی کے آخری منظر کے طور پر ایک اختتامی شذرہ قلم بند کیا جائے۔

حضرت ابراہیمؑ 'اکلوتا بیٹے' کے بغیر

اکیلے واپس لوٹے

کہانی مندرجہ ذیل آخری جملے پر اختتام پذیر ہوتی ہے:

جب ابراہام اپنے جوانوں کے پاس لوٹ گیا اور وہ اٹھے اور اکٹھے بیرسج کو گئے اور ابراہام بیرسج میں رہا (پیدائش ۱۹:۴۲)

آیت پر غور و فکر اور اس کے دیانت دارانہ جائزے سے ایک محتاط قاری کی ان نکات کی طرف رہنمائی ہوتی ہے:

(۱) 'تب ابراہام اپنے جوانوں کے پاس لوٹ گیا' سے ظاہر ہوتا ہے کہ گھر واپسی کے سفر کے دوران میں 'اکلوتا بیٹا'، خواہ یہ 'اکلوتا بیٹا' کوئی بھی ہو، اُن کے ساتھ نہیں تھا۔ گھر پلاٹ لکھتا ہے:

The text says that Abraham returned from Moriah but omits a mention of Isaac. (...) Isaac did not come back with his father. 44

متن کہتا ہے کہ ابراہیمؑ موریاہ سے واپس آئے، لیکن اسحاقؑ کا ذکر حذف کر دیتا ہے۔
(...)۔ اسحاقؑ اپنے والد کے ساتھ واپس نہیں آئے تھے۔

لفظ 'اسحاق' کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ بات پیش نظر رہے کہ آیت صریحاً بیان کرتی ہے کہ 'اکلوتا بیٹا' حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ واپس نہیں آیا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اُس کی رہائش یہیں موریاہ کے نزدیک تھی۔ اگر یہ 'اکلوتا بیٹا'، جسے قربانی کے لیے پیش کیا جانا تھا، حضرت اسحاقؑ کا بیٹا ہوتا، تو وہ اپنے والد کے ساتھ ضرور واپس بیرسج جاتے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ 'اکلوتا بیٹا' حضرت

اسماعیل علیہ السلام تھے جو موریہ کے نزدیک قیام پذیر تھے اور اس طرح انھیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ واپس نہیں جانا تھا۔

(۲) یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خاندان حمرن میں رہائش پذیر تھا، لیکن وہ اپنا زیادہ وقت بیرسج میں اپنے ریوڑوں کے ساتھ گزارتے تھے، جبکہ انھوں نے حضرت اسماعیل کو موریہ میں آباد کیا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ان کی جائے سکونت موریہ میں چھوڑ کر واپس چلے گئے۔

(۳) اگر قربانی کے لیے پیش کیے جانے والے بیٹے اسحاق علیہ السلام ہوتے تو ان کے لیے یہ بات کسی طرح روانہ تھی کہ وہ اپنے والد سے کسی ناراضی یا بے التفاتی کا مظاہرہ کرتے اور ان کے ساتھ نہ جاتے۔

حواشی باب چہارم

۱۔ اس باب کا موضوع یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا 'پیارا بیٹا' قربانی کے لیے پیش کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور ان کے 'پیارے بیٹے' حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام سے افضل قرار دیا گیا ہے یا حضرت اسحاق علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فروتر ظاہر کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کے لیے دونوں انبیائے کرام معصوم ہیں اور یکساں عزت و احترام کے مستحق ہیں۔ مسلمان ان میں سے کسی کی دوسرے پر فضیلت کے قائل نہیں۔

۲۔ کتاب مقدس، نظر ثانی شدہ ایڈیشن ۲۰۰۲، کتاب پیدائش ۱۵: ۱۶۔

۳۔ پیدائش ۱۸: ۲۰۔

4. The Nelson Study Bible, p. 43.

5. The Wycliffe Bible Com. (Chicago: Moody Press, 1987), p. 26.

6. John Fawcett, *The Devotional Family Bible*, London: 1811, no Paging has been recorded in this 2 centuries old book.

7. Marcus Dods, *The Expositor's Bible*, 1:160.

8. *Seventh Day Adventist Bible Dic. Rvd.* 1979 Edn., p. 526.

9. Dr. Cohen, *The Jewish Commentary: The Soncino Chumash*, p. 81.

10. *J. Hastings' Dic. of the Bible*, Rvd. by Frederic C Grant and H. H. Rowley, (NY: Charles Scribner's Sons, 1963), p. 422.

11. William Neil, *Pocket Bible Com.* (HarperSanFrancisco, 1975), 50.

۱۲۔ پیدائش ۱۰: ۲۱۔

13. Dr. Cohen, *Soncino Chumash*, 102.

14. *The Torah A Modern Commentary*, ed. Gunther Plaut, NY: Union of American Hebrew Congregations, 1981, 152.

باب پنجم

مقام قربانی (مروہ یا موریاہ) کا محل وقوع

بائبل کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہاڑوں میں سے ایک پر 'جو' موریاہ کی سرزمین میں واقع تھا، اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی پیش کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ بائبل میں اس واقعہ کا ان الفاظ میں ذکر ہے:

اور موریاہ کی سرزمین میں جاؤ اور اسے [اپنے اکلوتے بیٹے کو] وہاں ان پہاڑوں میں سے ایک پر جو میں تمہیں بتاؤں گا، تختہ قربانی کے طور پر پیش کرو۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس لڑکے کے قربانی کے طور پر پیش کیے جانے کا مقام کوئی 'سرزمین موریاہ' کا پہاڑ تھا۔ لفظ موریاہ پوری بائبل میں صرف دو مقامات پر استعمال ہوا ہے:

(الف) 'اور تو موریاہ کی سرزمین میں جا'۔ (پیدائش ۲۲:۲)

(ب) سلیمان نے موریاہ پہاڑ میں، یروشلم کے مقام پر، خداوند کا گھر تعمیر کرنا شروع کیا، جہاں اللہ تعالیٰ اس کے باپ داؤد پر نمودار ہوا تھا، جو جگہ داؤد نے اورنان بیوی کے کھلیان میں [اس مقصد کے لیے] تیار کی تھی۔ (۲۔ تواریخ ۱۰۳)

علما کا اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا بائبل کے ان دونوں مقامات پر موریاہ کا ذکر ایک ہی محل وقوع پر دلالت کرتا ہے یا اس سے مختلف مقامات مراد ہیں۔ ہمارے کی بائبل ڈکشنری کے مطابق ان سے موریاہ کے دو مختلف مقام مراد ہیں (صفحہ ۶۵۳)۔ 'جیوش انسائیکلو پیڈیا' کا دعویٰ ہے:

Modern scholars who distinguish between these two places advance different theories as to the meaning of the word "Moriah." ۲

جدید علما جو ان دو مقامات کے درمیان امتیاز کرتے ہیں، وہ لفظ 'موریاہ' کے معنی کے بارے میں مختلف نظریات پیش کرتے ہیں۔

بائبل کے مختلف علما اور مذہبی محققین نے موریاہ کے محل وقوع کی مندرجہ ذیل مقامات پر نشاندہی کی ہے:

۱۔ جبرون کے قریب ایک پہاڑ، جیسا کہ یسنگو کی نظر ثانی شدہ ڈکشنری میں درج ہے:

some scholars have proposed a location for Moriah on a mountain near Hebron.³

کچھ علما نے موریاہ کے محل وقوع کے لیے جبرون کے قریب ایک پہاڑ کے اوپر ایک جگہ تجویز کی ہے۔

۲۔ قدیم شلیم سے چار کلومیٹر شمال مغرب میں نابلس کے جدید شہر کے قریب کوہ جریزیم۔^۴ شلیم یروشلم سے قریباً ۵ کلومیٹر شمال میں اور سامریہ سے نو کلومیٹر جنوب مشرق میں واقع ہے۔ جہاں بیکل سامریہ تعمیر کیا گیا تھا۔

۳۔ کوہ ٹھوری جہاں بعد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کیے جانے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، جیسا کہ 'ڈوڈشل فیملی تفسیر' بائبل میں درج ہے:

There is no improbability in the general opinion, that the very spot was mount Calvary where Christ the great anti-type was afterwards crucified.⁵

عام رائے یہ ہے کہ وہ جگہ (موریاہ) کوہ ٹھوری کی ہی تھی، جہاں بعد میں حضرت مسیح علیہ السلام کو مصلوب کیا گیا تھا۔ اور یہ بات کوئی غیر ممکن بھی نہیں۔

۴۔ یروشلم کے قریب اردنائیچی (Araunah the Jebosite) کا کھلیان، جسے حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے خرید لیا تھا اور جہاں بعد میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیکل تعمیر کیا تھا۔

پہلے تین موریاہوں پر اس باب میں گفتگو کی جا رہی ہے۔ چوتھے موریاہ پر اگلے باب میں گفتگو ہوگی۔

الف۔ حبرون کے نزدیک ایک پہاڑ پر

جہاں تک حبرون کے نزدیک ایک پہاڑی پر واقع پہلے موریاہ کا تعلق ہے، اس پر کسی گفتگو کی ضرورت نہیں، کیونکہ (۱) بائبل کا کوئی ممتاز عالم اسے قابل ذکر تک نہیں سمجھتا۔ (۲) یہ بائبل کے بھی خلاف ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یا تو خود حبرون ہی میں رہائش پذیر ہوئے تھے یا مرے (Mamre) میں، جو حبرون سے چار کلومیٹر شمال میں واقع ہے۔ بائبل کہتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے موریاہ کے لیے اپنا سفر اپنی رہائش گاہ سے صبح سویرے شروع کیا تھا اور تین دن کی سخت مسافت کے بعد وہ ابھی تک اپنی منزل مقصود سے بہت ہی دور تھے۔ یہ بات کسی طرح قابل تصور نہیں کہ تین دن کے لگا تار سخت سفر کے بعد بھی وہ اتنی مختصر سی مسافت طے نہ کر سکے ہوں۔

ب۔ کووٹلوری پر، جہاں حضرت یسوع علیہ السلام کے مصلوب ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔

جہاں تک دوسرے موریاہ کا تعلق ہے، جس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ وہ کووٹلوری پر واقع ہے، جہاں بعد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کیا گیا تھا، تو اس پر بھی کسی خاص بحث و گفتگو کی ضرورت نہیں، کیونکہ (۱) اسے بھی بائبل کے کسی ممتاز عالم نے قابل ذکر خیال نہیں کیا اور (۲) یہ نظریہ بائبل کے مندرجات سے بھی کوئی مطابقت نہیں رکھتا۔ یہ (کووٹلوری) یا تو یروشلم کے جدیدہ شہر کے اندر، مگر قدیم شہر کی دیواروں سے باہر کسی جگہ واقع تھا یا اس کے کہیں قریب ہی واقع تھا۔ یہ مقام یروشلم، بیرسع، حبرون یا مرے، کسی سے بھی بیس میل سے زیادہ دور نہیں۔ اس تک پہنچنے میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چند گھنٹے سے زیادہ نہ لگتے۔ تو پھر بھلا یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ تین دن کے لگا تار اور پُر مشقت سفر کے بعد بھی وہ اتنا مختصر سا فاصلہ نہ طے کر سکے ہوں۔

ج۔ کووٹلوریم پر

جہاں تک تیسرے موریاہ کا تعلق ہے، جس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ شکیم کے قدیم

شہر کے قریب کوہ جریزیم پر واقع تھا تو اسے سامریوں نے اپنے ہیكل (حرم) کی اہمیت و حرمت قائم کرنے کے لیے ہیكل کے محل وقوع سے منسلک کر دیا تھا۔ 'دی اسٹریٹڈ بائبل ڈکشنری' میں درج ہے:

The Samaritan tradition identifies the site with Mt. Gerizim (as though Moriah = Moreh; cf. Gn. 12:6)¹¹

سامری روایت اس کا محل وقوع کوہ جریزیم سے منسلک قرار دیتی ہے (گویا کہ موریاہ اور موریاہ ایک ہی مقام ہیں۔ ملاحظہ کیجیے کتاب پیدائش ۱۲:۶)۔

'دولو کی تفسیر بائبل' نے بھی اسی طرح کی بات کہی ہے۔¹²

'سیونٹھ ڈے ایڈونٹسٹ بائبل ڈکشنری' نے اس موضوع پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے:

The Samaritans, who consider Mount Gerizim the holy mountain of God, place the sacrifice of Isaac on that mountain, and believe that Moriah was Moreh near Shechem; and that it was the site of the first encampment of Abraham in the land of Canaan, where he built an altar to the true God (Gen 12:6,7). Such an identification, they believe, justifies their separation from Jerusalem, and their right to worship God on Mount Gerizim (see Jn 4:20,21). It is, of course, entirely without support.¹³

سامری لوگ جو کوہ جریزیم کو خداوند کا مقدس پہاڑ تصور کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اسحاق کی قربانی اسی پہاڑ پر پیش کی گئی تھی۔ ان کا عقیدہ ہے کہ موریاہ ہی وہ مورہ ہے جو عظیم کے نزدیک واقع ہے اور یہ کہ یہ مقام ابراہیم کا سرزمین کنعان میں پہلا پڑاؤ تھا۔ جہاں انھوں نے سچے خداوند کے لیے ایک چوترا تعمیر کیا تھا (پیدائش ۱۲:۶-۷)۔ ان کا ایمان ہے کہ اس کو یہ شناخت دینا ان کی یروشلم سے علیحدگی اور ان کی کوہ جریزیم پر خداوند کی عبادت کے حق کی وجہ جواز ہے (ملاحظہ کیجیے انجیل یوحنا ۴:۲۰-۲۱)۔ یہ بلاشبہ کسی بھی قسم کی تائید سے عاری ہے۔

'ہیسٹنگز کی نظر ثانی شدہ بائبل ڈکشنری' نے بھی اسی طرح کی بات کی ہے:

There is some similarity between the names of Moriah and 'Moreh,' the latter located near Shechem (Gn 12:6, Dt 11:30) and Mount Gerizim. And it may have been owing to this that the Samaritans have claimed Gerizim as Abraham's mountain (cf Jn 4:20). Gn 22:4 has been often cited to suggest

that Gerizim, a mountain visible for some distance, must be the Moriah of Abraham, because he 'lifted up his eyes and saw the place afar off.'¹⁴

موریاہ اور موریاہ کے ناموں میں کسی قدر مشابہت پائی جاتی ہے۔ موخر الذکر شکیم (پیدائش ۶:۱۲، استثنا ۳۰:۱۱) اور کوہ جریزیم کے نزدیک واقع ہے۔ اور یہی وجہ ہوگی کہ سامریوں نے جریزیم کے متعلق یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ ابراہیم کا پہاڑ تھا (دیکھیے انجیل یوحنا ۲۰:۱۳)۔ پیدائش ۲۲:۲ کو اکثر اس مقصد کے لیے پیش کیا جاتا ہے کہ جریزیم جو کچھ فاصلے سے نظر آنے والا ایک پہاڑ ہے، لازماً ابراہیم والا موریاہ ہے، کیونکہ اس نے اپنی نگاہ اٹھائی اور اس جگہ کو بہت دور دیکھا۔

سامریہ کے لوگ یہودیہ کی جنوبی سلطنت کے شدید مخالف تھے۔ جب کتاب توراتیخ کے مصنف نے بیگل سلیمانی کا موریاہ کے نام کے ساتھ تعلق قائم کیا تا کہ یہودی حرم کی اہمیت اور اس کا تقدس قائم ہو سکے تو اس کے جواب میں سامریوں نے موریاہ کا تعلق کوہ جریزیم پر واقع اپنے حرم کے ساتھ جوڑ دیا۔ یسٹنگ کی لغات بائبل میں ایس۔ آر۔ ڈرائیور (S.R.Driver) کی تحریر سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ وہ لکھتا ہے:

In view of the rivalry which prevailed in later times between the Samaritans and the Jews, the preference of the former for Gerizim does not count for much; and with regard to the other arguments it may be doubted whether, in a narrative which cannot be by an eye-witness or contemporary of the facts recorded, the expressions used are not interpreted with undue strictness.¹⁵

بعد کے زمانے میں سامریوں اور یہودیوں کے درمیان جو رقابت جاری و ساری تھی، اس کے پیش نظر اول الذکر (سامریوں) کا جریزیم کو ترجیح دینا کوئی زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ اور جہاں تک دوسرے دلائل کا تعلق ہے، اس بات میں شک کی پوری گنجائش ہے کہ جو کہانی کسی عینی شاہد کی بیان کردہ نہ ہو یا جو حقائق کسی ہم عصر کے لکھے ہوئے نہ ہوں، کہیں ان کی تاویل میں غیر ضروری سختی تو نہیں برتی گئی۔

سامریوں کے زرخیز دماغ نے اپنے دعوے کے حق میں امکانات تلاش کرنے شروع کیے۔ یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ کوئی نظریہ، خواہ کتنا ہی مبہم کیوں نہ ہو، کچھ انوکھے اور جدت پسند علماء کی

تائید حاصل کر ہی لیتا ہے۔ پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی اختراع کرنے والوں کے مذموم عزائم سے بے خبر بعض غیر متعصب اور انصاف پسند علماء اس عجیب نظریے کو معروضی طور پر قبول کر لیتے ہیں اور اس کے حق میں کچھ دلائل بھی تلاش کر لیتے ہیں۔ اسی طرح چند ایک علماء اس کے اندر کسی معقولیت کے امکان کو یکسر رد نہیں کر دیتے، لیکن اس کے باوجود علماء کی اکثریت اس نظریے کی حماقت کا شعور حاصل کرنے میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتی۔ پوری بائبل میں کوہ جریزیم کے لیے کبھی بھی 'مورہ یاہ' کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ تاریخ کے اوراق اور علم کی دنیا میں سامریوں کی اس دیدہ و دانستہ اور اپنے مقاصد کے لیے تراشی ہوئی اختراع کی کوئی بنیاد موجود نہیں۔

مندرجہ بالا تمام گفتگو کے یہ بات واضح ہے کہ سامریوں کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے اکلوتے بیٹے کو کوہ جریزیم پر قربانی کے لیے پیش کرنے کے محل وقوع کا دعویٰ بعض علاقائی، فرقہ وارانہ مراسم عبادت اور نسلی رقابتوں کی کجسے تراشا گیا تھا۔ اس کی کوئی حقیقی بنیاد نہ تھی۔ واضح رہے کہ مورہ کوئی بنجر میابان نہ تھا۔ یہ ایک زرخیز اور خوبصورت پہاڑی علاقہ تھا، جس کے چاروں طرف گھنے جنگل اور بکثرت ہنرہ زار تھے۔ بائبل نے اسے شاہ بلوط کے درختوں سے بھی متعلق قرار دیا ہے۔ عظیم سمندر (بحیرہ روم) اس کے مغرب میں بہت زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔ اس کے مشرق میں تھوڑے ہی فاصلے پر دریائے اردن واقع ہے۔ اس کے شمال مشرق اور جنوب مشرق کی طرف کوئی بیس پچیس میل کے دائرے میں گیلیلی کا سمندر اور بحیرہ مردار واقع ہیں، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہاں کافی وقت سے مقیم تھے، اس لیے اس سے وہ ضرور واقف ہوں گے۔ یہ محض سادگی اور بے خبری ہی ہو سکتی ہے کہ وہ کسی نام نہاد سونی قربانی کے لیے ایندھن کی لکڑی کا گٹھا مورہ کی طرف اٹھا کر لائیں۔ یہ تو گویا اُلے بانس بریلی کو ذوالی بات ہوئی۔ مندرجہ بالا تمام بحث کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف یہ اکیلا نکتہ ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے اکلوتے بیٹے کو قربانی کے لیے اس جگہ [مورہ] لانے کے امکان کو مسترد کر دیتا ہے۔

میسوپوٹیمیا (Mesopotamia) میں اپنے آبائی وطن سے ہجرت کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام

شمال مغرب کی طرف روانہ ہوئے اور فدان آرام کے راستے حاران پہنچے۔ وہاں کچھ دیر قیام کے بعد انھوں نے جنوب مغرب کی سمت اپنا سفر دوبارہ شروع کیا۔ حلب، جمص، دمشق وغیرہ کے راستے وہ کنعان کی سرزمین میں داخل ہوئے۔ کنعان میں ان کا پہلا پڑاؤ مورہ میں ہوا۔ یہاں انھوں نے کچھ عرصے کے لیے اپنے کنبے کے قیام کا بندوبست کیا۔ تب وہ مزید آگے مصر کی طرف بڑھے تاکہ اپنی تبلیغی سرگرمیوں کے لیے کوئی موزوں مرکز تلاش کریں۔ یہ دیکھ کر کہ مصر ان کی تبلیغی سرگرمیوں کے لیے کوئی زرخیز میدان نہ تھا، وہ واپس مورہ آگئے اور کچھ دیر وہاں قیام فرمایا تاکہ اپنی تبلیغی سرگرمیوں کے لیے نئے آفاق دریافت کریں۔ ان کے اس تبلیغی مرکز کی تلاش کے سفر کے دوران میں ان کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام ان کے ساتھ ساتھ رہے۔ اسی مورہ کے مقام پر انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنی تبلیغی سرگرمیاں مختلف ممالک میں سرانجام دیں گے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی سرگرمیوں کے لیے ادم (Edom) کا انتخاب کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی تبلیغ کے لیے سالم (ان دنوں یروشلم کا نام محض 'سالم' تھا) کے جنوب میں قریباً بیس میل کے فاصلے پر اپنا مرکز قائم کیا۔ اور اپنے خاندان کو مرے (Mamre)، حبرون (Hebron) اور مکلفلا (Machpelah) کے علاقے میں آباد کیا۔ حبرون سے قریباً پچیس میل جنوب مغرب میں بیرسج ان کے مویشیوں کے لیے چراگاہ تھی۔ ابراہیم علیہ السلام کا خاندان مستقل طور پر یہیں آباد ہو گیا تھا اور مورہ کو ہمیشہ ہمیش کے لیے خیر باد کہہ آیا تھا۔

مورہ کے متعلق مندرجہ بالا معلومات بڑی احتیاط سے اٹلوس، تفسیروں، ڈکشنریوں، انسائیکلو پیڈیاؤں اور بائبل کے اصل متن جیسے مستند مصادر و مآخذ سے جمع کی گئی ہیں۔ ذیل میں صرف دو مختصر اقتباسات دیے جا رہے ہیں۔ ولیم سمٹھ اپنی لغات بائبل میں لکھتے ہیں:

The oak of Moreh was the first recorded halting-place of Abram after his entrance into the land of Canaan. Gen. 12:6. It was at the "place of Shechem," ch. 12:6, close to the mountains of Ebal and Gerizim. Deut. 11:30.¹⁸

سرزمین کنعان میں داخلے کے بعد ابراہیم کا پہلا ثابت شدہ پڑاؤ مورہ کا شاہ بلوط تھا (کتاب پیدائش ۱۲:۶)۔ یہ کوہ عبال و جریم کے قریب ہی شکیم کے مقام (۱۲:۶) پر واقع تھا (کتاب استثنیٰ

ریورٹڈ اے ایچ گنر (Rev. A.H. Gunner) اور ایف۔ ایف بروکس (F.F. Bruce) 'الٹریٹڈ بائبل ڈکشنری' میں بیان کرتے ہیں:

Dr. 11:30 makes reference to the 'oak of Moreh' in the district of Gilgal (i.e. the Shechemite Gilgal). It is recorded that Abraham pitched his camp there on arriving in Canaan from Haran, and it was there that God revealed himself to Abraham, promising to give the land of Canaan to his descendants. ۱۹

کتاب استثنا ۱۱:۳۰ میں مورہ کے شاہ بلوط کا جلجال کے ضلع (حکیم والے جلجال) میں ذکر کرتی ہے۔ درج ہے کہ ابراہیم نے حاران سے کنعان پہنچنے پر وہاں اپنا کیمپ قائم کیا۔ اسی مقام پر خداوند نے ابراہیم پر اپنا آپ ظاہر کیا (وحی نازل کی) اور سرزمین کنعان اس کی نسلوں کو دینے کا وعدہ کیا۔

نوٹ: یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ موریہ (یا المردہ)، مورہ اور مرے تین الگ الگ الفاظ ہیں۔ موریہ (یا المردہ) کی یہ حیثیت کہ وہ حضرت ابراہیم کے اپنے 'اکلوتے بنے' کی قربانی کا مقام ہے، یہودی، مسیحی اور مسلم روایت میں مسلم متفق علیہ ہے۔ البتہ یہ کہ اس کا محل وقوع کیا ہے، ایک مختلف فیہ بات ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک یہ مقام مکہ کا المردہ ہے اور یہود و نصاریٰ کسی ایک بات پر متفق نہیں ہیں۔ اگرچہ کتاب تواریخ کے مصنف کے نزدیک یہ یروشلم میں وہ جگہ ہے جہاں ہیکل سلیمانی تعمیر کیا گیا تھا، لیکن یہ بیان بوجہ درست قرار نہیں دیا جاسکتا۔ مورہ کا تعلق کوہ جریزیم سے ہے اور مرے مکفیلہ اور حبرون کے علاقے میں واقع ہے، یعنی مورہ یروشلم کے شمال میں واقع ہے اور مرے اس کے جنوب میں۔

حواشی باب پنجم

۱۔ کتاب مقدس، پیدائش ۲۲:۲۔

2. *The Jewish Enc.*, 9:17.

3. *Hastings Dic. of the Bible* Rvd. by Frederick Grant & H. H. Rowley (NY: Charles Scribner's Sons, 1963), pp. 674f.

4. *New Bible Dic.* II, Ed. N. Hellyer Revision Ed. (Leicester: Inter-Varsity Press, Eng. 1986), p. 415.

5. *New Bible Dic.* II, Ed. 1099.

6. John Fawcett, *The Devotional Family Bible Com.* (London: Suttaby, Evance & Co. 1811), Vol 1, no paging.

یہ انجیل متی ۲۷:۳۳-۳۴ کے سلسلے میں 'کرچن تسمیر' بائبل (Christian Community Bible, Catholic Pastoral Edn, 1995, p. 66f

When they reached the place called Golgotha (or Calvary) which means the Skull, they offered him wine mixed with gall. Jesus tasted it but would not take it.

جب وہ اس جگہ پہنچے جسے 'گلگوٹھا' (یا 'کال وری') کہا جاتا تھا جس کے معنی ہیں 'کھوپڑی'، تو انھوں نے اسے پت لٹی ہوئی پینے کو دی، مگر اس نے کچھ کرینا نہ چاہا۔

۷۔ 'ممرے' کے مقام کو 'موریاہ' کے ساتھ خلط ملط نہیں کرنا چاہیے۔ یہ دونوں نام الگ الگ مقامات پر دلالت کرتے ہیں۔ 'وی السریڈ بائبل ڈکشنری' میں (صفحہ ۹۴ پر) ایف ایف بروس رقم طراز ہیں:

[Mamre] A place in Hebron district, W from Machpelah (Gen. 23:17, 19; 49:30; 50:13), associated with Abraham (Gen. 13:18; 14:13; 18:1) and Isaac (Gen. 35:27). Abraham resided for considerable periods under the terebinth of Mamre; there he built an altar, there he learnt of the capture of Lot, there he recieved Yahweh's promise of a son and pleaded for Sodom, and from there he saw the smoke of Sodom and its neighbour cities ascend. The site has been identified at Rametel-Khalil, 4 km N of Hebron.

[ممرے] [مکفیلہ سے مغرب میں حبرون کے ضلع میں ایک مقام (ہے)] جس کا ابراہیم اور اسحاق سے

ایک تعلق ہے۔ ابراہیم قابل ذکر مرے تک مرے کے بلوط کے زیر سایہ قیام پذیر ہے۔ یہاں انھوں نے قربانی کا ایک چہرہ تعمیر کیا، یہیں انھیں لوط کی مغلویت کا پتا چلا، یہیں ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بیٹے کا وعدہ ہوا اور انھوں نے سدوم کے حق میں (اللہ تعالیٰ سے) گفتگو کی اور یہیں سے انھوں نے سدوم اور اس کے پڑوسی شہروں کا دھواں اٹھتے دیکھا۔ اس مقام کے محل وقوع کی حمدوں سے چارکلو میٹر شمال میں رملہ الخلیل کے مقام پر نشان دہی کی گئی ہے۔

یہی مصنف اپنی کتاب 'Places Abraham Knew' میں صفحات ۴۱، ۴۲ اور ۴۶ پر لکھتا ہے:

In so far as Abraham had a place in Canaan which could be called his home, it was at Mamre. His family and household could stay here while he was leading caravans or taking part in pastoral activity elsewhere. (...) To Jews, Christians and Muslims, however, its fame is based on the fact that it was here that Abraham stayed and had those dealings with God which have won for him the name 'The Friend of God'.

اگر ابراہیم کی مکان میں کوئی ایسی جگہ تھی جسے وہ اپنا گھر کہہ سکتے تو وہ مرے میں تھی۔ جب وہ کاروانوں کی قیادت کر رہے ہوتے یا کسی اور جگہ اپنے جانوروں کی نگہ بانی کر رہے ہوتے تو ان کا کنبہ اور ان کے گھر والے یہاں قیام کرتے تھے۔ (...) تاہم یہودیوں، مسیحیوں اور مسلمانوں کے نزدیک اس کی شہرت کی بنیاد اس حقیقت پر قائم ہے کہ یہی وہ جگہ تھی جہاں ابراہیم قیام پذیر ہوئے تھے اور ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے وہ معاملات ہوئے تھے جن کی وجہ سے انھیں 'خلیل اللہ' کے لقب سے سرفراز کیا گیا تھا۔

یہاں یہ بات بھی قابل التفات ہے کہ یہ مرے کسی شاہ بلوط کے درخت کے ساتھ منسلک ہے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ یہ کوئی ناقابل کاشت یا بنجر زمین نہ تھی۔ سوختی ایندھن وہاں بکثرت دستیاب تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وہاں سوختی قربانی کے لیے لکڑیاں لے جانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس طرح آبسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اس مرے کا اُس موریاہ سے کوئی تعلق نہیں، جہاں حضرت ابراہیم نے اپنے اکلوتے بیٹے کو قربانی کے لیے پیش کیا تھا اور بعض علماء کا یہ دعویٰ بے بنیاد ہے۔

9. New Bible Dic. II Ed., 730.

۱۰. ہارپر بائبل ڈکشنری میں لفظ 'کال وری' کو (صفحہ ۱۵۰ پر) حضرت یسوع علیہ السلام کے حوالی چڑھائے جانے کا مقام قرار دیا گیا ہے:

the site of Jesus' crucifixion. Three gospels recorded both the Semitic name of this site, "Golgotha," and a translation, "Place of the Skull" (Matt. 27:33; Mark

15:22; John 19:17). Luke 23:33 records only a shorter and more accurate translation, "Skull." The name "Calvary" derives from the Vulgate's Latin translation of this word (calvaria). It is likely that the site was so named because of its habitual use for executions. Less likely is an explanation rooted in the physical appearance of the place. Apart from the name very little is confidently known about Calvary. John 19:20 and Jewish and Roman execution customs indicate that it was located outside Jerusalem's city walls. Roman crucifixion customs and the reference to passers-by (Matt. 27:39) also suggest it was near a thoroughfare, while the fact that the cross was visible from afar (Matt. 27:55) could indicate an elevated location. Nevertheless its precise location remains in dispute.

یہ (ٹھوڑی) جگہ کی (نام نہاد) سولی دیے جانے کی جگہ ہے۔ تین انجیلیوں نے اس مقام کا ساری نام 'ٹھوڑا' اور اس کا ترجمہ 'ٹھوڑی' کی جگہ دونوں درج کیے ہیں۔ لوقا کی انجیل (۲۳:۲۳) نے صرف ایک مختصر اور نسبتاً زیادہ صحیح ترجمہ 'ٹھوڑی' نقل کیا ہے۔ لفظ ٹھوڑی بائبل کے لاطینی ترجمے وولگیٹ سے ماخوذ ہے۔ ممکن ہے کہ اس جگہ کا یہ نام اس لیے پڑا ہو کہ یہاں بالعموم سزائے موت پر عمل درآمد کیا جاتا تھا۔ ایک کم تر امکان یہ بھی ہے کہ اس مقام کی ظاہری صورت ٹھوڑی سے ملتی جلتی ہو۔ نام کے علاوہ ٹھوڑی کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ انجیل یوحنا (۱۹:۲۰) سے اور یہودیوں اور رومیوں کی سزائے موت دینے کی رسوم سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جگہ شہرِ قدس کی دیواروں سے باہر واقع تھی۔ رومیوں کی سولی پر لٹکانے کی رسوم اور انجیل متی (۲۷:۳۹) میں راہ گیزوں کے ذکر سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جگہ ایک شارع عام کے قریب واقع تھی۔ اور اس حقیقت سے کہ صلیب دور دراز سے بھی نظر آ رہی تھی (متی ۲۷:۴۵)، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک اونچی جگہ پر واقع تھی، تاہم اس کا صحیح محل وقوع ایک متنازع بات ہی ہے۔

11. *The Illustrated Bible Dic.*, (Inter-Varsity Press, 1980), 2:1025.

۱۲ ڈولملوکتا ہے:

The Samaritans assert that Mt. Gerizim was the scene of the event, regarding Moriah as Moreh in Shechem (J.R. Dummelow, *A Com. on The Holy Bible*, NY, The Macmillan Co, 1956, 30)

سامریوں کا دعویٰ ہے کہ کوہ جریزیم ہی اس واقعہ کا مقام ہے۔ وہ مروہ یا کوہِ قدس کا سموروہ تصور کرتے ہیں۔

13. *Seventh-Day Adventist Bible Dic.*, Revised Edn., Ed. by Siegfried H. Horn (Hagerstown: Review and Herald Publ. Association, 1979), p. 760.

14. *Hastings Dic. of the Bible* Rvd. by Frederick Grant & H. H. Rowley (NY: Charles Scribner's Sons, 1963), pp. 674f.

15. *Hastings Dic of the Bible*, s.v. 'Moriah' by S. R. Driver, 3:437.

۱۶ ہو سکتا ہے کہ یہ خاص معرکہ ہو۔ زیادہ امکان یہ ہے کہ یہ جزیرہ نماے سینا ہو۔

یہاں مکینزی کی لغات بائبل میں بیان کیا گیا ہے:

(Gn 14:18), identified with Jerusalem in Ps 76:3 and in early Jewish tradition, which is accepted by modern interpreters. (J. L. McKenzie's Dic. of Bible, 759).

(کتاب پیدائش ۱۴:۱۸)۔ زبور ۷۶:۳ اور قدیم یہودی روایات اس [سالم] کو یہ وطن قرار دیتی ہیں اور

جدید مفسرین بھی اسے تسلیم کرتے ہیں۔

18. W. Smith's A Dic. of the Bible, p. 416.

19. The Illustrated Bible Dic., 2:1025.

باب ششم

یروشلم کے موریاہ ہونے کا دعویٰ (مقام قربانی)

بائبل کے علما کا یروشلم کو موریاہ (مقام قربانی) کا محل وقوع قرار دینے کا دعویٰ قدرے تفصیلی بحث کا طالب ہے۔ اصل میں اسے موریاہ کا نام خداوند کے گھر کو، جسے عام طور پر یہیکل کہا جاتا ہے، اہمیت اور تعظیم عطا کرنے کے لیے دیا گیا تھا۔ مکینزی کی لغات بائبل (McKenzie's Dic. of the Bible) میں وضاحت کی گئی ہے:

The hill on which Solomon's temple was built is called Moriah (2 Ch 3:1), the only other incidence of the name; but this is in all probability due to the theological invention, which identified the Temple, the place of Yahweh's dwelling and of Israel's worship, with the site of the sacrifice of Isaac.¹

وہ پہاڑی جس پر یہیکل سلیمانی تعمیر کیا گیا تھا، موریاہ کہلاتی ہے (۲۔ تواریخ ۳:۱)۔ بائبل میں صرف یہی وہ دوسرا مقام ہے جس میں یہ نام آیا ہے، لیکن غالب امکان یہی ہے کہ یہ سب کچھ دینیاتی اختراع ہے جس نے خداوند کی جائے قیام اور اسرائیل کے مقام پرستش، یعنی یہیکل کو اسحاق کی قربانی کا مقام قرار دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جس مقام پر یہیکل تعمیر کیا گیا، پہلے اس کا سرے سے کوئی نام ہی نہ تھا۔ اسے محض شناخت کے لیے 'اورنان ایبوسی کا کھلیان' کہا جاتا تھا۔ 'موریاہ' کا نام اس کے ساتھ دھاندلی سے منسوب کیا گیا ہے تاکہ اسے تقدس اور اہمیت دی جائے۔ جی اے بروائس (G.A. Barrois) نے 'انٹر پریٹرز ڈکشنری آف بائبل' (Interpreter's DB) میں اس نکتے کی یوں وضاحت کی ہے:

Since the name Moriah appears nowhere else in the texts relative to the topography of Jerusalem, there is good reason to suspect that the author of Chronicles intended to ascribe an early origin to the royal sanctuary, by identifying the unnamed hilltop formerly used as a threshing floor with the mountain in the land of Moriah, where Abraham had made ready to sacrifice his son. ۲

کیونکہ موریہ کا نام یروشلم کی سرحدوں سے متعلق متون میں کسی اور جگہ نہیں آیا۔ اس لیے یہ شک کرنے کی معقول وجہ موجود ہے کہ کتاب تواریخ کے مصنف کی یہ خواہش تھی کہ اس شاہی حرم مقدس کی کوئی پرانی بنیاد ظاہر کی جائے۔ اس طرح اس نے بے نام پہاڑی چوٹی کو جو پہلے ایک کھلیان کے طور پر استعمال ہوتی تھی، مگر زمین موریہ کے پہاڑ سے مشابہ قرار دیا، جہاں ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کو قربانی کے لیے تیار کیا تھا۔

کتاب تواریخ کا مصنف، جس نے اس جگہ کے لیے موریہ کا لفظ استعمال کیا ہے، بذات خود بھی اس جگہ کے لیے یہ نام اپنے بیانات میں کسی اور جگہ استعمال نہیں کرتا، جبکہ اس نے اس جگہ کا متعدد مرتبہ حوالہ دیا ہے۔ اگر اس جگہ کی شناخت موریہ کے اسم معرفہ کے ساتھ منسلک ہوتی تو کتاب تواریخ کا مصنف دوسرے مقامات پر بھی اسے استعمال کرتا۔ مزید برآں اس کے متعلق دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ یروشلم کے شہر میں واقع ہے جو یہودی قوم کے لیے انتہائی اہم شہر تھا۔ پھر اس کے متعلق یہ بھی دعویٰ کیا جاتا تھا کہ یہ بیکل سلیمانی کا محل وقوع ہے۔ یہ بیکل قوم یہود کے لیے اپنی تعمیر کے روز اول ہی سے ہمیشہ ایک انتہائی اہم عمارت رہا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ پوری بائبل میں اس تحریف شدہ مقام کے علاوہ یہ کسی جگہ بھی موریہ کے نام سے مذکور نہ ہوتا۔ ذیل میں بائبل سے اس واقعے کا قدرے تفصیلی متن درج ہے تاکہ قاری اس کے پس منظر سے آگاہ ہو سکے:

اور خدا نے ایک فرشتہ یروشلم کو بھیجا کہ اسے ہلاک کرے اور جب وہ ہلاک کرنے ہی کو تھا تو خداوند دیکھ کر اس بلا سے طول ہوا اور اس ہلاک کرنے والے فرشتہ سے کہا بس اب اپنا ہاتھ کھینچ اور خداوند کا فرشتہ یسویٰ ارنان کے کھلیان کے پاس کھڑا تھا۔ اور داؤد نے اپنی آنکھیں اٹھا کر آسمان و زمین کے بیچ خداوند کے فرشتہ کو کھڑے دیکھا اور اسکے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی جو یروشلم پر بڑھائی ہوئی

تھی۔ تب داؤد اور بزرگ ٹاٹ اوڑھے ہوئے منہ کے بل گرے۔ اور داؤد نے خدا سے کہا کیا میں ہی نے حکم نہیں کیا تھا کہ لوگوں کا کھمار کیا جائے؟ کتنا تو میں نے کیا اور بڑی شرارت مجھ سے ہوئی پر ان بھینٹوں نے کیا کیا ہے؟ اے خداوند میرے خدا تیرا ہاتھ میرے اور میرے باپ کے گھرانے کے خلاف ہو، نہ کہ اپنے لوگوں کے خلاف کہ وہ دبا میں مبتلا ہوں۔ تب خداوند کے فرشتے نے جادو کو حکم کیا کہ داؤد سے کہے کہ داؤد جا کر یہوئ اورنان کے کھلیان میں خداوند کے لیے ایک قربان گاہ بنائے۔ اور داؤد جادو کے کلام کے موافق جو اُس نے خداوند کے نام سے کہا تھا کیا۔ اور اُرتان نے منہ کر اُس فرشتہ کو دیکھا اور اُسکے چاروں بیٹے جو اُس کے ساتھ تھے چھپ گئے۔ اُس وقت اُرتان گہنوں داؤد بنا تھا۔ اور جب داؤد اُرتان کے پاس آیا تب اُرتان نے نگاہ کی اور داؤد کو دیکھا اور کھلیان سے باہر نکل کر داؤد کے آگے بھٹکا اور زمین پر سر ٹیکو ہو گیا۔ تب داؤد نے اُرتان سے کہا کہ اس کھلیان کی یہ جگہ مجھے دے دے تاکہ میں اس میں خداوند کے لیے ایک قربان گاہ بناؤں۔ تو اُس کا پورا دام لے کر مجھے دے تاکہ وہاں لوگوں سے دور کر دی جائے۔ اُرتان نے داؤد سے کہا تو اسے لے لے اور میرا ملک بادشاہ جو مجھ اُسے بھلا معلوم ہو کرے۔ دیکھ! میں ان نیلوں کو سوختی قربانوں کے لیے اور داؤد نے [گاہنے] کے سامان ایندھن کے لیے اور یہ گہنوں نذر کی قربانی کے لیے دیتا ہوں۔ میں یہ سب مجھ دیے دیتا ہوں۔ داؤد بادشاہ نے اُرتان سے کہا نہیں نہیں بلکہ میں ضرور پورا دام دے کر تجھ سے خرید لوں گا کیونکہ میں اُسے جو تیرا مال ہے خداوند کے لیے نہیں لینے کا اور نہ بغیر خرچ کیے سوختی قربانی چڑھاؤں گا۔ سو داؤد نے اُرتان کو اُس جگہ کے لیے چھ سو شمال سونا تول کر دیا۔ اور داؤد نے وہاں خداوند کے لیے مذبح بنایا اور سوختی قربانیاں اور سلامتی کی قربانیاں چڑھائیں اور خداوند سے دعا کی اور اس نے آسمان پر سے سوختی قربانی کے مذبح پر آگ بھیج کر اُس کو جواب دیا۔ اور خداوند نے اُس فرشتہ کو حکم دیا۔ تب اُس نے اپنی تلوار پھر میان میں کر لی۔ اُس وقت جب داؤد نے دیکھا کہ خداوند نے یہوئ اورنان کے کھلیان میں اُس کو جواب دیا تھا تو اس نے وہیں قربانی چڑھا لی۔

مندرجہ بالا بیان میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے کہ ان چند سطور میں موریہ کے تنازع محل وقوع کا گیارہ مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں اس مقام کے لیے جو مختلف نام استعمال کیے گئے ہیں، وہ ہیں (۱) اورنان یہوئ کا کھلیان، یا محض (۲) کھلیان، (۳) اس کھلیان کی جگہ، (۴) جگہ، (۵) یہ، (۶)

وہاں اور (۷) اس میں، لیکن پورے بیان میں ایک مرتبہ بھی اس کو 'موریاہ' کے اسم معرفہ کے ساتھ منسوب نہیں کیا گیا۔ مزید یہ بھی پیش نظر رہے کہ اس مقام کے لیے یہ مختلف الفاظ مختلف لوگوں نے استعمال کیے ہیں۔ جس کی تفصیل یہ ہے (اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی فریق بھی یہ نہیں جانتا کہ اس مقام کا 'موریاہ' نامی کوئی اسم معرفہ بھی ہے):

الف 'اور نان یوسی کا کلیان' کے الفاظ (۱) ایک مرتبہ کتاب کے مدیر نے (۲) ایک مرتبہ حضرت داؤد نے اور (۳) ایک مرتبہ خداوند کے فرشتے نے [اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خداوند کا فرشتہ بھی (اور کیونکہ وہ خداوند کی طرف سے بول رہا تھا، اس لیے ظاہر ہوتا ہے کہ جیسے خداوند خود بھی) نہیں جانتا تھا کہ ہیکل کے اس محل وقوع کا نام 'موریاہ' تھا] (کل تین مرتبہ)،

ب 'کلیان' کا لفظ صرف ایک مرتبہ، اور وہ کتاب کے مدیر نے،

ج 'اس کلیان کی جگہ' کے الفاظ صرف ایک مرتبہ، اور وہ حضرت داؤد نے،

د 'اس میں' کے الفاظ صرف ایک مرتبہ، اور وہ بھی حضرت داؤد نے،

ه 'لفظ' یہ: (۱) دو مرتبہ حضرت داؤد نے اور (۲) ایک مرتبہ اور نان یوسی نے (کل تین مرتبہ)،

و 'لفظ' وہاں صرف ایک مرتبہ، اور وہ کتاب کے مدیر نے،

ز 'جگہ' کا لفظ صرف ایک مرتبہ، اور وہ بھی کتاب کے مدیر نے استعمال کیا ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ اس بات کا علم نہ تو کتاب کے مؤلف کو تھا، نہ حضرت داؤد علیہ السلام کو تھا، نہ اور نان یوسی کو تھا اور نہ خداوند کے فرشتے کو اور چونکہ فرشتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلام کر رہا تھا تو گویا نعوذ باللہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ کو بھی اس کا علم نہ تھا کہ اس جگہ کا نام، جہاں بعد میں ہیکل سلیمانی نے تعمیر ہونا تھا، 'موریاہ' تھا۔ یہ بات قطعی طور پر ناقابل یقین ہے۔

اگر اس مقام کا نام 'موریاہ' ہوتا اور وہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام یا اس سے بھی پہلے کے زمانے سے اور وہ بھی ان کے اس مقام پر اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی جیسے عظیم الشان واقعے کے سلسلے

میں، تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ خداوند کا فرشتہ اور حضرت داؤد علیہ السلام اور کتاب کا مؤلف اور اس جگہ کا مالک اور نان بیوی، سب لوگ اس مقام کے بارے میں ایسی عقارت اور بے نیازی کا مظاہرہ کرتے کہ اس پورے بیان میں کسی جگہ اس کے نام کا ذکر تک گوارا نہ کرتے۔

جوزیفس نے بھی اپنی کتاب 'Antiquities' میں یہ واقعہ بیان کیا ہے۔ اس سے اس نکتے پر مزید روشنی پڑتی ہے:

When God heard his [David's] supplication, he caused the pestilence to cease; and sent Gad the prophet to him, and commanded him to go up immediately to the threshing-floor of Araunah the Jebosite, and build an altar there to God, and offer sacrifices. When David heard that, he did not neglect his duty, but made haste to the place appointed him. Now Araunah was threshing wheat; and when he saw the king and all his servants coming to him, he ran before, and came to him (...). Now Araunah inquired, Wherefore is my lord come to his servant? He answered, To buy of him the threshing-floor, that he might therein build an altar to God, and offer a sacrifice. He replied, That he freely gave him both the threshing-floor, and the ploughs and the oxen for a burnt offering, and he besought God graciously to accept his sacrifice; (...); and when Araunah said he would do as he pleased, he bought the threshing-floor of him for fifty shekels; and when he had built an altar, he performed divine service, and brought a burnt offering, and offered peace-offerings also. (...). Now when king David saw that God had heard his prayer, and had graciously accepted of his sacrifices, he resolved to call that entire place The Altar of all the People, and to build a temple to God there; ۴

جب خداوند نے اس [حضرت داؤد علیہ السلام] کی التجا سنی تو اس نے اس کو اپنے قسم ہونے کا حکم فرمایا اور جعدنامی پیغمبر کو اس کے پاس بھیجا اور اسے [حضرت داؤد علیہ السلام] کو حکم دیا کہ وہ فوری طور پر ارونا بیوی کے کھلیاں پر جائیں اور وہاں خداوند کے لیے ایک چبوترہ تیار کریں اور قربانیاں پیش کریں۔ جب حضرت داؤد نے یہ سنا تو اس نے اپنے فریضے میں کوئی کوتاہی نہ کی، بلکہ فوری طور پر مقررہ مقام کی طرف روانہ ہو گئے۔ اب ارونا وہاں گندم کی گہائی کر رہا تھا۔ جب اس نے بادشاہ [حضرت داؤد علیہ السلام] اور اس کے تمام خدمت کو اپنی طرف آتے دیکھا، وہ آگے دوڑا اور اس کے پاس آیا۔ (...). اب ارونا نے دریافت کیا میرا آقا اپنے غلام کی طرف کس لیے تشریف لایا ہے؟

اس [حضرت داؤد] نے جواب دیا کہ تم سے یہ کھلیان خریدنے کے لیے [آیا ہوں]۔ تاکہ یہاں خداوند کے لیے ایک چبوترہ تعمیر کروں اور قربانی پیش کروں۔ اس نے جواب دیا کہ وہ خوشی سے یہ کھلیان اور بل اور یہ بتل سوختی قربانی کے لیے پیش کرتا ہے۔ اور اس نے خداوند سے التجا کی کہ وہ اپنے فضل سے اس کی (یہ) قربانی قبول فرمائے۔ (...): اور جب اردن نے کہا کہ جیسے آپ کی خواہش ہے میں ویسے ہی کروں گا تو انھوں [حضرت داؤد] نے اس سے یہ کھلیان پچاس شیکل میں خرید لیا۔ اور جب اس نے ایک چبوترہ تیار کر لیا تو اس نے خدا کی عبادت کی اور ایک سوختی قربانی لایا اور اس کی قربانیاں بھی پیش کیں۔ (...): اب جب بادشاہ داؤد نے دیکھا کہ خداوند نے اس کی دعا سنی اور اپنے فضل سے اس کی قربانیاں قبول کر لیں تو اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس تمام جگہ کا نام تمام لوگوں کا (عبادت و قربانی کا) چبوترہ (The Alter of all the People) رکھے گا اور وہاں خداوند کا ایک بیٹل تعمیر کرے گا۔

پچھلی عبارت کی طرح اس مندرجہ بالا عبارت میں بھی اس مقام کا، جسے کتاب تواریخ کے مصنف نے متنازع طور پر 'موریاہ' کا نام دیا ہے، سات مرتبہ ذکر آیا ہے، لیکن کسی ایک جگہ بھی اس نے اس کا ذکر 'موریاہ' کے نام سے نہیں کیا۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جب بادشاہ حضرت داؤد خود اس جگہ کے لیے کوئی نام تجویز کرتے ہیں تو وہ اسے 'تمام لوگوں' (کی عبادت و قربانی) کا چبوترہ (The Alter of all the People) کا نام دیتے ہیں۔ اگر یہ وہ مقدس جگہ ہوتی جس کا نام حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی پہلے سے 'موریاہ' ہوتا اور جس کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے پہلوئے، اکلوتے اور پیارے بیٹے کی قربانی جیسی عظیم الشان روایت منسوب ہوتی تو حضرت داؤد علیہ السلام کو اس نام کا لازماً علم ہوتا اور وہ اس جگہ کے لیے یقیناً ہی نام استعمال کرتے۔ وہ اس اہم نام کے ذکر کو ہرگز نظر انداز نہ کرتے اور اسے 'تمام لوگوں' (کی عبادت و قربانی) کا چبوترہ جیسے ادنیٰ قسم کے نام میں تبدیل کرنے کے بارے میں کبھی سوچ بھی نہ سکتے تھے۔

اس معاملے کا ایک دوسرا پہلو بھی قابل لحاظ ہے۔ حضرت ابراہیم یا تو حمرن (جسے آج کے دور میں اخلیل کہتے ہیں) میں رہتے تھے یا مرے میں جو حمرن سے قریباً تین کلومیٹر شمال میں

واقع تھا۔ ان کے مودیہوں اور بھیڑبکریوں کے ریوڑوں کی چراگاہیں پیرسیج کے مقام پر تھیں جو حمرون سے قریباً پچیس میل جنوب میں واقع ہے۔ یروشلم اور حمرون کے درمیان بیس میل سے زیادہ کا فاصلہ نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام صبح سویرے سفر کے لیے نکلے تھے جس سے ان کی مستعدی، اشتیاق، ذوقِ عمل اور پرییزگاری ظاہر ہوتی ہے۔ اگر انھوں نے اپنا سفر حمرون سے شروع کیا ہوتا تو انھیں صرف بیس میل کا سفر طے کرنا تھا۔ اگر وہ مرے سے روانہ ہوتے تو ان کے سامنے صرف اٹھارہ میل کا سفر تھا۔ اگر وہ پیرسیج سے چلے تھے تو انھیں قریباً چالیس میل کا سفر طے کرنا تھا۔ ان کے سفر کا نقطہ آغاز جو کچھ بھی ہو، کیونکہ وہ گلدھے پر سفر کر رہے تھے اور انھوں نے اپنے سفر کا آغاز صبح سویرے ہی کر دیا تھا اور وہ یہ سفر بڑے ذوق و شوق اور جذبے سے سرانجام دے رہے تھے، تو اگر ان کی منزل مقصود یروشلم ہوتی (جو ان کی ہر ممکن رہائش گاہ سے اٹھارہ سے پینالیس میل کے اندر اندر واقع تھی) تو انھیں اس تک پہنچنے میں ایک یا دو دن لگتے، لیکن بائبل کا بیان یہ ہے کہ تین دن کے سفر کے بعد بھی وہ ابھی تک مقررہ مقام سے بہت ہی دور تھے۔ اس کا مطلب ہوا کہ، جیسا کہ 'نیوجیروم' بلیکل تفسیر میں بیان کیا گیا ہے، انھیں اپنی منزل مقصود تک پہنچنے میں قریباً سات دن لگے ہوں گے۔ اس طرح کسی صورت میں بھی یہ منزل یروشلم نہیں ہو سکتی، کیونکہ جو مقام حقیقت میں منزل مقصود تھا، وہ اتنے طویل فاصلے پر واقع تھا کہ وہاں تک پہنچنے میں اتنا لمبا عرصہ درکار تھا (جبکہ یروشلم کسی طرح بھی ایک دو دن کے فاصلے سے زیادہ دور نہ تھا)۔ کوئی شخص 'نیوجیروم' تفسیر بائبل سے اتفاق کرے یا نہ کرے، لیکن اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ وہ لگاتار تین دن کے ذوق و شوق اور جذبے کے ساتھ کیے گئے سفر کے بعد بھی اپنی منزل تک نہیں پہنچے تھے اور ابھی تک اپنی منزل مقصود سے بہت دور تھے۔ اس طرح یہ نظریہ کہ موریاہ یروشلم کی پہاڑی چوٹی پر واقع تھا، باطل قرار پاتا ہے، کیونکہ یروشلم ایک دو دن کے سفر سے کچھ زیادہ فاصلے پر نہ تھا۔ یہ ابہام اور پیچیدگی بائبل کے علماء کی نظر سے بھی اوجھل نہیں رہی۔ 'السریٹھ بائبل ڈسٹری' میں درج ہے:

The only other mention of the name occurs in 2 Ch. 3:1, where the site

of Solomon's Temple is said to be on mount Moriah, on the threshing floor of Ornan the Jebusite where God appeared to David (...). It should be noted that no reference is made here to Abraham in connection with this site. It has been objected that Jerusalem is not sufficiently distant from S Philistia to have required a 3 day's journey to get there [not to say of three days, the actual journey which is allegedly claimed to be undertaken, was of not less than a week, as observed by the New Jerome B.C whereas, in view of the earnestness of Abraham and the distance to be covered being small, it could not have taken him more than one day, had the destination been Jerusalem.], and that one of the characteristics of Jerusalem is that the Temple hill is not visible until the traveler is quite close, so that the correctness of the Biblical identification is called in question.⁸

اس نام کا واحد دوسرا ذکر ۲۔ تواریخ ۳: ۱ میں آیا ہے، جہاں ییکل سلیمانی کا محل وقوع اور نان یوسی کے کھلیان پر واقع کوہ مودیاہ پر بتایا گیا ہے، [اور یہ وہی جگہ ہے] جہاں خداوند داؤد پر نمودار ہوا تھا۔ (...)۔ یہ امر پیش نظر رہنا چاہیے کہ اس محل وقوع کے سلسلے میں ابراہیم کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا ہے۔ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یروشلم جنوبی فلسطین سے اتنا زیادہ دور نہیں کہ وہاں پہنچنے میں تین دن درکار ہوں، اور یہ کہ یروشلم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ جب تک کوئی مسافر ییکل کی پہاڑی کے بالکل قریب نہ پہنچ جائے، وہ اسے دکھائی نہیں دیتی۔ اس طرح بائبل کی اس مقام کی نشان دہی کا درست ہونا محل نظر ہے۔

پیک (Peake) کی تفسیر بائبل میں بھی اس موضوع پر معقول انداز میں گفتگو کی گئی ہے۔ اُس کا بیان ہے:

In v. 2 the scene of the episode is said to be a mountain 'in the land of Moriah', and it is possible that these words and the obscure phrase in v. 14, 'in the Mount (i.e. the Temple Mount) where Yahweh is seen.' (where the Hebrew text has evidently suffered some corruption), may have been inserted by the Priestly editor to carry back the sanctity of the Temple site to the age of Abraham. But it is impossible that the Temple Mount at Jerusalem could have been the scene of the incident for various reasons.¹⁰

دوسری آیت میں اس واقعے کا منظر 'مودیاہ کی سرزمین میں' ایک پہاڑ بیان کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ الفاظ اور آیت نمبر ۱۴ کے مبہم سے الفاظ 'اُس پہاڑ' (یعنی ییکل والے پہاڑ) میں جہاں

اللہ تعالیٰ کو دیکھا گیا' (جہاں عبرانی متن میں صریحاً تحریف واقع ہوئی ہے)، پر یہ سبلی ایڈیٹر کی طرف سے اضافہ معلوم ہوتا ہے۔ جس سے اُس کی غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہیکل کے محل وقوع کا تقدس [حضرت] ابراہیم کے عہد سے جوڑا جائے، لیکن مختلف وجوہات کی بنا پر یہ بات نامکن نظر آتی ہے کہ یروشلم کے مقام پر واقع ہیکل کی پہاڑی وہی جگہ ہو جہاں یہ واقعہ رونما ہوا تھا۔

مندرجہ بالا معلومات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ پہاڑ کی اُس چوٹی کا نام، جس پر ہیکل سلیمانی تعمیر کیا گیا تھا اور نان یوسی کا کھلیان تھا، نہ کہ موریاہ۔ کتاب تواریخ کے مصنف نے دیدہ و دانستہ غلط طور پر ہیکل کے محل وقوع کو تقدس اور اہمیت دینے کے لیے اسے ہیکل کے ساتھ منسوب کر دیا ہے۔ ہیکل سلیمانی کے محل وقوع پر کسی 'موریاہ' کے موجود ہونے کا تصور مبنی حقائق کے قطعی طور پر خلاف ہے اور محض جعل سازی پر مبنی ہے۔ ایس آر ڈرائیور نے ہیسٹنگز بائبل ڈکشنری میں صاف لکھا ہے کہ موریاہ کے یروشلم پر واقع ہونے کا نظریہ صرف کتاب تواریخ کے مصنف کی اختراع ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ دعویٰ صریحاً ایک مشکوک نوعیت کا معاملہ ہے۔ وہ یروشلم کے 'موریاہ' کا مقام ہونے کے امکان کو اس حقیقت کی بنا پر رد کر دیتا ہے کہ یہ کسی دور دراز مقام سے نظر نہیں آسکتا، جبکہ بائبل کا بیان ہے کہ جب تیسرے دن [حضرت] ابراہیم نے اپنی نگاہ اٹھائی اور اس مقام کو بہت دور دیکھا۔ اس کے ملاحظات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

What was originally denoted by this designation is very obscure. It is indeed evident that in 2Ch 3:1 the Temple hill is referred to; but this does not settle the sense of the expression 'land of Moriah' in Gn 22:2: the Chronicler may, in common with the later Jews, have supposed that that was the scene of the sacrifice of Isaac, and borrowed the expression from Gn 22:2- perhaps to suggest that the spot was chosen already by 'J' in the patriarchal age. (...). It is remarkable that, though it is here implied that it is well known to Abraham, the region is not mentioned elsewhere in the OT. It is difficult, under the circumstances, not to doubt the originality of the text; (...); Gerizim, moreover, is an elevation which a traveler approaching from the S. might 'lift up his eyes' (22:4) and see conspicuously at a distance, which is not the case with Jerusalem. ۱۱

یہ نام ابتدا میں کس چیز کی طرف دلالت کرتا تھا، اس کا جواب بہت مبہم ہے۔ یہ بات تو یقینی

طور پر ظاہر ہے کہ ۲۔ توارخ ۳:۱ میں ہیکل کی پہاڑی کا حوالہ دیا گیا ہے، لیکن اس سے کتاب پیدائش ۲:۲۲ کے الفاظ ’سرزمین مودیہا‘ کا مفہوم متعین نہیں ہوتا۔ بعد کے یہودیوں کی طرح کتاب توارخ کے مصنف نے بھی یہ فرض کر لیا ہوگا کہ اس [حضرت] اسحاق کی قربانی کا منظر مراد ہے۔ اور اس نے یہ الفاظ کتاب پیدائش ۲:۲۲ کے الفاظ سے مستعار لیے ہوں گے۔ اس سے اس کی غرض شاید اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہو کہ یہ محل وقوع پہلے ہی سے بزرگ آبا کے دور سے اللہ تعالیٰ نے چن رکھا تھا۔ (...)۔ یہ امر قابل توجہ ہے کہ اگرچہ اس عبارت میں یہ بات مضر ہے کہ [حضرت] ابراہیم اس (جگہ) سے بخوبی آشنا تھے، [لیکن] عہد نامہ قدیم میں اس خطے کا کہیں کوئی ذکر نہیں۔ ان حالات کے تحت اس متن کی صداقت پر شک نہ کرنا بہت مشکل ہے۔ (...)۔ مزید برآں جریزیم ایک بلند جگہ ہے جسے جنوب کی طرف سے آنے والا مسافر، اپنی نگاہ اٹھائے (۴:۲۲) تو نمایاں طور سے ایک فاصلے پر دیکھ سکتا تھا، جبکہ یہ ظلم کے معاملے میں یہ صورت حال نہیں۔

یہ سنگوں کی نظر ثانی شدہ لغات بائبل میں ایل ریڈ اور اے ایچ میکینیل ’مودیہا‘ پر اپنے مقالے میں بیان کرتے ہیں کہ مودیہا کے ہیکل سلیمانی کے محل وقوع سے تعلق کی روایت کا کوئی ثبوت نہیں:

The Chronicler (2 Ch 3:1) leaves no doubt concerning the Jewish tradition that Mount Moriah was the Temple hill where Solomon built the house of the Lord in Jerusalem and the place of David's theophany. Efforts to identify the source of this tradition have been unsuccessful.¹²

کتاب توارخ کا مصنف (۲۔ توارخ ۱:۳) اس یہودی روایت کے بارے میں کوئی شک باقی نہیں چھوڑتا کہ مودیہا ہیکل کی وہ پہاڑی تھی جہاں سلیمان نے خداوند کا گھر تعمیر کیا تھا اور جہاں داؤد کو اللہ تعالیٰ کی تجلی نصیب ہوئی تھی۔ اس روایت کے ماخذ کی نشان دہی کی کوشش کامیاب نہیں ہو سکی۔

مائیکل ایوی یونا ’انسائیکلو پیڈیا یوڈایکا‘ میں بیان کرتا ہے کہ مودیہا کو یروشلم میں اور تان یبوسی کا کھلیان قرار دینا ایک دور کی کوڑی ہے اور اس کی غرض یہ ہے کہ ہیکل سلیمانی کی اہمیت اجاگر کی جائے:

The assumption that Abraham intended to sacrifice Isaac on the threshing floor of Jebus (Jerusalem), in full view of the Canaanite city, is farfetched; nor is the Temple Mount visible from afar, as it is hidden by the higher mountains around it. It seems more probable that the biblical story left the location of Moriah deliberately vague; the importance of the

sacrifice of Isaac in the series of covenants between God and Israel made it natural [to the later redactors of the Bible] that at an early time this supreme act of faith was located on the site destined to become the most holy sanctuary of Israel, the Temple of Solomon, just as the Samaritans transferred the act to their holy mountain, Mt. Gerizim. ۱۱

یہ مفروضہ کہ [حضرت] ابراہیمؑ کا ارادہ اسحاقؑ کو جیسوس (یروشلم) کے کھلیان پر قربان کرنا تھا، اس کھانی شہر کے پورے منظر کے پیش نظر، ایک دور کی کوڑی ہے۔ بیکل کی پہاڑی دور سے نظر نہیں آتی، کیونکہ اس کے ارد گرد جو اونچے اونچے پہاڑ ہیں، انھوں نے اسے چھپا رکھا ہے۔ یہ بات زیادہ قرین قیاس نظر آتی ہے کہ بائبل نے اس کہانی کے بیان میں موزیاء کے محل وقوع کو جان بوجھ کر مبہم رکھا ہے۔ خداوند اور بنی اسرائیل کے مابین متعدد معاہدوں کے تسلسل میں اسحاقؑ کی قربانی کی اہمیت کے پیش نظر [بائبل کے بعد کے مؤلفین کو] یہ بات فطری محسوس ہوئی کہ ایمان کا یہ انتہائی عظیم الشان عمل پرانے زمانے میں کسی ایسی جگہ رونما ہوا ہو جسے بعد میں بنی اسرائیل کا انتہائی مقدس حرم یعنی بیکل سلیمانی بننا تھا۔ یہ بالکل اسی طرح کی بات ہے، جس طرح سامریوں نے یہ عمل اپنے مقدس پہاڑ کو جریزیم کی طرف منتقل کر دیا تھا۔

انٹرنیشنل اسٹینڈرڈ بائبل انسائیکلو پیڈیا میں وضاحت ہے:

This land is mentioned only here [Gen. 22:2], and there is little to guide us in trying to identify it. A late writer (2 Chronicles 3:1) applies the name of Moriah to the mount on which Solomon's Temple was built, possibly associating it with the sacrifice of Isaac. A similar association with this mountain may have been in the mind of the writer of Genesis 22 (see 22:14), who, of course, wrote long after the events described (Driver). (...). The description could hardly apply to Jerusalem in any case, as it could not be seen 'afar off' by one approaching either from the South or the West. (...). With our present knowledge we must be content to leave the question open (W. Ewing). ۱۲

اس سرزمین کا صرف یہیں ذکر کیا گیا ہے [پیدائش ۲۲:۲] اور اس کے تعین کی کوششوں میں کوئی چیز ہماری رہنمائی نہیں کرتی۔ بعد کا ایک مصنف (۲-تواریخ ۳:۱) موزیاء کے نام کا اطلاق اُس پہاڑ پر کرتا ہے جس پر بیکل سلیمانی تعمیر کیا گیا تھا۔ ممکن یہ ہے کہ وہ اسے اسحاقؑ کی قربانی سے متعلق قرار دیتا ہے۔ امکان یہ ہے کہ کتاب پیدائش باب ۲۲ (دیکھیے ۱۳:۲۲) کے مصنف کے ذہن

میں بھی، جس نے بیان کر دہ یہ واقعات یقیناً طویل عرصے کے بعد لکھے، اس پہاڑ کے ساتھ اسی طرح کا تعلق موجود ہو (ڈرائیور)۔ (...)۔ بہر صورت اس بیان کا اطلاق یروٹلم پر مشکل ہی سے کیا جاسکتا تھا، کیونکہ اس کے متعلق جنوب یا مغرب کی طرف سے آنے والا کوئی ایسا شخص یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اُس نے اسے بہت دور سے دیکھا۔ (...)۔ اپنے موجودہ علم کی روشنی میں ہمیں اس سوال کو کھلا ہی چھوڑ دینے پر مطمئن ہو جانا چاہیے (ڈبلیو ای ونگ)۔

پوری بائبل میں صرف کتاب توارخ ہی ہے جو 'موریاہ' کو بیکل سلیمانی کا محل وقوع قرار دیتی ہے (۲۔ توارخ ۳: ۱)۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ کتاب توارخ کا یہی مؤلف جب پہلے حضرت داؤد علیہ السلام کی اور نان بیوی سے اس مقام کی خرید کا ذکر کرتا ہے (۱۔ توارخ ۲۱: ۱۵ تا ۲۸) تو اس مقام کے لیے جہاں بعد میں بیکل سلیمانی نے تعمیر ہونا تھا، 'موریاہ' کا نام نہیں لیتا۔ وہ اپنے پورے بیان میں متعدد مرتبہ اس مقام کے لیے محض 'اور نان' بیوی کا کھلیان کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اگر اس جگہ کا نام 'موریاہ' ہوتا تو وہ لازمی طور پر صراحت سے یہ نام استعمال کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قصے کے سلسلے میں کتاب توارخ کے مؤلف کا ماخذ ۲۔ سموئیل ہے۔ اور وہ یہ قصہ ۲۔ سموئیل ۱۶: ۲۴-۲۵ سے نقل کرتا ہے۔ وہاں بھی اس مقام کے لیے لفظ 'موریاہ' کا کسی جگہ بھی ذکر نہیں ہے، مندرجہ ذیل اقتباس سے بھی یہی ظاہر ہے:

اور جب فرشتہ نے اپنا ہاتھ بڑھایا کہ یروٹلم کو ہلاک کرے تو خداوند اس وبا سے طول ہوا اور اس فرشتہ سے جو لوگوں کو ہلاک کر رہا تھا کہا یہ بس ہے، اب اپنا ہاتھ روک لے۔ اس وقت خداوند کا فرشتہ بیوی اردناہ کے کھلیان کے پاس کھڑا تھا۔ اور داؤد نے جب اس فرشتہ کو جو لوگوں کو مار رہا تھا، دیکھا تو خداوند سے کہنے لگا، دیکھ گناہ تو میں نے کیا اور خطا مجھ سے ہوئی پر ان بھیڑیوں نے کیا کیا ہے؟ سو تیرا ہاتھ میرے اور میرے باپ کے گھرانے کے خلاف ہو۔

اسی دن جاد نے داؤد کے پاس آکر اس سے کہا، جا اور بیوی اردناہ کے کھلیان میں خداوند کے لیے ایک مذبح بنا۔ سو داؤد جاد کے کہنے کے موافق، جیسا خداوند کا حکم تھا، گیا۔ اور اردناہ نے نگاہ کی اور بادشاہ اور اس کے خادموں کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ سو اردناہ نکلا۔ اور اردناہ کہنے لگا میرا

مالک بادشاہ اپنے بندہ کے پاس کیوں آیا؟ داؤد نے کہا یہ کھلیہان تجھ سے خریدنے اور خداوند کے لیے ایک مذبح بنانے آیا ہوں تاکہ لوگوں میں سے وبا جاتی رہے۔ اردناہ نے داؤد سے کہا میرا مالک بادشاہ جو کچھ اسے اچھا معلوم ہو لے کر چڑھائے۔ دیکھ سو غنئی قربانی کے لیے تیل ہیں اور دایم چلانے کے اوزار اور بیلوں کا سامان ایندھن کے لیے ہیں۔ یہ سب کچھ اے بادشاہ اردناہ بادشاہ کی نذر کرتا ہے اور اردناہ نے بادشاہ سے کہا کہ خداوند تیرا خدا تجھ کو قبول فرمائے۔ تب بادشاہ نے اردناہ سے کہا نہیں، بلکہ میں ضرور قیمت دے کر اس کو تجھ سے خریدوں گا اور میں خداوند اپنے خدا کے حضور ایسی سو غنئی قربانیاں نہیں گذرانوں گا جن پر میرا کچھ خرچ نہ ہوا ہو۔ سو داؤد نے وہ کھلیہان اور وہ تیل چاندی کی کچاس مشتاق لیس دے کر خریدے۔ اور داؤد نے وہاں خداوند کے لیے مذبح بنایا اور سو غنئی قربانیاں اور سلامتی کی قربانیاں چڑھائیں اور خداوند نے اس ملک کے بارے میں دعائی اور وبا اسرائیل میں سے جاتی رہی۔^{۱۱}

بیکل کے خاکے کی تفصیلات، تفصیلی نقشے، پیمائشوں اور عمارت کی دیگر تفصیل اور تعمیر کا اسلوب اور اس کے مراحل کتاب تواریخ سے پہلے ۱-۶ ملوک ۸-۱ اور جوتی ایل ۴۰-۴۷ میں درج ہو چکے تھے۔ ان دونوں مقامات پر کسی جگہ بھی موریاہ کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ کتاب تواریخ کا مؤلف اس واقعہ کا عینی شاہد نہیں تھا، جیسا کہ کتاب ہذا کے آخر میں دیے گئے ضمیمہ ۲ ظاہر ہے، اس نے یہ تفصیلات تعمیر کے واقعے سے سات صدیاں گزر جانے کے بعد لکھی تھیں۔ اُس نے اس جگہ کا نام 'موریاہ' بیکل کے محل وقوع کو مقدس قرار دینے کے لیے رکھا تھا۔ اُس سے پہلے بھی کسی اور مصنف نے بیکل کے محل وقوع کے لیے 'موریاہ' کا لفظ استعمال نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد اگر کسی اور مصنف نے بیکل کے محل وقوع کے لیے 'موریاہ' کا نام استعمال کیا تو اس نے اسے 'کتاب تواریخ' ہی سے نقل کیا۔ بعد کے تمام نام نہاد کتب تواریخ کے خوش عقیدہ مصنفین، جنہوں نے اس قصے اور اس کے ماخذ کے کسی معروضی اور تنقیدی جائزے کے بغیر اسے بڑے شوق سے قبول کیا ہے، ان سب کا واحد ماخذ یہی کتاب تواریخ تھی، لیکن اسے 'تاریخ' نہیں کہا جاسکتا۔ من پسند خیالات اور تخیلاتی تخلیق کاری کسی ادبی شہ پارے کے مصنف کے اچھے اوصاف تو ہو سکتے ہیں، لیکن ایک سنجیدہ اور

حقیقی مؤرخ کے لیے صریحاً ایک عیب ہیں اور ان سے اس کی استنادی حیثیت لازماً مجروح قرار پائے گی۔

بعض مقامات پر بائبل ہیکل کا محل وقوع موریہ کے بجائے کوہ صیہون کو قرار دیتی ہے، لیکن یہ کوئی متفقہ رائے نہیں ہے۔

پوری بائبل میں واحد جگہ، جہاں ہیکل سلیمانی کو موریہ سے منسلک قرار دیا گیا ہے، وہ کتاب تواریخ (۲-تواریخ ۱:۳) ہے۔ اوپر اس بات کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ اس کی بنیاد کسی معروضی حقیقت یا تاریخی واقعات پر نہ تھی۔ یہ ایک 'دینیاتی اختراع' تھی اور اسے اس لیے گھڑا گیا تھا تاکہ 'خداوند کے گھر' کو مقدس اور اہم قرار دیا جاسکے۔^{۱۸}

توقع ہے کہ کتاب کے اس باب اور اس سے متعلقہ کتاب کے آخر میں دیے گئے ضمیمہ ۲ کا قاری یہ نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی دقت محسوس نہیں کرے گا کہ:

(الف) مصنف کتاب 'تواریخ' کا یہ بیان کہ ہیکل سلیمانی موریہ کے مقام پر تعمیر کیا گیا تھا، ایک صریح غلط بیانی ہے۔

(ب) کتاب 'تواریخ' کی استنادی و تاریخی حیثیت اور اس کا قابل اعتماد ہونا مشکوک ہے۔

یہ دعویٰ کہ موریہ ہیکل سلیمانی کا محل وقوع تھا، قطعی طور پر بے بنیاد، لائسن اور ٹکمانہ ہے۔

۲-تواریخ (۱:۳) میں موریہ کا ذکر کالعدم تصور کیا جانا چاہیے، کیونکہ یہ مصنف کتاب 'تواریخ' کی ایک بے بنیاد اختراع ہے۔

کیونکہ (مندرجہ بالا درجہ بندی کے مطابق) جن چار مقامات کے متعلق علمائے بائبل اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ وہ مقام ہیں جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اکلوتے بیٹے کو قربانی کے لیے پیش کیا تھا، وسیع دلائل کی بنیاد پر مسترد قرار پاتا ہے، اس لیے پوری بائبل (پیدائش ۲:۲۲) میں صرف ایک مقام باقی رہ جاتا ہے جس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاسکے کہ وہی حقیقی موریہ ہے

جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے (اکھوتے بیٹے) کو قربانی کے لیے پیش کیا تھا۔ اگلے باب میں اس سے متعلق تفصیلی مطالعہ پیش کیا جا رہا ہے۔



حواشی باب ششم

1. John L. McKenzie's *Dic. of the Bible* (London: Geoffrey Chapman, 1984), p. 586.
2. *The Interpreter's Dic. of the Bible*, 3:438-39.

مع کتاب مقدس، ۱۔ توارخ ۲۱:۲۱ تا ۲۸۔

اصل میں یہ قصہ ۲۔ سموئیل ۱۶:۲۲-۲۵ پر درج کیا گیا تھا جو کتاب توارخ کے مؤلف کا ماخذ ہے۔ اس کے بعض اقتباسات اسی باب میں آگے بیان کیے گئے ہیں تاکہ قاری تقابلی مطالعہ کر سکے۔ یہ بات توجہ طلب ہے کہ ۲۔ سموئیل نے اس جگہ کا متعدد مرتبہ حوالہ دیا ہے، لیکن اس نے کبھی اس کے لیے 'موریاہ' کا لفظ استعمال نہیں کیا۔

4. *The Works of Flavius Josephus*, Tr. William Whiston (Boston: D Lothrop & Co., na): Antiquities XIII: 4, pp. 203-4.
5. W. Gunther Plaut, *The Torah, A Modern Com.* (NY: Union of Am. Hebrew Congregations, 1981), p. 154 asserts:

Abraham and his followers rose "early in the morning" and "went unto" the place of which God had told him; (...); it is as if, while he traveled on, Abraham had looked neither to the right nor to the left, had suppressed any sign of life in his followers and himself save only their footfalls.

ابراہیم اور ان کے ساتھ کے لوگ 'صبح سویرے' اٹھے اور اس جگہ گئے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں بتائی تھی۔ (...). یوں لگتا ہے جیسے جب ابراہیم مسافت طے کر رہے تھے تو انہوں نے دائیں یا بائیں کسی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا اور سوائے قدموں کی چاپ کے اپنے اندر اور اپنے شرکاءے سفر کے اندر سے زندگی کی تمام علامات و بادی تھیں۔

6. Raymond E. Brown, *The New Jerome Biblical Com.* (Bangalore: TPI, India, 1994), P. 25:

This may be the halfway point of a seven-day journey ending in the arrival at the mountain.

یہ اس سات روزہ سفر کا نصف ہو سکتا ہے جو اس پہاڑ پر پہنچ کر ختم ہونا تھا۔

7. John Fawcett, *The Devotional Family Bible*, 1811, Vol. I, no paging, says:

and after that long journey (...) the place was far distant: Mount Moriah; (...).
He travels three successive days.

اور اس طویل سفر کے بعد وہ جگہ یعنی کوہ موریاہ، ابھی بہت دور دراز کا صلے پر تھی۔ وہ لگا تار تین دن تک سفر کرتا رہا تھا۔

8. T. C. Mitchell, *The Illustrated Bible Dic.* (Inter-Versity Press, nd), 2:1025.

9. تین دن کا تو کیا ذکر جس حقیقی سفر کے سرانجام دینے کا دعویٰ کیا جا رہا ہے، وہ ایک نکتے سے کم کا نہ تھا، جیسا کہ نیو جیروم تفسیر بائبل (صفحہ ۲۵) میں بیان کیا گیا ہے، جبکہ اگر منزل مقصود یروشلم تھی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذوق و شوق اور طے کیے جانے والے فاصلے کی کمی کے پیش نظر اس میں ایک دن سے زیادہ نہیں لگنے چاہئیں تھے۔

10. *Peake's Com. on the Bible*, 193.

11. *Hastings Dic. of the Bible* 3:437 s.v. 'Moriah' by S.R. Driver.

12. *Hastings Dic. of the Bible* (Rvd. by Frederick Grant & H. H. Rowley), pp. 674-75.

13. *Enc Judaica* (Second Edn.), Fred Scolnik (NY: Thomson Gale, 2007), 14:491 s.v. 'Moriah'.

14. *International Standard Bible Encyclopedia*, OR USA: Books For The Ages, AGES Software, Version 1.0 © 1997, 7:924-25.

15. مصنف کتاب تواریخ لکھتا ہے: 'سوداؤ نے اورٹان کو اس جگہ کے لیے چھ موشخاں سونا تول کر دیا' (۱-تواریخ ۲۱:۲۵)۔ جو صریحا مصنف کتاب تواریخ کی مبالغہ آرائی ہے اور یہ اس کے ہاں ایک عام بات ہے۔ دونوں بیانات میں اختلاف بھی قابل ملاحظہ ہے۔

16. کتاب مقدس، ۲-سموئیل ۲۴:۱۶-۲۵۔

یہاں دسنگو کی لغات بائبل (۹۸۳:۴) میں بیان کیا گیا ہے:

Throughout the OT there are passages which have no meaning, if Zion and the temple hill were two separate topographical features. Zion is the holy hill or mountain (Ps 26), the chosen habitation of Jahweh (Ps 91 142 762 847 13213, Is 818 6014, Jer 810, Zec 83). There He manifests Himself (Ps 147202 536 1285 1343, Am 12); and there He must be worshipped and praised (Ps 651.2, Jer 316). (...). In 1 Maccabees, written c. BC 100 by some one who was well acquainted with the localities, Zion is identified with the temple hill (437,38 534 733 etc), and so it

۱۸۔ یہاں یہ بات بڑی بر محل نظر آتی ہے کہ کتاب کی تاریخی اور استنادی حیثیت کا معروضی جائزہ لے لیا جائے۔ کتاب کے آخر میں ’کتاب تواریخ کی حیثیت‘ کے عنوان سے ضمیمہ ۲ میں اس پر گفتگو کی گئی ہے۔

موریاہ یا المروہ کا حقیقی محل وقوع

جہاں تک اس 'موریاہ' کا تعلق ہے جس کا عربوں کے نزدیک تلفظ 'المروہ' ہے تو اصلی موریاہ صرف یہی ہے (کتاب پیدائش ۲:۲۲)۔ یہی وہ حقیقی مقام ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا 'اکلوتا یٹنا' قربانی کے لیے پیش کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ بائبل کے علما کو اس بات کا علم ہی نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا اکلوتا یٹنا کس جگہ قربانی کے لیے پیش کرنے کو کہا گیا تھا۔

آئندہ سطور میں اس موضوع کی حقیقت دریافت کرنے کے لیے ایک معروضی اور بے لاگ تنقیدی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔

بائبل کے علمامور یاہ کے حقیقی محل وقوع سے بے خبر ہیں

ذیل میں بائبل کے چند مستند علما کے اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ بائبل کے یہ علما اس حقیقی جگہ کی نشان دہی سے قاصر ہیں جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے 'اکلوتے بیٹے' کو قربانی کے لیے پیش کیا تھا۔

۱۔ ڈبلیو کننگھم پلاٹ کا خیال ہے:

The original name is obscure and the actual location unknown.¹

اصل نام مبہم ہے اور اس کا حقیقی محل وقوع نامعلوم ہے۔

۲۔ ایل ریڈ اور اے ایچ مک میل (L. Reed and A. H. McNeile) 'مسیحنگو کی نظر ثانی شدہ

لغات بائبل' میں اپنے مضمون 'موریاہ' میں رقم طراز ہیں کہ ابراہیم کے عہد کے موریاہ کی نشان دہی کے لیے کوئی شہادت دستیاب نہیں:

Because the place of origin of the journey is not stated in Genesis, it is best to conclude that evidence is not available for locating Moriah of Abraham's time.²

کیونکہ کتاب پیدائش میں آغاز سفر کی جگہ بیان نہیں کی گئی، اس لیے یہ نتیجہ اخذ کرنا بہت مناسب ہے کہ ابراہیم کے زمانے کے موریاہ کے محل وقوع کی کوئی شہادت موجود نہیں۔

۳۔ 'دی نیو جیروسلیم بائبل' کا بھی یہی بیان ہے کہ موریاہ کا محل وقوع نامعلوم ہے:

But the text speaks of a 'land of Moriah', of which the name is otherwise unattested: the site of the sacrifice is unknown.³

لیکن متن ایک 'سرزمین موریاہ' (land of Moriah) کا ذکر کرتا ہے جس کے نام کی کسی اور

حوالے سے تصدیق نہیں ہوتی۔ قربانی کی یہ جگہ نامعلوم ہے۔

۴۔ 'اے نیو کمٹری آن ہولی سکرچر' کا بیان ہے:

The land of Moriah is an unknown locality.^۴

سرزمین موریہ ایک نامعلوم مقام ہے۔

۵۔ 'دی سیونٹھ ڈے ایڈونٹسٹ بائبل کمٹری' نے وضاحت کی ہے:

The name seems to have been rather uncommon.^۵

بلکہ یہ نام تو اجنبی اور انوکھا سا دکھائی دیتا ہے۔

۶۔ 'دی نیو آکسفورڈ ایونٹسٹ بائبل' کا دعویٰ ہے کہ یہ ایک نامعلوم مقام ہے:

The mountain in the land of Moriah is unknown.^۶

'سرزمین موریہ میں ایک پہاڑ' ایک نامعلوم مقام ہے۔

۷۔ ڈیوئی کی تفسیر دونوں مقامات کے تعین کے سلسلے میں بے یقینی کا اظہار کرتی ہے:

The land of Moriah] only mentioned again 2 Ch 3:1, 'Then Solomon began to build the house of the Lord at Jerusalem in Mount Moriah.' It is uncertain whether the two places are to be identified.^۷

سرزمین موریہ اس کا دوبارہ ذکر صرف ۲۔ تواریخ ۳:۱ میں ہے: 'تب سلیمان نے یہوشلم میں کوہ موریہ پر خداوند کے گھر کی تعمیر کا آغاز کیا'۔ یہ بات غیر یقینی ہے کہ آیا یہ دونوں مقامات ایک ہی ہیں۔

۸۔ 'دی نیو بائبل کمٹری' کا بیان ہے کہ ایسے کوئی زمینی شواہد موجود نہیں جن سے اس جگہ کا

متعین محل وقوع ثابت ہو سکے:

The land of Moriah (2). There is nothing in ancient topography to certify the exact location of this place, nor yet the mountain itself.^۸

سرزمین موریہ (۲) قدیم جغرافیائی خدوخال میں ایسی کوئی بات موجود نہیں جس سے اس جگہ کا متعین محل وقوع ثابت ہو سکے، نہ اب تک خود اس پہاڑی کا (محل وقوع معلوم ہے)۔

۹۔ 'وکلف کی تفسیر بائبل' کا بیان ہے:

The place of the sacrifice cannot be positively identified.^۹

قربانی کی جگہ کی مثبت طور پر نشان دہی ممکن نہیں۔

۱۰۔ 'انٹرپرائز ڈکشنری آف دی بائبل' میں بیان کیا گیا ہے:

The location is otherwise unspecified.^{۱۰}

بصورت دیگر اس کے محل وقوع کی نشان دہی ممکن نہیں۔

۱۱۔ 'ہارپرز بائبل ڈکشنری' نے بھی اس کے متعلق اسی طرح کے خیالات کا اظہار کیا ہے:

An unidentified site in rugged terrain three day's travel from Beersheba where Abraham was to sacrifice Isaac.^{۱۱}

سطح مرتفع میں ایک غیر متعین مقام، پیرسبع سے تین دن کی مسافت پر، جہاں ابراہام نے اسحاق کی قربانی دینا تھی۔

۱۲۔ ٹی کے چینی 'انسائیکلو پیڈیا ہیلیکا' میں رقم طراز ہے:

Great obscurity hangs about this name.^{۱۲}

اس نام کے بارے میں بہت زیادہ ابہام پایا جاتا ہے۔

۱۳۔ ریورنڈ بی داؤڈر، پروفیسر آف سکرپچر، ڈی پال یونیورسٹی، شکاگو اپنی 'اے نیو کیٹھولک کنٹری' میں بیان کرتے ہیں:

The land of Moriah' has never been identified.^{۱۳}

سرزمین موریہ کی کبھی نشان دہی نہیں کی جا سکی۔

۱۴۔ میخائیل ایوی یونانے بھی 'انسائیکلو پیڈیا جودائیکا' میں انہیں خیالات کا اظہار کیا ہے:

MORIAH, an unidentified locality mentioned in the Bible.^{۱۴}

موریہ، بائبل میں مذکورہ ایک غیر متعین مقام۔

۱۵۔ 'دی انسائیکلو پیڈیا آف جودائزم' نے بھی اسی طرح کے ملاحظات پیش کیے ہیں:

Moriah, a place, originally unidentified, to which God sent Abraham^{۱۵}

موریہ: ایک مقام، اصلاً غیر متعین، جہاں خداوند نے ابراہام کو بھیجا تھا۔

۱۶۔ 'جیرود' کی تفسیر بائبل کا خیال ہے:

The 'district of Moriah' is unknown.^{۱۶}

‘موریہا کا ضلع’ نامعلوم ہے۔

۷۔ پیٹر آرا یکر ایڈ اور سمویل ڈیوڈسن (Peter R. Ackroyd, Samuel Davidson) پروفیسر آف اوئی اسٹڈیز، کننگز کالج، لنڈن یونیورسٹی اپنے مقالے ‘دی اوئی ان دی میکنگ’ (The Making of OT) میں لکھتا ہے:

So we have sanctuary legends (...) and a high place at Jebus (Jerusalem, 2 Sam. 24) subsequently rightly or wrongly identified with the site of the Jerusalem temple (1 Chrn. 21-22:1).

اس طرح ہمارے پاس اس حرم کے متعلق افسانے ہیں۔ (...) اور جبوس (یروشلم) کے مقام پر ایک بلند مقام جو بعد میں صحیح یا غلط طور پر یروشلم کے محل وقوع کی نشان دہی کا آئینہ دار بنا۔ اس نے یہاں ایک ذیلی حاشیہ درج کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

The identification must remain uncertain, and indeed suspect, since the Chronicler also identifies the same site with Moriah (2 Chron. 3:1, cf. Gen. 22).^{۱۷}

اس کی نشان دہی لازماً غیر یقینی رہے گی، بلکہ حقیقت میں مشکوک، کیونکہ کتاب تواریخ کا مؤلف اسی مقام کو موریہا بھی قرار دیتا ہے۔

۱۸۔ یہی مصنف مزید بیان کرتا ہے:

What is clear, however, is that the Chronicler sees this narrative in 1 Chron. 21 as providing an appropriate introduction to his account of how David prepared for the building of the Temple by Solomon (1 Chron. 22:2-19; 28:29-9). The intervening section, chs. 23-7, may well be a later insertion, but it too illuminates the ideas concerning David's organising of the worship of the Temple). Whereas the 2 Sam. narrative makes no link with the building of the Solomonic Temple--and this strongly suggests that the narrative originally had to do with another sacred place--the Chronicler identifies the site precisely (22:1), explains why David could not go to Gibeon where the Tabernacle was (21:29-30), and subsequently also identifies this site explicitly with the Mount Moriah of Gen. 22 (2 Chron. 3:1), an even more improbable identification.^{۱۸}

تاہم جو بات واضح ہے، وہ یہ ہے کہ کتاب تواریخ کا مؤلف اپنے اس ‘تواریخ’ والے

بیان کو اس انداز میں دیکھتا ہے کہ یہ اس امر کا موزوں تعارف ہے کہ داؤدؑ نے سلیمانؑ سے بیکل تعمیر کرائے جانے کے لیے کیا کیا تیاری کی۔ (۱۔ توارخ ۲۲: ۱۹۲۲: باب ۲۸ تا باب ۲۹: ۹۔ درمیانی فصل، ابواب ۲۳ تا ۲۷ بعد کا اضافہ لگتا ہے، لیکن اس سے بھی اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ داؤدؑ نے بیکل کی عبادت کو منظم کیا، جبکہ ۲۔ سموئیل کے بیان سے بیکل سلیمانی کی تعمیر کے ساتھ اس کا کوئی رشتہ قائم نہیں ہوتا۔ اور اس سے مضبوط اشارہ ملتا ہے کہ یہ بیان ابتداءً کسی اور مقدس مقام سے تعلق رکھتا تھا۔ کتاب توارخ کا مؤلف اس مقام کی معین طور پر نشان دہی کرتا ہے (۱: ۲۲)، وہ اس بات کی بھی وضاحت کرتا ہے کہ داؤدؑ جو ^{۱۱}جہاں خیمہ عبادت تھا، نہیں جاسکا (۳۰: ۲۹: ۲۱)، نتیجہً وہ اس مقام کو واضح طور پر کتاب پیدائش باب ۲۲ (۲۔ توارخ ۱: ۳) والا کوہ موریاہ ہی قرار دیتا ہے۔ یہ اور بھی زیادہ ناممکن نشان دہی ہے۔

۱۹۔ 'انٹرنیشنل اسٹینڈرڈ بائبل انسائیکلو پیڈیا' نے بھی اس موضوع پر بات کی ہے۔ یہ اس کے محل وقوع کی ان الفاظ میں وضاحت کرتا ہے:

This land is mentioned only here Gen 22:2, and there is little to guide us in trying to identify it. A late writer (2 Chronicles 3:1) applies the name of Moriah to the mount on which Solomon's Temple was built, possibly associating it with the sacrifice of Isaac. A similar association with this mountain may have been in the mind of the writer of Genesis 22 (see 22:14), who, of course, wrote long after the events described (Driver). (...). The description could hardly apply to Jerusalem in any case, as it could not be seen "afar off" by one approaching either from the South or the West. (...) With our present knowledge we must be content to leave the question open. W. Ewing.²⁰

اس سرزمین کا صرف یہی ذکر کیا گیا ہے اور ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس کے ذریعے سے ہم اس کی شناخت کرنے کی کوشش کر سکیں۔ بعد کے ایک مصنف (۲۔ توارخ ۱: ۳) نے، غالباً اسے حضرت اسحاق کی قربانی سے جوڑتے ہوئے، موریاہ کے نام کا اس پہاڑ پر اطلاق کیا ہے جس پر بیکل سلیمانی تعمیر کیا گیا تھا۔ اس پہاڑ کے ساتھ اسی طرح کا ایک تعلق کتاب پیدائش (۱۳: ۲۲) کے مصنف کے ذہن میں بھی ہو سکتا ہے جس نے بلاشبہ یہ واقعات بہت بعد میں بیان کیے ہیں (ڈرائیور)۔ (...) اس بیان کا یروشلیم پر اطلاق کسی بھی حالت میں بہت مشکل ہی سے کیا جاسکتا

ہے، کیونکہ اسے جنوب یا مغرب کی طرف سے پہنچنے والا کوئی شخص بہت دور سے بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔
(...) اپنی زمانہ حال کی معلومات کی موجودگی میں ہمیں اسی بات پر اکتفا کر لینا چاہیے کہ اس سوال کو کھلا [بے جواب] ہی چھوڑ دیں (ڈبلیو ای ونگ)۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک موضوع پر اتنے زیادہ مستند حوالے پیش کرنا ایک غیر دلچسپ عمل ہے، لیکن یہ ایک ناگزیر ضرورت تھی تاکہ یہ ظاہر ہو کہ جو بات پیش کی گئی ہے، وہ کوئی انوکھی یا اقلیت کی رائے پر مبنی نہیں۔ چنانچہ تقریباً ہر مکتب فکر کے علما کے حوالے سے وسیع شہادت پیش کر دی گئی ہے۔ یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ جو لوگ اس بات کے قائل نہیں کہ سوریاہ کا محل وقوع نامعلوم ہے، وہ بھی اس کے متعلق ابہام اور تشکیک کا شکار ہیں اور اس کے لیے مختلف مقامات تجویز کرتے ہیں۔ بائبل کے غیر متعصب اور صاحب تحقیق علما کی اکثریت کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بائبل کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنا اکلوتا بیٹا قربانی کے لیے پیش کرنے کی جگہ کی متعین اور یقینی طور پر نشان دہی نہیں کی جاسکتی۔

بائبل سے متعلق تاریخ کے تحریری مواد میں قربانی کے مقام کی نشان دہی میں ناکام ہونے کے بعد، اس بات کی ضرورت ہے کہ اسے متعلقہ اقوام اور موضوعات سے متعلق زمینی حقائق یا متواتر روایات، یادگاروں، تقریبات، تہواروں، مراسم عبادت، مقامات، عمارات وغیرہ کی چھان بین کر کے تلاش کیا جائے۔

حواشی باب ہفتم

1. W. Gunther Plaut, *The Torah, A Modern Commentary*, 146.
2. *Hastings Dic. of the Bible* (Revised by Frederick Grant & H. H. Rowley), 674-75.
3. Henry Wansbrough, *The New Jerusalem Bible* (London: Darton, Longman & Todd Ltd., 1993), 41.
4. Charles Gore, Goudge, A Guillaume, *A New Com. on H. Scripture*, (London: Society for Promoting Christian knowledge, 1928), 53.
5. *7th Day Adventist BCom.*, (Hagerstown: Review & Herald Publ. Association, 1978), 1, 349.
6. *The New Oxford Annotated Bible*, (NY: Oxf. Univ. Press, 1989), Footnote on p. 27.
7. J. R. Dummelow, CHB, (NY: The Macmillan Co, 1956), 30.
8. *New Bible Com.*, Ed F. Davidson (Michigan: W M B. Eerdmans Publishing Co, Grand Rapids, 1953), 94.
9. *The Wycliffe Bible Com.*, Charles F. Pfeiffer (Chicago: Moody Press, 1983), 27.
10. *Interpreter's Dic of the Bible*, 3:438.
11. *Harper's Bible Dic*, 654.
12. *Enc. Biblica*, 3:3200.
13. *A New Catholic Commentary on Holy Scripture*, revised and updated 1975, Ed. Rev Reginald, C. Fuller, (Hong Kong: Thomas Nelson Ltd, 1981), 195.
14. *Enc. Judaica* (Second Edn.), Fred Scolnik (NY: Thomson Gale, 2007), 14:491 s.v. 'Moriah'.
15. *The Judaic CD ROM Reference Library Vol. I. Contents. The Enc. of Judaism* Copyright 1989-G. G. the Jerusalem Publishing House, 1993, DAVKA Corporation and the Institute for Computers in Jewish Life, s.v. 'Moriah'.
16. *The Jerome Biblical Com.*, ed. R. E. Brown, etc (Bangalore: TPI, 1987), 23.
17. *The Cambridge History of the Bible*, ed. P. R. Ackroyd, (Cambridge: at the University Press, 1970), 1:69.
18. *The Cambridge History of the Bible*, ed. P. R. Ackroyd (Cambridge: at the University Press, 1970), 1:89.
19. جیو، حضرت داؤد کی فلسطین پر فتح کا مقام ہے۔ بیکل کی تعمیر سے پہلے خیرہ اجتماع اور کانسی کا چبوترہ وہاں نصب تھا۔
20. *International Standard Bible Encyclopedia*, 1997, 7:924

باب ہشتم

’موریاہ‘ کے حقیقی محل وقوع کے تعین کے سلسلے میں

چند سوالات اور ان کے جوابات

ذیل میں پہلے چند ایسے سوالات درج کیے جاتے ہیں جو ’موریاہ‘ کا حقیقی محل وقوع دریافت کرنے کے سلسلے میں مددگار ثابت ہو سکیں:

- ۱۔ کیا ابراہیمؑ کا کوئی ایسا بیٹا تھا جس کے متعلق یہ دھوئی کیا جاسکے کہ وہ اس عمر کو پہنچنے تک، جو تاریخی مواد کے اعتبار سے قربانی کے لیے پیش کیے جانے سے مناسبت رکھتی ہو، اس کا ’اکلوتا جینا‘ کہلا سکے؟
- ۲۔ کیا وہ ’اکلوتا جینا‘ مستقل طور پر اپنے باپ حضرت ابراہیمؑ کے پاس رہتا تھا یا وہ کسی اور جگہ مستقل سکونت کے لیے منتقل ہو چکا تھا؟ اس مقام کا نام اور محل وقوع کیا تھا؟
- ۳۔ کیا اس اکلوتا جینے کی نسل کے اس نئے مقام سکونت [فاران ابرہہ] پر عرصہ دراز سے سکونت اختیار کرنے کے کوئی شواہد موجود ہیں؟
- ۴۔ کیا اس اکلوتا جینے کے اس جگہ اپنے باپ حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں قربانی کے لیے پیش کیے جانے کی کوئی روایت موجود ہے؟
- ۵۔ کیا حضرت ابراہیمؑ کے اپنے ’اکلوتا جینے‘ کو قربانی کے لیے پیش کرنے کی یہ روایت موریاہ کے اس علاقے میں کسی پہاڑ سے منسلک ہے؟
- ۶۔ کیا بائبل میں مذکور اس کوہ موریاہ کے قریب قربانی کے عمل سے متعلق کوئی واقعی آثار موجود ہیں؟

- ۷۔ کیا اس موریہ کے مقام پر حضرت اسماعیل علیہ السلام، ان کی والدہ ہاجرہ اور ان کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی موجودگی کے کوئی ٹھوس، عملی اور مادی شواہد موجود ہیں؟
- ۸۔ کیا وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے اکلوتے بیٹے کو قربانی کے لیے پیش کرنے کے اس عظیم واقعے کی یاد منانے کے لیے قدیم زمانے سے کوئی تقریبات یا رسوم منائی جاتی رہی ہیں اور کیا یہ تقریبات اس موریہ کے ارد گرد کچھ مقامات سے منسلک ہیں؟
- ۹۔ کیا عربوں میں کچھ اور ایسے رسم و رواج یا روایات بھی پائی جاتی ہیں جن سے ان کا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے رشتہ ثابت ہوتا ہو؟
- ۱۰۔ کیا اس 'مردہ' کے قرب و جوار میں کوئی ایسی مقدس عمارت یا جگہ بھی موجود رہی ہے جس کی تعمیر بزرگ آبا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے منسوب ہو؟
- ۱۱۔ کیا کوئی ایسے نشانات بھی موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اکابر کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کی تھی؟
- ۱۲۔ کیا کوئی ایسے شواہد بھی پائے جاتے ہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام یا ان کی نسل کے لوگ حضرت اسحاق علیہ السلام کے قربانی کے لیے پیش کیے جانے کی یاد منانے کی غرض سے کسی 'مردہ' کے مقام پر قربانی پیش کرنے کے لیے جایا کرتے تھے؟
- ۱۳۔ جس طرح بائبل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، ان کی زوجہ حضرت سارہ اور ان کے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کے بارے میں بیان ہے کہ ان کا کہاں انتقال ہوا تھا، اور انھیں کس جگہ دفن کیا گیا تھا۔ کیا اسی طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کے بارے میں بھی ان تفصیلات کا کوئی ذکر ہے؟ اگر ہے تو کس جگہ ہے اور اگر نہیں ہے تو اس کی کیا وجہ ہے؟
- ۱۴۔ کیا عربوں میں، جو تاریخی اعتبار سے مسلمہ طور پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل ہیں، ایسی کوئی مسلمہ روایت موجود ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ہاجرہ کو کہاں دفن کیا گیا تھا؟
- ۱۵۔ بائبل کے مؤلفین نے یہ ابہام کیوں پیدا کیا؟

ان سوالوں کے جواب

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے کہ کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کوئی ایسا بیٹا تھا جس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاسکے کہ وہ اس عمر کو پہنچنے تک، جو تاریخی مواد کے اعتبار سے قربانی کے لیے پیش کیے جانے سے مناسبت رکھتی ہو، اس کا اکلوتا بیٹا کہلا سکے؟ تو اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے ہوئے بیٹے تھے اور قریباً چودہ سال کی عمر تک ان کے اکلوتے بیٹے بھی رہے۔ تیرہ سال کی عمر ان کے قربانی کے لیے پیش کیے جانے کے سلسلے میں حالات و واقعات کے لحاظ سے پوری طرح ہم آہنگ ہے اور تمام مناسبتوں سے مطابقت رکھتی ہے۔

جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے کہ کیا وہ ”اکلوتا بیٹا“ مستقل طور پر اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس رہتا تھا یا وہ کسی اور جگہ مستقل سکونت کے لیے منتقل ہو چکا تھا؟ اس مقام کا نام اور محل وقوع کیا تھا؟ تو اس سلسلے میں گزارش ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ان کی والدہ ہاجرہ سمیت ان کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سرزمین موریہ میں بیرسج (سات کے کنوئیں) کے نزدیک فاران کے بیابان میں منتقل کر دیا تھا اور وہ وہاں مستقل طور پر آباد ہو گئے تھے۔ خود حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی سارہ کے ساتھ جنوبی کنعان میں حبرون اور بیرسج (عہد یا قسم کے کنوئیں) میں آباد ہو گئے تھے۔ ضمیرہ میں بیرسج پر ایک مفصل مقالہ شامل کتاب ہے۔ فاران کے بیابان پر بھی کتاب ہذا کے مصنف نے کسی اور مقام پر مفصل روشنی ڈالی ہے، جو ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔ جہاں تک ’موریہ‘ کا تعلق ہے تو وہ اسی کتاب کے ابواب ۵، ۶، ۷ اور ۸ میں بیان ہو چکا ہے۔

جہاں تک تیسرے سوال کا تعلق ہے کہ کیا اس اکلوتے بیٹے کی نسل کے اس نئے مقام سکونت [فاران / بیرسج] پر عرصہ دراز سے سکونت اختیار کرنے کے کوئی شواہد موجود ہیں؟، تو صورت حال

یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل مکہ اور عرب کے دیگر مقامات پر قدیم زمانے سے آباد رہی ہے اور آج بھی وہاں مقیم ہے۔ بائبل کا دعویٰ ہے کہ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فاران کے بیابان اور میرسبع کے مقام پر آباد کیا تھا۔ بائبل کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ یہ دونوں مقامات صحراے سینا میں واقع ہیں، لیکن بائبل ہی کے بیان کے مطابق صحراے سینا میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل کی کسی شاخ کے نشانات موجود نہیں۔ یہ بات کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سرزمین عرب میں مکہ کے ارد گرد زمانہ قدیم سے آباد چلی آ رہی ہے، اس کتاب کے اگلے باب میں تفصیل سے بیان کر دی گئی ہے۔

جہاں تک چوتھے سوال کا تعلق ہے کہ 'کیا اس اکلوتے بیٹے کے اس جگہ اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں قربانی کے لیے پیش کیے جانے کی کوئی روایت موجود ہے؟' تو یہ ایک زمینی اور واقعاتی حقیقت ہے کہ لاکھوں حجاج کرام ذوالحجہ کے قمری مہینے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربانی کے لیے پیش کرنے کی یادگار کے طور پر مکہ کی طرف سفر کرتے ہیں۔ انھی ایام میں کروڑوں لوگ یہی قربانی اپنے گھروں پر سرانجام دیتے ہیں۔ یہ رسم و روایت آغاز اسلام سے بھی صدیوں پہلے سے موجود چلی آ رہی ہے۔ روئے زمین پر کسی جگہ بھی حضرت اسحاق علیہ السلام کے اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے قربانی کے لیے پیش کیے جانے کی یادگار میں کبھی کوئی تہوار یا رسم و رواج منائے جانے کا کوئی ذکر موجود نہیں۔

جو دنبہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیے کے طور پر پیش کیا گیا تھا، اس کے سینک اس وقت تک خانہ کعبہ میں موجود و محفوظ رہے جب ۶۳ ہجری (۶۸۳ء) میں عبداللہ ابن زبیر نے اس کی دوبارہ تعمیر کرائی تھی۔ 'انسائیکلو پیڈیا آف اسلام' میں درج ہے:

The two horns of Abraham's ram did not crumble to dust until the rebuilding of the Ka'bah by 'Abd Allah b. al-Zubayr.³

ابراہیم کے اس دنبے کے دو سینک عبداللہ ابن زبیر کی خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر تک مٹی میں مل کر

مٹی نہ ہوئے تھے۔

بائیلی اور اسلامی روایات میں درج ہے کہ جس بیٹے کو قربان کیا جانا تھا، اُسے فدیے میں ایک دنبہ دے کر چھڑا لیا گیا تھا۔ ایک نام در مسلمان صاحب علم اور مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی بے مثال تفسیر ”تدبر قرآن“ میں قرآنی آیت (وَقَدْ يَنْبَغُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ الصُّفَّت ۳۷: ۱۰۷) کی تشریح کرتے ہوئے بیان کیا ہے:

فرمایا کہ ہم نے اسماعیل کو ایک ذبح عظیم کے عوض چھڑا لیا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہم نے ابراہیم کو یہ ہدایت فرمائی کہ اس بیٹے کی جگہ ایک مینڈھے کی قربانی کر دیں اور یہ قربانی ایک عظیم قربانی کی شکل میں ہمیشہ ہمیش آئندہ نسلوں میں اس واقعہ کی یادگار کی حیثیت سے باقی رہے گی۔ یہی قربانی ہے جو مناسک حج میں شامل ہو کر حضرت ابراہیم کے وقت سے آج تک برابر چلی آ رہی ہے اور قیام قیامت تک باقی رہے گی۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ قربانی اگرچہ تمام ادیان میں حضرت آدمؑ کے وقت سے چلی آ رہی ہے لیکن دنیا میں کسی قربانی نے یہ عظمت و اہمیت اور یہ وسعت و ہمہ گیری نہیں حاصل کی جو حضرت ابراہیمؑ کی اس قربانی نے حاصل کی تھی۔

بائبل میں یہ واقعہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

اور ابراہام نے ہاتھ بڑھا کر چھری لی کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرے۔ تب خداوند کے فرشتے نے اُسے آسمان سے پکارا کہ اے ابراہام، اے ابراہام! اُس نے کہا میں حاضر ہوں۔ پھر اُس نے کہا کہ تو اپنا ہاتھ لڑکے پر نہ چلا اور نہ اُس سے کچھ کر کیونکہ میں اب جان گیا کہ تو خدا سے ڈرتا ہے اس لیے کہ تو نے اپنے بیٹے کو بھی جو تیرا اکلوتا ہے مجھ سے دریغ نہ کیا۔ اور ابراہام نے نگاہ کی اور اپنے پیچھے ایک مینڈھا دیکھا جس کے سینک جھاڑی میں انکے تھے۔ تب ابراہام نے جا کر اُس مینڈھے کو پکڑا اور اپنے بیٹے کے بدلے سوختی قربانی کے طور پر چڑھایا۔ اور ابراہام نے اُس مقام کا نام ”سبواہیری“ رکھا چنانچہ آج تک یہ کہات ہیں کہ خداوند کے پہاڑ پر مہیا کیا جائے گا۔ اور خداوند کے فرشتے نے آسمان سے دوبارہ ابراہام کو پکارا اور کہا کہ خداوند فرماتا ہے چونکہ تو نے یہ کام کیا کہ اپنے بیٹے کو بھی جو تیرا اکلوتا ہے دریغ نہ رکھا اس لیے میں نے بھی اپنی ذات کی قسم کھائی ہے کہ میں تجھے برکت پر برکت دوں گا اور تیری نسل کو بڑھاتے بڑھاتے آسمان کے تاروں اور سمندر کے کنارے کی ریت کی مانند کر دوں گا

اور تیری اولاد اپنے دشمنوں کے پھانک کی مالک ہوگی اور تیری نسل کے وسیلہ سے زمین کی سب قومیں برکت پائیں گی، کیونکہ تو نے میری بات مانی۔^۵

جہاں تک پانچویں سوال کا تعلق ہے کہ 'کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے اکلوتے بیٹے کو قربانی کے لیے پیش کرنے کی یہ روایت موریاہ کے اس علاقے میں کسی پہاڑ سے منسلک ہے؟' تو یہ صرف سرزمین موریاہ کے پہاڑی علاقے میں مکہ ہی کا مقام ہے جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربانی کے لیے پیش کرنے کی روایت منسلک ہے۔ 'موریاہ' کے لیے عربی زبان میں 'مردہ' کا لفظ آتا ہے۔ عبرانی 'سین' موریاہ پانچ حروف سے مل کر بنا ہے، جبکہ عربی زبان کا 'مردہ' چار حروف سے مل کر بنتا ہے۔ پہلے اور آخری حروف، یعنی 'م' اور 'ہ' دونوں لفظوں میں مشترک ہیں۔ درمیانی حروف 'ر' اور 'و' عبرانی زبان میں ہم شکل حروف ہیں۔ عبرانی حروف ابجد میں انھیں دیکھ کر اس کا آسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کاتب حضرات سے عام طور پر لکھتے وقت ان کو آپس میں ایک دوسرے سے بدل دینے کی غلطی ہو جایا کرتی تھی۔ جہاں تک حرف 'ی' کا تعلق ہے، یہ عبرانی حروف ابجد میں ایک بہت چھوٹا سا حرف ہے اور کسی کاتب کی معمولی سی بے احتیاطی یا غلط فہمی کی وجہ سے حذف بھی ہو سکتا ہے اور بڑھایا بھی جاسکتا ہے۔ اس بات کا غالب امکان ہے کہ بائبل میں بھی اصل لفظ 'مردہ' تھا جو کسی کاتب کی غلطی سے 'موریاہ' درج ہو گیا، کیونکہ موریاہ / مردہ کوئی ایسا لفظ نہ تھا جو بائبل اذب میں بار بار آیا ہو۔ ایک اور امکان یہ بھی ہے کہ 'موریاہ' اور 'مردہ' کا اختلاف تلفظ عبرانی زبان اور عربی زبان میں جغرافیائی حالات کی تبدیلی کے باعث رونما ہونے والے اختلاف تلفظ کی وجہ سے ہو۔ اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں جن سے ایک باشعور قاری بے خبر نہیں ہو سکتا۔

جہاں تک چھٹے سوال کا تعلق ہے کہ 'کیا بائبل کے اس کوہ موریاہ (اہل عرب کا مردہ) کے نزدیک قربانی کے عمل سے متعلق کوئی واقعی آثار موجود ہیں؟' تو اس سلسلے میں یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ جو ذنبہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ قربانی کے لیے پیش کیا گیا تھا، اس کے سنگ کعبہ

میں محفوظ تھے اور وہ ۶۳ھ (۶۸۳ء) تک وہاں موجود رہے۔ 'انسائیکلو پیڈیا آف اسلام' میں ونسک اور جومیسر (Wensinck and Jomier) اپنے مقالے 'کعبہ' میں رقم طراز ہیں کہ اگست ۶۲۹ء میں فتح مکہ کے موقع پر:

All the pagan trappings which had adhered to the Ka'ba were now thrust aside. (...). The two horns of Abraham's ram did not crumble to dust until the rebuilding of the Ka'ba by 'Abd Allah b. Zubayr.²

وہ تمام مشرکانہ اشیاء جو خانہ کعبہ میں آویزاں تھیں، اکھاڑ پھینگی گئیں۔ (...)۔ ابراہیمؑ کے دو بے کے دو سینک [حضرت] عبداللہ ابن زبیر کی خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر تک پیوند خاک نہ ہوئے تھے۔

جہاں تک ساتویں سوال کا تعلق ہے کہ کیا اس مور یاہ کے مقام پر حضرت اسماعیل علیہ السلام، ان کی والدہ ہاجرہ اور ان کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی موجودگی کے کوئی ٹھوس، عملی اور مادی شواہد موجود ہیں؟ تو اس طرح کی بہت سی شہادتیں موجود ہیں، مثلاً حجر اسود، معین، مقام ابراہیم، چارون زم، اور حطیم میں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبریں، یہ سب چیزیں کعبہ کے قرب و جوار میں واقع ہیں۔

حجر اسود، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اسے بزرگ آبا (حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام) نے کعبہ کے کونے میں نصب کیا تھا۔ اس کے متعلق 'انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجین' (Encyclopedia of Religion) کا بیان ہے:

The Black stone is of unknown pre-Islamic origin, possibly meteoric.³

حجر اسود اسلام سے پہلے کے زمانے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی اصل حقیقت معلوم نہیں۔ غالباً یہ کسی شہابیہ کا ٹکڑا ہے۔

معین کعبہ کے بالکل قریب واقع ہے۔ اے بے ونسک نے اس کے متعلق مندرجہ ذیل تفصیل بیان کی ہے:

(...) a depression in it [the Ka'bah] just opposite the door has still to be mentioned; it is called al-mi'djan "the trough"; according to legend, Ibrahim and Isma'il here mixed the mortar used in building the Ka'bah.²

دروازے کے عین مقابل اس [کعبہ] میں ایک نشیب [ہے] جس کا ذکر ابھی باقی ہے۔ اسے المبحین یا 'نانہ' بھی کہتے ہیں۔ روایت کے مطابق اس جگہ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کعبے کی تعمیر میں استعمال ہونے والا گارا اور مسالہ ملا کرتے تھے۔

مقام ابراہیمؑ کے متعلق 'انسائیکلو پیڈیا آف ریجنین' کا بیان ہے:

Near the Ka'bah stands a gilded glass case (replacing an earlier simple wooden framework) that contains a stone marking the station of Ibrahim (Abraham). This stone is said to have miraculously preserved the footprint of Ibrahim, Who stood on it in order to complete the construction of an earlier Ka'bah: it is, as it were, the builders mark.¹⁰

کعبے کے قریب شیشے کا ایک نرّضِع دُظْطَا چوکھٹا ہے (پہلے اس کی جگہ لکڑی کا ایک سادہ سا فریم ہوتا تھا)۔ اس کے اندر ایک پتھر ہے جس پر ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کے نشانات ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس پتھر پر معجزانہ طریق سے ابراہیمؑ کے قدموں کے نشانات ثبت ہو گئے جو پہلے والے کعبے کی تعمیر کی تکمیل کے لیے اس پتھر پر کھڑے ہوا کرتے تھے۔ اس طرح لگتا ہے جیسے یہ معمار کا نشان ہو۔

اے جے ڈسنک نے مقام ابراہیمؑ کی تشریح اس طرح بیان کی ہے:

Between this archway [al-Hatim] and the facade (N.E.) is a little building with a small dome, the makam Ibrahim. In it is kept a stone bearing the prints of two human feet. The patriarch Ibrahim, father of Isma'il, is said to have stood on his feet when building the Ka'bah and the marks of his feet were miraculously preserved.¹¹

اس قوس نما راستے [الحطیم] اور [شمال مشرقی سمت] خالی میدان کی طرف والے حصے کے درمیان ایک مختصر سے گنبد والی ایک چھوٹی سی عمارت مقام ابراہیمؑ ہے۔ اس میں ایک پتھر رکھا ہے جس پر انسانی قدموں کے دو نشان موجود ہیں۔ اسماعیلؑ کے والد ابراہیمؑ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ کعبہ تعمیر کرتے وقت اس پر پاؤں رکھ کر کھڑے ہوتے تھے۔ اور ان کے پیروں کے نشانات اس پر معجزانہ طریق سے نقش ہو گئے تھے۔

زمزم کا کنواں خانہ کعبہ کے بالکل قریب ہی واقع ہے۔ 'انسائیکلو پیڈیا آف ریجنین' اگرچہ اسے ایک خرافات ہی قرار دیتا ہے، لیکن مندرجہ ذیل الفاظ میں اس کی وضاحت بھی کرتا ہے:

Opposite the corner of the Black Stone is a small building housing the sacred well of Zamzam, from which pilgrims drink water at the conclusion of their circumambulations and prayers. Its origin is mythically associated with Hajar (Hagar) and Ismail (Ishmael), for whom God provided water in this desert place after commanding Ibrahim to abandon mother and child and promising to care for them in his place. ۱۲

حجر اسود والے کونے کے بالمقابل ایک چھوٹی سی عمارت ہے، جس میں 'زم زم' کا مقدس کنواں واقع ہے، جس سے حاجی اپنا طواف اور دعائیں مکمل کرنے کے بعد، پانی پیتے ہیں۔ اس کی اصل بنیاد کو انسانی انداز میں ہاجرہ اور اسماعیل کے ساتھ منسلک کیا جاتا ہے جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس صحرائی مقام پر پانی فراہم کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو حکم دیا تھا کہ وہ ماں اور بچہ کو یہاں چھوڑ جائیں اور اس [ابراہیم] سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ [اللہ تعالیٰ] اس [ابراہیم] کی جگہ ان [ماں بیٹے] کی دیکھ بھال کرے گا۔

عظیم میں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبریں ہیں۔ اے جے سنسک 'انسائیکلو پیڈیا آف اسلام' میں اپنے مقالے 'کعبہ' میں اسلامی حج کے رسوم و مقامات کی وضاحت کرتا ہے۔ اس نے اس کے متعلق مندرجہ ذیل تفصیل دی ہیں:

Opposite the north-west wall, but not connected with it, is a semi-circular wall (al-hatim) (...). The semi-circular space between the hatim and the Ka'bah enjoys an especial consideration, because for a time it belonged to the Ka'bah; (...) The space bears the name al-hidjr or hidjr Isma'il [lap of Ishmael]. Here are said to be the graves of the patriarch [Isma'il] and his mother Hagar. ۱۳

شمال مغربی دیوار کے بالمقابل ایک نیم دائرے کی شکل میں دیوار [الحطیم] ہے، لیکن وہ اس کے ساتھ ملحق نہیں ہے۔ (...)۔ کعبہ اور عظیم کے درمیان یہ نیم دائرے جیسی جگہ خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ ایک عرصے تک یہ جگہ خانہ کعبہ کا حصہ تھی۔ (...)۔ اس جگہ کا نام الحجر یا حجر اسماعیل [اسماعیل کی گود] ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں بزرگ باپ [اسماعیل] اور ان کی والدہ ہاجرہ کی قبریں ہیں۔

جہاں تک آٹھویں سوال کا تعلق ہے کہ 'کیا اُس جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے اکلوتے بیٹے کو قربانی کے لیے پیش کرنے کے اس عظیم واقعے کی یاد منانے کے لیے قدیم زمانے سے کوئی تقریبات یا رسوم منائی جاتی رہی ہیں اور کیا یہ تقریبات اس موردیہ کے ارد گرد کچھ مقامات سے

منسلک ہیں؟' تو اس قربانی سے متعلق متعدد ایسی تقریبات ہیں جو عرب کے لوگ آغاز اسلام سے صدیوں پہلے سے مستقامناتے چلے آ رہے ہیں۔ ان تقریبات کا تعلق اس موریاہ کے ارد گرد کے متعدد مقامات سے ہے۔ ان میں سے ایک تو صفا اور مردہ کے درمیان سات چکر ہیں، جنہیں 'سعی' کہتے ہیں۔ یہ 'سعی' لاکھوں کی تعداد میں ایسے حاجی سرانجام دیتے ہیں جو ذوالحجہ کے مہینے میں حج ادا کر رہے ہوں یا وہ کروڑوں زائرین جو پورے سال کے دوران میں کسی بھی وقت عمرہ کر رہے ہوں۔ یہ 'سعی' حضرت ہاجرہ کی اپنے بیٹے اسماعیل کے لیے پانی کی تلاش میں کی جانے والی اسی طرح کی 'سعی' کی یادگار کے طور پر ادا کی جاتی ہے۔ 'سعی' کی رسم میں اس واقعے کی تفصیلات اتنی باریک بینی سے محفوظ کی گئی ہیں کہ اپنی 'سعی' کے دوران میں حجاج کرام بھی اسی جگہ تیز چلنا شروع کر دیتے ہیں، جہاں حضرت ہاجرہ تیز چلی تھیں۔ اس جگہ پر آج کل سبز روشنیوں کے ذریعے سے نشان دہی کی ہوئی ہوتی ہے۔ یہ مقام 'مسمی' کے نشیب میں واقع ہے، کیونکہ اس جگہ حضرت ہاجرہ کو اپنا بیٹا نظر نہیں آتا تھا، اس لیے وہ اس جگہ اپنی رفتار تیز کر دیتی تھیں۔ پھر اسی قربانی کی یادگار کی ایک شکل یہ ہے کہ عید الاضحیٰ کے تہوار پر پوری دنیا کے کروڑوں مسلمان اپنے اپنے گھروں میں بکریوں، بھیڑوں، دنبوں، گائیوں اور اونٹوں کی قربانیاں کرتے ہیں اور لاکھوں مسلمان حاجی حج کے دوران میں یہ قربانی کئے میں پیش کرتے ہیں۔ پھر آب زم زم ہے جسے حاجی ایک متبرک مشروب کے طور پر پیتے ہیں۔ یہ وہی چشمہ ہے جو اس بے آب خطے میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے پھوٹ نکلا تھا۔ یہ پورے سال کے دوران میں ایک بہت بڑی آبادی کو حیرت انگیز طور پر پانی فراہم کرتا ہے۔ اور دنیا بھر کے کروڑوں زائرین اور حجاج کرام اس کا پانی ایک تبرک کے طور پر اپنے گھروں کو بھی لے جاتے ہیں۔ اسلامی حج کے سلسلے میں ایک اور رسم بھی ہے جسے تبلیہ کہتے ہیں۔ حجاج کرام جب حج کا خصوصی لباس، جسے احرام کہا جاتا ہے، پہن لیتے ہیں تو وہ مسجد حرام میں داخل ہونے تک یہ تبلیہ پڑھتے رہتے ہیں:

لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْخَمْدَ وَالْبَغْيَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ.

حاضر ہوں اسے اللہ، میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں۔
سب تعریف اور نعت تیرے ہی لیے ہے اور بادشاہی بھی تیری ہی ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے اکلوتے بیٹے کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق قربانی کے لیے پیش کرنے پر آمادگی کی یادگار ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسے اس کام کے لیے پکارا تو اس نے کہا:
سَیِّدُی، یعنی: میں حاضر ہوں۔^{۱۲}

جہاں تک نویں سوال کا تعلق ہے کہ کیا عربوں میں کچھ اور ایسے رسم و رواج یا روایات بھی موجود ہیں جن سے ان (عربوں) کا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے رشتہ ثابت ہوتا ہو؟ تو اس سلسلے میں عربوں میں ختنہ کی رسم پائی جاتی ہے جس کی وہ بڑی سختی سے پابندی کرتے ہیں۔ اور یہ ان کے بزرگ آبا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ان کے تعلق کی نمائندگی کرتی ہے۔ اسلام نے اپنے پیروکاروں کے درمیان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے میثاق کی علامت کے طور پر اس رسم کو اسی طرح جاری رکھا جس طرح یہودیوں نے رکھا ہوا ہے۔ اگر ابتدائی عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کے واسطے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے نہ ہوتے تو ان کی اس روایت کی پابندی اور اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے منسوب کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ یہ بات بھی بڑی اہم ہے کہ انسانی کلوچر یا ہلیکا کے خیال کے مطابق ختنہ کی رسم پہلوئے بیٹے کی قربانی کی علامت کے طور پر ادا کی جاتی ہے:

Indeed, the evidence goes to show that in exceptional cases the offering was actually made. However, just as the first-fruits were offered as a part of the whole, it is conceivable that originally the rite of circumcision was instituted upon the same principle to typify the offering of the firstborn.^{۱۳}

درحقیقت شہادت ہے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ غیر معمولی حالات میں [انسانی] قربانی فی الواقع بھی پیش کی جاتی تھی، تاہم عین اس طرح، جیسے پہلے پہل پوری پیداوار کے ایک حصے کے طور پر نذریے جاتے تھے، یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ابتدائی طور پر ختنے کی رسم اسی اصول کے تحت ادا کی جاتی تھی، تاکہ یہ پہلوئے بیٹے کی قربانی کی قائم مقام بن سکے۔

جوزیفس نے اپنی کتاب 'Antiquities' میں، جو آغاز اسلام سے پانچ سو سال سے بھی زیادہ پہلے لکھی گئی تھی، بیان کیا ہے کہ عربوں میں ختنہ کی رسم ان کی قوم کے بانی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ختنہ کی یاد میں ادا کی جاتی ہے:

And they circumcised him upon the eighth day. And from that time the Jews continue the custom of circumcising their sons within that number of days. But as for the Arabians, they circumcise after the thirteenth year, because Ismael, the founder of their nation, who was born to Abraham of the concubine, was circumcised at that age; ^۱

اور انھوں نے آٹھویں دن اس کا ختنہ کیا اور اس وقت سے یہودیوں میں اپنے بیٹوں کی اتنے دنوں کے اندر اندر ختنہ کرنے کی رسم چلی آ رہی ہے، لیکن جہاں تک عربوں کا تعلق ہے، وہ تیرھویں سال کے بعد ختنہ کرتے ہیں، کیونکہ ان کی قوم کے بانی اسماعیل جو ابراہیم کے ہاں باندی سے پیدا ہوئے تھے، ان کا ختنہ اس عمر میں کیا گیا تھا۔

جہاں تک دسویں سوال کا تعلق ہے کہ کیا اس 'مردہ' کے قرب و جوار میں کوئی ایسی مقدس عمارت یا جگہ بھی موجود رہی ہے جس کی تعمیر بزرگ آبا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے منسوب ہو؟ تو اس 'المردہ یا موریاہ' کے قریب ہی الکعبہ کا حرم موجود ہے، جس کی تعمیر بزرگ آبا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے منسوب ہے اور اس روایت کے قدیم ہونے کی معقول شہادت موجود ہے۔ قرآن کا انگریزی زبان میں ترجمہ کرنے والے مشہور مترجم جارج سیل نے اپنے مقالے 'The Preliminary Discourse' میں مکہ کے مقام پر حرم الکعبہ کی موجودگی کا مندرجہ ذیل الفاظ میں ذکر کیا ہے:

The temple of Mecca was a place of worship, and in singular veneration with the Arabs from great antiquity, and many centuries before Mohammed (...) the Mohammedans are generally persuaded that the Caaba (...) was rebuilt by Abraham and Ismael, at God's command, (...). After this edifice had undergone several reparations, it was a few years after the birth of Mohammed, rebuilt by the Koreish on the old foundation, (...). Before we leave the temple of Mecca, two or three particulars deserve further notice. One is the celebrated black stone, which is set in silver, and fixed in the south-east corner of the Caaba, (...). Another thing observable in this temple

is the stone in Abraham's place, wherein they pretend to show his footsteps, telling us he stood on it when he built the Caaba,' and that it served him for scaffold. (...). The last thing I shall take notice of the temple is the well Zem-zem, on the east side of the Caaba. (...). The Mohanimedans are persuaded that it is the very spring which gushed out for the relief of Ismael, when Hagar his mother wandered with him in the desert, and some pretend it was so named from her calling to him, when she spied it, in the Egyptian tongue, Zem, zem, that is, "Stay, stay,"⁷

مکہ کا معبد عبادت کی جگہ تھی اور عرب کے لوگ محمد (ﷺ) سے صدیوں پہلے قدیم زمانے سے اس کی بے مثال تعظیم کرتے تھے۔ (...)۔ مسلمان بالعموم اس بات کے قائل ہیں کہ یہ کعبہ (...)۔ ابراہیم اور اسماعیل نے اللہ کے حکم سے دوبارہ تعمیر کیا تھا۔ (...)۔ یہ عمارت متعدد مرتبہ کی مرمت کے بعد محمد (ﷺ) کی پیدائش کے چند سال بعد قریش نے پرانی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کی تھی۔ (...)۔ مکہ کے معبد کا بیان ختم کرنے سے پہلے مزید دو یا تین خاص باتوں کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ایک تو وہ مشہور و معروف حجرِ اسود ہے جو چاندی سے جڑا ہوا ہے اور خانہ کعبہ کے جنوب مشرقی کونے میں نصب ہے۔ (...)۔ اس معبد میں ایک اور قابلِ دید شے مقامِ ابراہیم میں وہ پتھر ہے جس میں ان [عربوں] کا دعویٰ ہے کہ ان [حضرت ابراہیم علیہ السلام] کے قدموں کے نشان نمایاں ہیں۔ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ جب وہ کعبہ تعمیر کر رہے تھے تو اس کے اوپر کھڑے ہوتے تھے اور یہ کہ یہ پتھر ان کے لیے ایک گود (scaffold) کا کام دیتا تھا۔ (...)۔ اس ٹیکل کی آخری چیز جس کا میں ذکر کروں گا، وہ کعبہ کے مشرقی جانب زم زم کا کنواں ہے۔ (...)۔ مسلمانوں کا خیال ہے کہ یہی وہ چشمہ ہے جو اسماعیل کی مدد کے لیے اس وقت، جب اس کی ماں ہاجرہ اس کو لے کر صحرا میں گھوم رہی تھی، پھوٹ بہا تھا۔ بعض لوگوں کا گمان ہے کہ اس کا نام زم زم اس لیے پڑا کہ جب اس [ہاجرہ] نے یہ دریافت کیا تو اس نے مصری زبان میں اسے کہا 'زم زم'، جس کا مطلب ہے 'میں نے پانی پیا'۔

قرآن کے انگریزی زبان کے ایک مشہور مترجم پروفیسر پامر نے اپنے مقدمہ قرآن میں لکھا ہے:

The traditions of Abraham the father of their race and the founder of Muhamamad's own religion, as he always declared him to be, no doubt gave the ancient temple a peculiar sanctity in the Prophet's eyes, and although he had first settled upon Jerusalem as his Qiblah, he afterwards reverted to the Kaabah itself. Here, then, Muhamamad found a shrine, to which, as well as at which, devotion had been paid from time immemorial; it was one thing

which the scattered Arabian nation had in common, the one thing which gave them even the shadow of a national feeling; and to have dreamed of abolishing it, or even of diminishing the honours paid to it, would have been madness and ruin to his enterprise. He therefore did the next best thing, he cleared it of idols and dedicated it to the service of God. ۱۸

عربوں کی نسل کے مورث اعلیٰ اور محمد ﷺ کے دین کے بانی، جیسا کہ وہ [محمد ﷺ] ان کے بارے میں [ہمیشہ دعویٰ کرتے تھے، ابراہیم کی روایت نے بلاشبہ اس قدیم معبد کو رسول اللہ ﷺ کی نظروں میں ایک مخصوص تقدس عطا کیا۔ اگرچہ انھوں نے پہلے یہ وہ ظلم کو اپنا قبلہ بنایا تھا، لیکن بعد میں وہ کعبہ ہی کی طرف رخ کرنے لگے۔ اس طرح یہاں محمد ﷺ نے ایک ایسی مقدس عمارت پالی جسے قدیم ایام سے تقدس حاصل تھا۔ یہ وہ واحد چیز تھی جو مشرق عرب قوم کی مشترک میراث تھی؛ وہ واحد چیز، جو ان میں ایک قومی احساس کی جھلک بھی پیدا کرتی تھی، اسے ترک کر دینے، یا جو احترام اسے حاصل تھا، اس میں کمی کر دینے کا خواب بھی ایک دیوانی اور آپ کی تحریک کے لیے تباہی کا موجب ہوتی۔ اس لیے آپ نے اس کے بجائے وہ کام کیا جو سب سے بہتر تھا۔ آپ نے اس [خانہ کعبہ] کو بتوں سے پاک صاف کر دیا اور اسے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے مخصوص کر دیا۔

ذیل میں کچھ مزید شہادتیں بھی نقل کی جاتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مکہ میں کعبہ کی عمارت زمانہ قدیم سے موجود تھی۔ سی ای بوسورٹھ (C. E. Bosworth) 'انسانیکلو پیڈیا امریکانا' میں مندرجہ ذیل الفاظ میں خانہ کعبہ کی قدامت کی تصدیق کرتا ہے:

The Kaaba was almost certainly an important shrine of a well attested Semitic pattern, in pre-Islamic times. It is not clear when it was first associated with the rites of the Pilgrimage, which itself must be of pre-Islamic origin. Muslim tradition traces it to Abraham and Ishmael. The Prophet Mohammed cleansed the Kaaba of its idols and its pagan features in 630. ۱۹

خانہ کعبہ قریباً یقینی طور پر زمانہ قبل اسلام میں مسلمہ سامی طرز تعمیر کی ایک اہم عبادت گاہ تھی۔ یہ بات واضح نہیں ہے کہ یہ زمانہ قبل اسلام سے جاری مراسم حج سے پہلی دفعہ کب منسلک ہوئی۔ مسلمانوں کی روایت اسے ابراہیم اور اسماعیل سے منسلک کرتی ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے ۶۳۰ء میں اس کے شرکانہ ضد و خال اور اس کے بتوں سے اسے پاک کیا۔

ایڈورڈ جے جرجی 'کولیرز انسائیکلو پیڈیا' میں بیان کرتا ہے کہ قریش کعبہ کے متولی اور روایت نسل اسماعیل کے محافظ تھے:

As custodians of Kaaba and preservers of the Ishmaelite tradition, the Quraysh tribe presided over its pagan worship until Mohammed appropriated it for his new faith.²⁰

قبیلہ قریش کعبہ کے متولی اور نسل اسماعیل کی روایت کے محافظ ہونے کی حیثیت سے اس (کعبہ) میں ادا کی جانے والی شرکانہ عبادت کی رہنمائی کرتا تھا۔ حتیٰ کہ محمد (ﷺ) نے اسے اپنے نئے دین کے لیے مخصوص کر لیا۔

'انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجین' کا بیان ہے کہ کعبہ بلاشبہ محمد (ﷺ) کی پیدائش کے صدیوں پہلے سے موجود تھا:

The historical origin of the Ka'bah is uncertain, but it had undoubtedly existed for several centuries before the birth of Muhammad (c. 570 CE). By his time it was the principal religious shrine of central Arabia and, located at the centre of a sacred territory (haram), had the characteristic of a Semitic sanctuary.²¹

یہ بات غیر یقینی ہے کہ تاریخی طور پر خانہ کعبہ کی بنیاد کب پڑی، لیکن اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ یہ عمارت محمد (ﷺ) کی پیدائش (قریباً ۵۷۰ء) سے کئی صدیاں پہلے موجود تھی۔ اس [محمد (ﷺ)] کے زمانے تک یہ مرکزی عرب کی سب سے بڑی مذہبی عبادت گاہ تھی۔ یہ ایک مقدس خطے (حرم) کے مرکز میں واقع تھی اور سامی حرم کی خصوصیات کی حامل تھی۔

قدیم زمانے کے مشہور مصری جغرافیہ دان کلاؤڈئس بطلمیوس (جو عام طور پر ٹالمی کے نام سے مشہور ہے اور تقریباً ۹۰ء تا ۱۶۸ء کے زمانے کا ہے) نے بھی مکہ کے نزدیک ایک عبادت گاہ کی موجودگی کا ذکر کیا ہے جس کے لیے وہ 'میکورابہ' کا لفظ استعمال کرتا ہے:

It is to be noted that Ptolemy (Geography, vi.7) in place of Mecca mentions Macoraba, which is probably to be interpreted, as does Glaser, as the South Arabian or Ethiopic mikrab, "temple". From this one may conclude that the Ka'ba already existed in the second century A. D.²²

واضح رہے کہ ٹالمی (جغرافیہ: ۶: ۷) کے کے بجائے 'میکورابہ' کا ذکر کرتا ہے۔ اس کی وضاحت،

جیسا کہ گلنر بیان کرتا ہے، غالباً یہ ہے کہ یہ جنوبی عرب یا ایتھوپیا کا لفظ 'مغرب' یعنی 'ہیکل' ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ خانہ کعبہ دوسری صدی عیسوی سے بھی پہلے سے موجود چلا آ رہا تھا۔

'شارٹرانسا نیگلو پیڈیا آف اسلام' نے اس کے متعلق ایک اور شہادت بھی بیان کی ہے:

The information available regarding the distribution of the offices among the sons of Kusaiy shows that the worship of the sanctuary had developed into a carefully regulated cult several generations before Muhammmad. (ed. Wustenfeld, p. 155 sqq.).²⁴

قصی کے بیٹوں کے درمیان مناصب کی تقسیم کے بارے میں جو معلومات دستیاب ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عہد میں ادا کی جانے والی عبادت محمد (ﷺ) سے کئی نسلوں پہلے ہی ایک احتیاط سے ترتیب دی ہوئی باقاعدہ عبادت کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ (...) خانہ کعبہ میں مشرکین کے دور میں بھی، اور مسلمانوں کے دور میں بھی، باقاعدہ قربانیاں پیش کی جاتی تھیں۔ الا زرقی (ed. Wustenfeld, p. 155 sqq.) نے اس موضوع کے لیے ایک مفصل باب مختص کیا ہے۔

جہاں تک گیارہویں سوال کا تعلق ہے کہ 'کیا کوئی ایسے نشانات بھی موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ الکعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کی تھی؟'، تو اس سلسلے میں گزارش ہے کہ خانہ کعبہ کے دروازے کے عین بالمقابل مطاف میں ایک نشیب تھا۔ جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ گارا اور مسالا ملایا کرتے تھے جو کعبے کی تعمیر میں استعمال ہوتا تھا۔ 'انسائیکلو پیڈیا آف اسلام' میں اسے مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

The pavement on which the tawaf is performed is called maṭaf; a depression in it just opposite the door has still to be mentioned; it is called al-miḍjan "the trough"; according to legend, Ibrahim and Isma'il [q.v.] here mixed the mortar used in building the Ka'ba.²⁵

وہ راستہ جس پر طواف کیا جاتا ہے، مطاف کہلاتا ہے۔ اس میں دروازے کے عین بالمقابل ایک نشیب کا ذکر ابھی باقی ہے۔ اسے 'المجن'، یعنی 'تاند' کہا جاتا ہے۔ روایت کے مطابق ابراہیم اور اسماعیل کعبے کی تعمیر میں استعمال ہونے والا مسالا یہاں ملایا کرتے تھے۔

اس سلسلے میں ایک نشانی مقام ابراہیم بھی ہے جو اس بات کی ایک اور شہادت ہے کہ کعبہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا تھا۔ 'انسائیکلو پیڈیا آف اسلام' کا بیان ہے:

Between this archway and the facade (N.E.) is a little building with a small dome, the makam Ibrahim. In it is kept a stone bearing the prints of two human feet. The patriarch Ibrahim, father of Isma'il, is said to have stood on this stone when building the Ka'ba and the marks of his feet were miraculously preserved.²⁶

اسی قوی راستے اور شمال مشرقی حصے کی پیشانی کے درمیان ایک مختصر سے گنبد والی ایک چھوٹی سی عمارت مقام ابراہیم ہے۔ اس میں ایک پتھر ہے جس پر انسانی پاؤں کے دو نقش ثبت ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اسماعیل کے والد ابراہیم کعبہ تعمیر کرتے وقت اس پر کھڑے ہوا کرتے تھے اور ان کے قدموں کے نشانات معجزانہ انداز میں اس پر ثبت ہو گئے تھے۔

جہاں تک بارہویں سوال کا تعلق ہے کہ 'کیا کوئی ایسے شواہد بھی پائے جاتے ہیں کہ اسحاق یا ان کی نسل کے لوگ اسحاق علیہ السلام کے قربانی کے لیے پیش کیے جانے کی یادمانی کی غرض سے کسی 'مردہ' کے مقام پر قربانیاں پیش کرنے کے لیے لے جایا کرتے تھے؟ تو بائبل یا عربوں کی روایات میں نہ تو اس بات کی کوئی شہادت موجود ہے کہ اسحاق علیہ السلام کسی 'موریاہ' نامی مقام پر گئے ہوں اور نہ بائبل یا تاریخ کے اوراق میں حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل کے حق میں کوئی ایسی شہادت موجود ہے جس سے ثابت ہو کہ وہ قربانیاں پیش کرنے کے لیے 'موریاہ' جایا کرتے تھے یا کوئی مراسم حج ادا کیا کرتے تھے۔ البتہ، دوسری طرف، زمانہ قبل اسلام کے عرب قبائل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے اکلوتے بیٹے کو قربانی کے لیے پیش کرنے کی یاد میں زمانہ قدیم سے مردہ کے مقام پر قربانیاں پیش کرتے چلے آ رہے تھے اور بعد میں پورا عالم اسلام بھی آج تک اس پر عمل پیرا ہے۔ بلاشبہ اہل عرب، جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں، صدیوں بلکہ ہزاروں سال قبل اسلام سے اپنے بزرگ آبا کی قربانیوں کی رسم ادا کرتے آئے ہیں۔

جہاں تک تیرہویں سوال کا تعلق ہے کہ جس طرح بائبل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، ان کی

زوجہ حضرت سارہ اور ان کے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کے بارے میں بیان ہے کہ ان کا کہاں انتقال ہوا تھا اور انھیں کس جگہ دفن کیا گیا تھا۔ کیا اسی طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کے بارے میں بھی ان تفصیلات کا کوئی ذکر ہے؟ اگر ہے تو کس جگہ ہے اور اگر نہیں ہے تو اس کی کیا وجہ ہے؟ تو یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ بابل حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ کی جائے تدفین کے بارے میں مکمل طور پر خاموش ہے، جبکہ اس میں یہ بات واضح طور پر درج ہے کہ کنعان میں حبرون کے مقام پر مکملہ کا غار حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی بیوی حضرت سارہؑ اور ان کے فرزند حضرت اسحاقؑ کی جائے تدفین ہے۔ جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ تو بس یہ فرض ہی کیا جاسکتا ہے کہ ایسا اسرائیلیوں کی اپنے کزن بنو اسماعیل سے عدم دلچسپی، اظہارِ لاعلمی، نظر اندازی اور بے رحمی، بلکہ حسد اور رقابت کی وجہ ہی سے تھا۔

جہاں تک چودھویں سوال کا تعلق ہے کہ کیا عربوں میں، جو تاریخی اعتبار سے بدیہی طور پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل ہیں، ایسی کوئی مسلمہ روایت موجود ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ہاجرہ کو کہاں دفن کیا گیا تھا؟ تو اس کا جواب اثبات میں، یعنی ہاں ہے۔ اے جے ونسٹ اور جے۔ جو میئر انا یٹھو پیڈیا آف اسلام میں اپنے مقالے 'کعبہ میں لکھتے ہیں:'

The space (al-hatim) bears the name al-hidjr or hidjr Isma'il. Here are said to be the graves of the patriarch and his mother Hagar.³⁰

اس جگہ (الحطیم) کا نام الحجر یا حجر اسماعیل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسماعیلؑ اور ان کی والدہ ہاجرہ کی قبریں یہاں پر واقع ہیں۔

'دی نیو اسٹینڈرڈ انسا یٹھو پیڈیا' میں وضاحت ہے:

Ishmael Son of Abraham and Hagar. He was exiled with his mother to the wilderness on account of Sarah's jealousy of him. He married an Egyptian, was famed as an archer and was buried in Mecca. Mahomet claimed him as an ancestor.³¹

ابراہیمؑ اور ہاجرہ کے فرزند، اسماعیلؑ: ان [اسماعیلؑ] کو سارہ کے ان سے حسد کی وجہ سے ان کی والدہ [ہاجرہ] کے ساتھ بیابان میں جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ انھوں نے ایک مصری عورت سے شادی کر

لی تھی۔ وہ ایک تیر انداز کے طور پر مشہور ہوئے اور انھیں کے میں دفن کیا گیا۔ محمد ﷺ کا دعویٰ ہے کہ وہ ان کے آباؤ اجداد میں سے تھے۔

جہاں تک چند رحویں سوال کا تعلق ہے کہ بائبل کے مؤلفین نے یہ ابہام کیوں پیدا کیا ہے، تو اس کا جواب بالکل واضح ہے۔ اس کی وجہ محض یہ ہے کہ وہ اپنے بزرگ باپ حضرت اسحاق علیہ السلام کو عزت و احترام اور تقدس دینا چاہتے تھے۔ کتاب توارخ کے مؤلف نے غیر منصفانہ طور پر اردنا یہودی کے کھلیان کے محل وقوع کا نام 'موریاہ' رکھ کر ان کی اس ناروا خواہش کے لیے ایک بنیاد گھڑ دی۔ یہ ابہام کبھی جڑ نہ پکڑتا اگر کتاب توارخ کا مؤلف یہکل سلیمانی کو تقدس فراہم کرنے کے لیے اسے گھڑ کر اپنی کتاب توارخ میں داخل نہ کر لیتا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ کتاب توارخ عرصہ دراز تک ایک مسٹر داور غیر مستند کتاب سمجھی جاتی تھی۔^{۲۱} اس مضمون کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر بیٹے کو قربانی کے سلسلے میں اعتماد میں نہ لیا گیا ہو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کو بیٹے کے لیے کوئی اعزاز یا خوبی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کو آخری وقت تک بھی اس بات کا علم نہ تھا کہ انھیں قربانی کے لیے لے جایا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھتے ہیں کہ لکڑی اور آگ تو یہ موجود ہے، لیکن سوختی قربانی کے لیے بڑہ کہاں ہے؟^{۲۲} پھر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ ان پر یہ ظاہر کر دیں کہ وہ انھی (حضرت اسحاق علیہ السلام) کی قربانی پیش کرنے کے لیے جارہے ہیں، بلکہ وہ کہتے ہیں: 'میرے بیٹے اللہ تعالیٰ خود ہی سوختی قربانی کے لیے بڑہ مہیا کر دے گا'۔^{۲۳} اس طرح قربانی کا عمل صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے لیے موجب افتخار ہو سکتا تھا، جن کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش مطلوب تھی۔ اس سلسلے میں حضرت اسحاق علیہ السلام کو کوئی اعزاز نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ انھیں تو اس بات کا علم تک نہ تھا کہ ان کے والد انھیں قربان کرنے کے لیے لے جا رہے ہیں، لیکن جہاں تک حضرت اسماعیل علیہ السلام کا تعلق ہے تو نہ صرف یہ کہ انھیں ان کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پورے اعتماد میں لیا تھا، بلکہ انھوں نے قربانی کے تصور کی تائید کی تھی، اللہ کے حکم کے آگے خوشی سے سر تسلیم خم کر دیا تھا اور اپنے آپ کو اپنے والد کے ہاتھوں قربان ہونے

کے لیے پیش کر دیا تھا۔ قرآن نے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے:

قَالُوا الْبَوَاءُ لَنَا وَلَهُمْ أَعْلَفُوهُ فِي الْحَجِيمِ . فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ . وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَى رَبِّي سَيَهْدِينِ . رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ . فَبَشَّرْنَا بِغُلَامٍ حَلِيمٍ . فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَى قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمُرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ . فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ . وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ . قَدْ صَدَّقَتِ الرُّؤْيَا إِنَّا كُنَّا نَمْنَحُ الْمُحْسِنِينَ . إِنْ هَذَا لَهُمْ بِاللَّاءِ الْمُشِينِ . وَقَدَّيْنَاهُ بِذَبْحٍ عَدِيمٍ . وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْيَمِينِ . سَلَامٌ عَلَى إِبْرَاهِيمَ . كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ . إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ . وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ . وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَى إِسْحَاقَ وَزَيْنَ دُرِّيهِمَا مَعْشَرٌ وَعَلَيْهِمَا تَفَهِمُ مَبْنً . ۳۵

انھوں نے آپس میں کہا کہ اس کے لیے ایک الاؤ تیار کرو اور اسے دیکتی ہوئی آگ کے ڈھیر میں پھینک دو۔ انھوں نے اس کے خلاف ایک کارروائی کرنی چاہی، مگر ہم نے انھی کو نیچا دکھا دیا۔

ابراہیمؑ نے کہا، میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں، وہی میری رہنمائی کرے گا۔ اسے میرے پروردگار، مجھے ایک بیٹا عطا کر جو صالحین میں سے ہو۔ (اس دعا کے جواب میں) ہم نے اس کو ایک حلیم (بردار) لڑکے کی بشارت دی۔ وہ لڑکا جب اس کے ساتھ دوڑھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ گیا تو (ایک روز) ابراہیمؑ نے اس سے کہا، بیٹا، میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، اب تو بتا، تیرا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا، ابا جان، جو کچھ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اسے کر ڈالیے، آپ ان شاء اللہ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔ آخر کو جب ان دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیمؑ نے بیٹے کو ماتھے کے بل گر دیا اور ہم نے عداوی کہ اے ابراہیمؑ، تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی۔ اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اس بچے کو چھڑا لیا۔ اور اس کی تعریف و توصیف ہمیشہ کے لیے بعد کی نسلوں میں چھوڑ دی۔ سلام ہے ابراہیمؑ پر۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ یقیناً وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔ اور ہم نے اسے اسحاقؑ کی بشارت دی: ایک نبی صالحین میں سے۔ اور اسے اور اسحاقؑ کو برکت دی۔ اب ان دونوں کی ذریت میں سے کوئی محسن ہے اور کوئی اپنے نفس پر مرتع ظلم کرنے والا ہے۔ ۳۶

حواشی باب ہشتم

1. Entry No. 875, p. 18: 'be-ayr; from 874; a pit; espec. a well.' Entry No. 874, p. 18: 'ba'ar, baw-ar; a prim. Root; to dig'; + Entry No. 7650, p. 112: 'shaba shaw-bah; a prim. Root; to seven oneself, i.e. swear (as if by repeating a declaration seven times).'

2. Beer Sheba, 'be-ayr' sheh-bah; from 875 and 7651 (in the sense of 7650); well of an oath. :-adjure, charge (by an oath, with an oath), take an oath' (*A Concise Dic. of the words in The Heb. Bible* by J. Strong, NY: The Methodist Book Concern, 1984, Entry No. 884, p. 18).

3. *The Enc of Islam New Edition*, ed E. Van Donzel, B. Lewis and ch. Pellat, C. E. Bosworth (Leiden: E. J. Brill, 1978), 4:320.

۴ مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۷۷ء، (القسط ۷: ۱۰۷)، ۳۸۵:۵۔

۵ بائبل، کتاب پیدائش ۲۲: ۱۱-۱۸۔

۶ یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ عبرانی زبان اپنی ہم جنس دوسری ساری زبانوں (سریانی، ارامی، عربی، وغیرہ) کے رسم الخط کی طرح دائیں سے بائیں طرف لکھی جاتی ہے۔

7. *Enc. of Islam*, New (1997) edn., s.v. 'Ka'ba', 4:320.

8. *The Enc. of Religion* (NY: Macmillan Publishing Co, 1987), 8:225ff.

9. *Enc. of Islam*, New (1997) edn., s.v. 'Ka'ba', 4:318-20.

10. *The Enc. of Religion* (NY: Macmillan Publishing Co, 1987), 8:225-26.

11. *Enc. of Islam*, New (1997) edn., s.v. 'Ka'ba', 4:318-20.

12. *The Enc. of Religion* (NY: Macmillan Publishing Co, 1987), 8:225-26.

13. *Enc. of Islam*, New (1997) edn., s.v. 'Ka'ba', 4:318-20.

۱۴ بائبل، کتاب پیدائش ۱: ۲۲۔

15. *Enc. Biblica*, 2:1525-26.

16. Flavius Josephus, *Antiquities*, Book I, Ch. xii: 2, 4, p.41.

17. George Sale, 'The Preliminary Discourse' to the 'ALKORAN OF MOHAMMED' (London: Frederick Warne & Co.), na, p. 90.
18. *The QUR'AN*, Tr. by E. H. Palmer (Delhi: Motilal Banarsidass, 1988), p. liii.
19. *The Enc. Americana International Edn.* in 30 Vols. (Connecticut: Grolier Incorporated, Danbury: 1987), 16:254.
20. *Colliers Enc.* in 24 Vols. (NY, 1995), 13:695.
21. *The Enc. of Religion*, 8:225-26.
22. H.A.R. Gibb and J.H. Krammers, *Shorter Enc. Of Islam*, (Karachi: South Asian Publishers, 1981), s.v. "Ka'ba", p.193.
23. *Shorter Enc. Of Islam*, p. 193.
24. *Shorter Enc. Of Islam*, p. 193.
25. *The Enc. of Islam*, 4:318.
26. *The Enc. of Islam*, 4:318.

۲۷. بائبل، کتاب پیدائش ۹:۲۵-۱۰۔

۲۸. بائبل، کتاب پیدائش ۱۰:۲۵۔

۲۹. بائبل، کتاب پیدائش ۲۹:۳۹-۳۰۔

30. *The Enc. of Islam*, 4:318.

31. *The New Standard Enc. and World Atlas* (London: Odhams Press Ltd., W. C. 2, 1932), p. 699.

۳۲. ملاحظہ کیجئے ضمیر ۲۔

۳۳. بائبل، کتاب پیدائش ۲۲:۷۔

۳۴. بائبل، کتاب پیدائش ۲۲:۸۔

۳۵. قرآن کریم، سورۃ انفط ۳۷:۹۷-۱۱۳

۳۶. ترجمہ قرآن مجید مع مختصر حواشی، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۲۰۰۱ء، صفحہ

۱۱۳۳، ۱۱۳۵۔

باب نہم

مکہ اور عرب بطور مسکن نسل اسماعیل علیہ السلام

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل زمانہ قدیم سے مکہ اور سرزمین عرب کے دوسرے خطوں میں رہتی چلی آرہی ہے اور وہ ابھی تک وہاں رہ رہی ہے۔ بائبل کا دعویٰ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو فاران کے بیابان اور بیروسیع کے پاس آباد کیا تھا۔ بائبل کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ یہ دونوں مقام صحراے سینائی میں واقع تھے، لیکن اس بات کا بائبل میں بھی کوئی نشان موجود نہیں کہ سینائی میں کبھی بنو اسماعیل آباد رہے ہوں۔

’دی نیو انگلش بائبل‘ میں درج ہے:

Ishmael's sons inhabited the land from Havilah to Shur, which is east of Egypt on the way to Asshur, having settled to the east of his brothers.¹

اور اُس (اسماعیل) کی اولاد جو یلہ سے شور تک، جو مصر کے شرق میں (سانے) اُس راستے پر ہے جس سے اشور کو جاتے ہیں، آباد تھی۔ یہ لوگ اپنے سب بھائیوں کے شرق میں (سانے) بے ہوئے تھے۔

’کنگ جیمز ورژن‘ میں یہی بات ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے:

And they dwelt from Havilah unto Shur, that is before Egypt, as thou goest toward Assyria and he died in the presence of all his brethren.²

اور وہ (اولاد اسماعیل) جو یلہ سے شور تک، جو مصر کے شرق میں (سانے) اُس راستے پر ہے، جس سے اشور کو جاتے ہیں، آباد تھی۔ اور اس (اسماعیل) نے اپنے سب بھائیوں کی موجودگی

میں وفات پائی۔

بائبل کے تقریباً تمام ترجموں اور ایڈیشنوں میں نسل اسماعیل کی آبادکاری کے متعلق یہی بیان درج ہے۔ ان کی آبادکاری کے لیے کوئی دوسرا بیان کہیں موجود نہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ بائبل کے مطابق حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل 'حویلہ' سے شورتک کے علاقے میں آباد ہوئی تھی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل کی جاے سکونت کے تعین کے لیے 'حویلہ' اور 'شور' کا محل وقوع ٹھیک ٹھیک طور پر معلوم کرنا ضروری ہے۔ 'حویلہ' کا لفظ سرزمین یمن کے لیے استعمال ہوتا تھا اور 'شور' کا مقام بحیرہ قلزم کے شمال مشرقی سرے پر خلیج عقبہ کے نزدیک کسی جگہ واقع تھا۔ اس طرح یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ بائبل کے مطابق حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل الحجاز کے علاقے میں آباد ہوئی تھی۔ حجاز یمن کے شمال میں سرزمین عرب کا مغربی خطہ ہے۔ 'حویلہ' اور 'شور' کے محل وقوع کا مختصر بیان درج ہے۔

حویلہ

جہاں تک 'حویلہ' کا تعلق ہے، تو یہ جنوبی عرب یا یمن کا نام ہے۔ اسکندریہ کے مشہور جغرافیہ دان بطلمیوس (متوفی ۱۴۰ء) کے مطابق قدیم زمانے میں اس کا نام 'عربیا فیکس' (Arabia Felix) تھا۔ 'ایسٹن کی بائبل ڈکشنری' میں درج ہے:

A district in Arabia-Felix. (...). It is the opinion of Kalisch, however, that Havilah "in both instances, designates the same country, extending at least from the Persian to the Arabian Gulf, and on account of its vast extent easily divided into two distinct parts." This opinion may be well vindicated.

عربیا فیکس میں ایک ضلع۔ (...)۔ تاہم کالیش کی رائے یہ ہے کہ یہ حویلہ دونوں مقامات پر ایک ہی ملک کی نشان دہی کرتا ہے، جو کم از کم خلیج فارس سے خلیج عرب تک پھیلا ہوا ہے اور اپنے اس وسیع پھیلاؤ کی بنا پر آسانی دو ضلعوں میں تقسیم ہو سکتا ہے۔ اس رائے کی تصدیق کرنے میں کوئی قیاحت نہیں۔

ولیم سمٹھ نے بھی تقریباً اسی طرح کے خیالات کا اظہار کیا ہے:

A district in Arabia Felix, Gen. 10:7, named from the second son of Cush; probably the district of Kualan, in the northwestern part of Yemen.^۷

یہ عربیہ فیلکس کا ایک ضلع ہے (کتاب پیدائش ۱۰:۷) جس کا نام کوش کے دوسرے بیٹے کے نام پر رکھا گیا ہے۔ غالباً یہ یمن کے شمال مغربی علاقے میں کیوآلان کا ضلع ہے۔

’انسائیکلو پیڈیا جوڈائیکا‘ نے لکھا ہے کہ حویلہ کا محل وقوع جنوبی عرب ہے:

The latter Havilah, the son of Joktan, apparently stands for a locality in South Arabia as do Hadoram (Gen. 10:27), Sheba (Gen. 10:28), and Ophir (Gen. 10:29).^۸

بعد والا حویلہ، یعنی یقطان کا بیٹا، بظاہر جنوبی عرب میں کسی مقام کو ظاہر کرتے ہیں، جیسا کہ حدورام (پیدائش ۱۰:۲۷)، شہبا (پیدائش ۱۰:۲۸) اور اوفیر (کتاب پیدائش ۱۰:۲۹)۔

’جیمز انسائیکلو پیڈیا‘ نے مندرجہ ذیل وضاحت کی ہے:

HAVILAH: Name of a district, or districts, in Arabia. (...); the Ishmaelites are also placed in the same locality (Gen. xxv.18), (...). In Gen. x.29 and 1 Chron. i.23, Havilah is a son of Joktan, associated with Sheba and Ophir in the southern portion of the peninsula. (...). Havilah was identified by Bochart Niebuhr with Khaulan in Tehamah, between Mecca and Sana;^۹

حویلہ عرب کے ایک ضلع یا ضلعوں کا نام: (...) نسل اسماعیل کی سکونت اسی مقام پر بتائی گئی ہے (کتاب پیدائش ۱۸:۲۵)، (...)۔ کتاب پیدائش ۱۰:۲۹ اور پہلی کتاب تواریخ ۱:۲۳ میں حویلہ یقطان کا بیٹا ہے۔ یہ جزیرہ نما کے جنوبی حصے میں شہبا اور اوفیر سے منسلک ہے۔ (...) بوخرت نیبوہر نے حویلہ کی کہ اور صنعا کے درمیان تہامہ میں خولان کے مقام پر نشان دہی کی ہے۔

مندرجہ بالا تمام حقائق سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ حویلہ یمن کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کا محل وقوع جزیرہ نما کے عرب کے جنوب مغرب میں ہے۔

شور

شور کے محل وقوع کی نشان دہی بحیرہ قلزم کے شمال مشرقی سرے، یعنی خلیج عقبہ کے قریب کسی

جگہ کی جاسکتی ہے۔ ڈبلیو سمٹھ نے اس کی مندرجہ ذیل الفاظ میں وضاحت کی ہے:

Shur may have been a fortified town east of the ancient head of the Red Sea; and from its being spoken of as a limit, it was probably the last Arabian town before entering Egypt. &

امکان یہ ہے کہ شور بحیرہ احمر کے قدیم سرے کے مشرق میں ایک قلعہ بند شہر تھا اور کیونکہ اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ ایک آخری حد تھی تو امکان یہ ہے کہ یہ مصر میں داخل ہونے سے پہلے عرب کا آخری شہر تھا۔

اکثر علما کے خیال میں اس کا محل وقوع خلیج سویز کے جنوب مشرق میں صحراے سینائی میں تھا۔ صورت حال جو بھی ہو، یہ بات پورے اطمینان سے کہی جاسکتی ہے کہ شور یا بیابان شور کنعان کے جنوب مغربی کونے سے باہر ہی کسی جگہ واقع ہو سکتا ہے۔ امکان یہ ہے کہ یہ سرزمین عرب کے شمال مغربی سرے کے قریب ہوگی۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ بائبل کے مطابق حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل عرب میں شور (سرزمین عرب کے شمال مغربی کونے) اور حویلہ (سرزمین عرب کے جنوبی ساحلی علاقے، یعنی یمن اور حضرموت) کے درمیان آباد ہوئی تھی۔ عرب کے لوگ اس خطے کو الحجاز کہتے ہیں۔ مکہ، مدینہ اور طائف کے شہر اسی الحجاز میں واقع ہیں۔ اکثر نسل اسماعیل کے قبیلے (اہل عرب) اسی الحجاز میں یا اس کے ارد گرد آباد ہوئے تھے۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ بائبل کے مطابق حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فاران اور بیرسج کے بیابان میں آباد کیا تھا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے متعلق فاران اور بیرسج کا بیابان اور سرزمین مور یا عرب میں واقع ہوں نہ کہ سینا میں۔

یہ بات کہ بیش تر قبائل عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں، عالمی طور پر تسلیم شدہ تاریخی حقیقت ہے اور اس پر کسی تفصیلی گفتگو کی ضرورت نہیں۔ ذیل میں جوزیفس کی "Antiquities" سے چند لائین نقل کی جاتی ہیں:

(...). And they circumcised him upon the eighth day. And from that time the Jews continue the custom of circumcising their sons within that number of days. But as for the Arabians, they circumcise after the thirteenth year, because Ismael, the founder of their nation, who was born to Abraham of the concubine, was circumcised at that age; (...). Of this wife were born to Ismael twelve sons; Nabaiot, Kedar, Abdeel, Mabsam [or Mihsam], Idumas, Masmaos, Massaos, Chadad, Themam, Jetur, Naphesus, Cadmas. These inhabited all the country from Euphrates to the Red Sea, and called it Nabatene. They are an Arabian nation and name their tribes from these, both because of their own virtue, and because of the dignity of Abraham their father.⁹

اور انھوں نے آٹھویں دن اس کا ختنہ کیا۔ اس وقت سے یہودیوں کے ہاں یہ رسم چلی آ رہی ہے کہ وہ دونوں کی اتنی تعداد کے اندر اندر اپنے بیٹوں کا ختنہ کرتے ہیں، لیکن جہاں تک عربوں کا تعلق ہے، وہ تیرہویں سال کے بعد ختنہ کرتے ہیں، کیونکہ ان کی قوم کے بانی اسماعیل، جو ابراہیم کے ہاں ایک لونڈی سے پیدا ہوئے تھے، ان کا ختنہ اس عمر میں کیا گیا تھا۔ (...)۔ اس بیوی سے اسماعیل کے ہاں بارہ بیٹے پیدا ہوئے: نباوت،^{۱۱} قیدار،^{۱۲} عبدیل،^{۱۳} مبسام (مبسام)،^{۱۴} ادوماس،^{۱۵} مسماء،^{۱۶} وں،^{۱۷} حداد،^{۱۸} تیمان،^{۱۹} نفیس،^{۲۰} کدماں۔ یہ دریائے فرات سے بحیرہ احمر کے سارے ملک میں آباد ہوئے اور وہ اسے نابتین کہتے تھے۔ وہ ایک عربی قوم ہیں اور ایک تو ان کی اپنی نیکی کی وجہ سے اور دوسرے اپنے باپ ابراہیم کے بلند مرتبہ و مقام کی وجہ سے اپنے قبیلوں کے نام ان کے نام پر رکھتے ہیں۔

’کتاب جوبلیز‘ میں بھی یہ بات ثبت ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل عرب سے تعلق رکھتی ہے۔ ذیل میں اس مفہوم کا اقتباس درج ہے:

And Ishmael and his sons, and the sons of Keturah, and their sons, went together and dwelt from Paran to the entering of Babylon in all the land which is towards the East facing the desert. And these mingled with each other, and their name was called Arabs, and Ishmaelites.^{۲۱}

اور اسماعیل اور ان کے بیٹے، اور قطورہ کے بیٹے، اور ان (بیٹوں) کے بیٹے، اکٹھے گئے اور فاران سے بابل کے داخلے تک ساری سرزمین میں، جو مشرق کی طرف صحرا کے بالمقابل ہے، آباد ہو گئے۔ اور یہ ایک دوسرے سے مل گئے اور وہ اہل عرب اور بنی اسماعیل کے نام سے مشہور ہوئے۔

بائبل کی کتاب پیدائش ۱:۲۵-۱۸ کی وضاحت کرتے ہوئے لارنس بوٹ لکھتا ہے:

These names also represent a variety of Arabian Tribes.²²

یہ نام مختلف عرب قبائل کی نمائندگی کرتے ہیں۔

’نیوجیر و سلیم بائبل‘ میں وضاحت ہے:

Ishmael's descendents are the North Arabian tribes.²³

شمالی عرب کے قبائل اسماعیل کی نسل سے ہیں۔

میکنزی اپنی لغاتِ بائبل میں لکھتا ہے:

He is the ancestor of a number of Arabian tribes.²⁴

وہ متعدد عرب قبائل کا جدِ اجداد ہے۔

یہ بات عربوں کی شاعری اور ان کے قصے کہانیوں میں بھی بڑی کثرت سے بیان ہوئی

ہے۔ قریش حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دوسرے بیٹے قیدار کی نسل سے ایک نہایت اہم قبیلہ ہے اور

یہ آغاز اسلام سے سینکڑوں، بلکہ ہزاروں سال پہلے سے گئے ہیں آباد تھا۔

حواشی باب نہم

1. NEB-Gen. 25:18.

2. KJV-Gen. 25:18.

ج. عربیہ فیلیکس، جنوبی عرب یا یمن کا قدیم نام ہے۔ جے۔ اے تھاہٹسن نے انٹر پرائز بائبل ڈسٹری ۱: ۷۹ میں وضاحت کی ہے:

Classical geographers, following Ptolemy (2nd century A.D.), divided the country into three parts: [1] Arabia Patrea, whose main city was Petra and which included Sinai, Edom, Moab, and E. Trans-Jordan; [2] Arabia Deserta, the Syrian Desert; and [3] Arabia Felix, "Fortunate Arabia," the S portion.

بطلموس (دوسری صدی عیسوی) کی پیروی میں کلاسیکل جغرافیہ نویسوں نے اس ملک کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ (۱) عربیہ پاتریا، جس کا اہم شہر پیٹرا تھا اور جس میں صحرائے سینائی، ادم، موآب اور شرق اردن شامل تھے، (۲) عربیہ ڈیزرتا، یا صحرائے شام اور (۳) عربیہ فیلیکس، یعنی خوش نصیب عرب، جس سے جنوبی حصہ مراد ہے۔

4. Easton's 1897 Bible Dic. in "Power Bible" CD, ROM Version.

5. W. Smith's Bible Dic., p. 235.

6. Enc. Judaica, CD-ROM Version.

7. The Jewish Enc., 6:266.

8. W. Smith's Bible Dic., p. 627.

9. Flavius, Antiquities, Book I, Ch. xii: 2, 4, p. 41.

۱۰۔ یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ اس 'Antiquities' کا مصنف فلیویس جوزیفس (قریباً ۳۷ تا ۱۰۰ء) آغاز اسلام سے پانچ صدی سے بھی زیادہ قبل وفات پا چکا تھا۔ الف ایل کراس 'اوسکسٹو ڈسٹری آف دی کریچن چرچ' میں لکھتا ہے:

He brought out c. 94 his second great work, the 'Antiquities of the Jews', the 20 books of which trace the history of the Jews from the creation of the world to the beginning of the Jewish war. (Oxf. Dic. of the Christian Church) (London, Oxf Univ. Press, 1974, p. 759).

اس نے قریباً ۹۴ء میں اپنی عظیم کتاب 'Antiquities of the Jews' شائع کی۔ اس کی بیس کتابیں آغاز آفریش سے جنگ یہود تک یہودیوں کی تاریخ پر مشتمل ہیں۔

یہ جو اُس نے لکھا ہے کہ 'جہاں تک عربوں کا تعلق ہے، وہ تیرہویں سال کے بعد ختمہ کرتے ہیں' اگر یہ بات واقعہ کے اعتبار سے درست ہو تو اس کا مطلب ہے کہ ختمہ کی یہ رسم زمانہ قبل اسلام کے عربوں سے تعلق رکھتی ہے۔ مسلمانوں کا معاملہ یہ نہیں۔ وہ تو اپنے بچوں کا ختمہ اُن کے ابتدائی دنوں میں خاص طور پر ساتویں دن کرتے ہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے نو اسوں حسن اور حسین کے ختمہ اُن کی پیدائش کے ساتویں دن کیے تھے۔ (مستدرک حاکم والبیہقی بروایت حضرت عائشہ)

۱۱ نیاوت حضرت اسماعیل علیہ السلام کا پہلا نیا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ پیڑا کے باتوں کا جید اعلیٰ ہو۔ اسی کی وجہ سے بلیوس جیسے قدیم جغرافیہ نویس شمالی عرب کو عرب یا پیڑا کے نام سے موسوم کرتے تھے۔

۱۲ قیدار عرب کے عظیم قبیلے قریش کا جد امجد تھا۔ محمد رسول اللہ ﷺ اسی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ (ملاحظہ کیجئے: جیوش انسائیکلو پیڈیا، ۷: ۲۶۲، لفظ 'قیدار')

۱۳ 'بائبل' کے معنی ہیں 'اللہ کا بندہ'، جسے عربی میں 'عبد اللہ' کہتے ہیں، لیکن بائبل نے اسے 'عدنیل' کا نام دیا ہے (کنگ جیمز ورژن، کتاب پیدائش ۱۳: ۲۵)۔ ہو سکتا ہے کہ کاتب کی غلطی کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہو۔

۱۴ بائبل میں اسے 'دواہ' لکھا گیا ہے (کنگ جیمز ورژن، کتاب پیدائش ۱۳: ۲۵)۔ اسی کی وجہ سے عرب کا ایک مشہور شہر 'دوہ' البندل کے نام سے منسوب ہے۔ تبوک کی مہم کے دوران رسول اللہ ﷺ نے اس کا محاصرہ کیا تھا۔

۱۵ بائبل میں اسے 'مشما' کا نام دیا گیا ہے (کتاب پیدائش ۱۴: ۲۵)۔

۱۶ بائبل میں اسے 'مسا' کا نام دیا گیا ہے (کتاب پیدائش ۱۴: ۲۵)۔

۱۷ بائبل میں اسے 'حد' کا نام دیا گیا ہے (کتاب پیدائش ۱۵: ۲۵)۔

۱۸ بائبل میں اسے 'تیا' کا نام دیا گیا ہے (کتاب پیدائش ۱۵: ۲۵)۔

۱۹ بائبل میں اسے 'نعش' کا نام دیا گیا ہے (کتاب پیدائش ۱۵: ۲۵)۔

۲۰ بائبل میں اسے 'قیدماہ' کا نام دیا گیا ہے (کتاب پیدائش ۱۵: ۲۵)۔

21. The Apocrypha and Pseudepigrapha of the OT, Vol. II Pseudepigrapha, Ed. Dr. R. H. Charles (Oxford: at the Clarendon Press, 1968), p. 43.

22. International Bible Com., Ed. William R. Farmer (Bangalore: TPI, 2004), 431.

23. Footnote 'b' on Gen 25:18 New Jerusalem Bible, p.47

24. McKenzie, Dic. of Bible, 1984, s.v. 'Ishmael', p.403.

کتاب یسعیاہ میں

ملکہ کے مقام پر قربانیاں پیش کرنے کا ذکر

بائبل کی کتاب یسعیاہ کے باب ساٹھ میں بیان کردہ پیشین گوئی آگے درج کی جا رہی ہے۔ ایک شہرہ آفاق مسلم صاحب علم قاضی سلیمان منصور پوری نے اسے اس مقصد کے لیے اپنی کتاب میں نقل فرمایا ہے اور وہاں چند سطروں میں اس کی وضاحت کی ہے۔ ان کی نقل کردہ پیشین گوئی کا تفصیلی مطالعہ مفید، بر محل اور ضروری ہے۔ اس کے متعلق تفصیلی حواشی، جو وافر حوالوں اور متعلقہ اقتباسات پر مشتمل ہیں، موقع ہی پر درج کر دیے گئے ہیں۔ تفصیل کی ضرورت اس لیے محسوس کی گئی ہے کہ کوئی نا کافی شہادت کا الزام نہ لگا سکے۔ متن کے ساتھ ساتھ ان حواشی کا بھی احتیاط سے مطالعہ ضروری ہے تاکہ عبارت کے آخر میں جو نتائج اخذ کیے گئے ہیں، ان کی اہمیت واضح ہو سکے۔ بعض حالات میں یہ موضوع سے براہ راست متعلق محسوس نہیں ہوتے، لیکن تصور واضح کرنے کے لیے ان کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ مناسب یہ ہوگا کہ اس پورے باب کے مکمل مطالعے کے بعد یہ آیات مع اپنے حواشی کے ایک دفعہ پھر پڑھ لی جائیں۔ اس طرح اس بات کا اندازہ ہو سکے گا کہ ان آیات سے جو نتائج اخذ کیے گئے ہیں، وہ مکمل طور پر بر محل اور مناسب ہیں:

اٹھ، منور ہو، کیونکہ تیرا نور آگیا، اور خداوند کا جلال تجھ پر ظاہر ہوا، کیونکہ دیکھ تاریکی زمین پر چھا جائے گی، اور تیری امتوں پر، لیکن خداوند تجھ پر طالع ہوگا، اور اس کا جلال تجھ پر نمایاں ہوگا۔ اور

ہاں دھرم کا کتاب بے عیالہ میں مکہ کے مقام پر قربانیاں پیش کرنے کا ذکر

تو میں تیری روشنی کی طرف آئیں گی، اور سلاطین تیرے طلوع کی تجلی میں چلیں گے۔ اپنی آنکھیں اٹھا کر چاروں طرف دیکھ۔ وہ سب کے سب اکٹھے ہوتے ہیں اور تیرے پاس آتے ہیں۔ تیرے بیٹے دور سے آئیں گے، اور تیری بیٹیوں کو گود میں اٹھا کر لائیں گے۔ تب تو دیکھے گی اور منور ہوگی۔ ہاں تیرا دل اچھلے گا اور کشادہ ہوگا، کیونکہ سمندر کی فراوانی تیری طرف پھرے گی، اور قوموں کی دولت تیرے پاس فراہم ہوگی۔ اونٹوں کی قطاریں اور مدیان اور عقیقہ کی ساڈنیاں آ کر تیرے گرد بے شمار ہوں گی۔ وہ سب سب سے آئیں گے، اور سونا اور لہان لائیں گے، اور خداوند کی حمد کا اعلان کریں گے۔ تیرا قیدار [قریش جو حضرت اسماعیل کے بیٹے قیدار کی نسل سے ہیں] کی سب بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی۔ نبیوت کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے۔ وہ میرے مذبح پر مقبول ہوں گے۔ اور میں اپنی شوکت کے گھر کو جلال بخشوں گا۔ یہ کون ہیں جو بادل کی طرح اڑے چلے آتے ہیں، اور جیسے کبوتر اپنی کا ہنک کی طرف؟ یقیناً جزیرے میری راہ دیکھیں گے، اور تریس کے جہاز پہلے آئیں گے کہ تیرے بیٹوں کو ان کی چاندی اور ان کے سونے سمیت دور سے خداوند تیرے خدا اور اسرائیل کے قدوس کے نام کے لیے لائیں۔ (...) اور تیرے پھانک ہمیشہ کھلے رہیں گے۔ وہ دن رات کبھی بند نہ ہوں گے، تاکہ قوموں کی دولت اور ان کے بادشاہوں کو تیرے پاس لائیں، کیونکہ وہ قوم اور وہ مملکت جو تیری خدمت گزاری نہ کرے گی، برباد ہو جائے گی۔ ہاں وہ تو میں بالکل ہلاک کی جائیں گی۔ (...) اور تیرے غارت گروں کے بیٹے تیرے سامنے بھٹکتے ہوئے آئیں گے، اور تیری تحقیر کرنے والے سب تیرے قدموں پر گر گئیں گے، اور وہ تیرا نام خداوند کا شہر، میں ہوں، اور اسرائیل کا قدوس رکھیں گے۔ اس لیے کہ تو ترک کی گئی اور تجھ سے نفرت ہوئی، ایسا کہ کسی آدمی نے تیری طرف گزر بھی نہ کیا۔ میں تجھے ابدی فضیلت اور پشت در پشت کی شادمانی کا باعث بناؤں گا۔ (...) پھر کبھی تیرے ملک میں ظلم کا ذکر نہ ہوگا، اور نہ تیری حدود کے اندر خرابی یا بربادی کا، بلکہ تو اپنی دیواروں کا نام نجات اور اپنے پھانکوں کا حمد رکھے گی۔ (...) تیرا سورج پھر کبھی نہ ڈھلے گا۔ اور تیرے چاند کو زوال نہ ہوگا، کیونکہ خداوند تیرا ابدی نور ہوگا، اور تیرے ماتم کے دن ختم ہو جائیں

گے۔ اور تیرے لوگ سب کے سب راستہ باز ہوں گے۔ وہ ابد تک ملک کے وارث ہوں گے، یعنی میری لگائی ہوئی شاخ اور میری دستکاری ٹھہریں گے، تاکہ میرا جلال ظاہر ہو۔^{۲۱}

ذیل میں چند ملاحظیات درج ہیں جن سے قاری کو مندرجہ بالا آیات کے صحیح مقام اور ان کے مضمرات کے ادراک میں مدد ملے گی:

۱۔ مندرجہ بالا عبارت میں بائبل کے مؤلفین کی طرف سے بڑی آزادی کے ساتھ تبدیلیاں کی گئی ہیں، جیسا کہ 'نیکوچر و سلم بائبل' کی آیت ۱۲، ۱۴ پر دیے گئے ملاحظیات سے ظاہر ہے جو اوپر متعلقہ ذیلی حاشیہ میں نقل کیے گئے ہیں۔ اس لیے ہر ہر آیت کو اس کی اپنی حیثیت کے مطابق قبول یا رد کیا جانا چاہیے۔

۲۔ بائبل کے اکثر مفسرین ان آیات کا تعلق پہلے سلیمانی کی تعمیر ثانی سے متعلق قرار دیتے ہیں جسے عام طور پر دوسرا ٹیمپل یا ڈیوڈ کا ٹیمپل کہتے ہیں۔ (پہلے سلیمانی کی تاریخ کا مختصر حال کتاب کے آخر پر درج شدہ ضمیمہ ۲ میں بیان کیا گیا ہے)۔

۳۔ بائبل کے اکثر علما کا خیال ہے کہ مندرجہ بالا عبارت کے مطابق یہ دوسرا 'ٹیمپل' پہلے ٹیمپل سے زیادہ شان دار ہونا چاہیے تھا۔^{۲۲} 'دی نیو اسکسٹرڈ ایجوٹینڈ بائبل' کا خیال ہے:

The new Jerusalem will surpass Solomon's city in beauty and tranquillity.²⁵

نیا یروشلم خوبصورتی اور امن و سکون میں سلیمان کے شہر سے بڑھ کر ہوگا۔

حقیقت حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ جے۔ ایل میکنزی اپنی لغت بائبل میں کہتا ہے:

It [The Second Temple] was no doubt of the same dimensions and structure as the temple of Solomon but much inferior in the richness of its decorations (Ezr 3:12; Hg 2:3).²⁶

یہ [دوسرا ٹیمپل] اپنی پیمائشوں اور ڈھانچے کے اعتبار سے بلاشبہ پہلے سلیمانی جیسا ہی تھا، لیکن زیبائش و آرائش کی شان و شوکت کے لحاظ سے اس کی نسبت بہت گھٹیا تھا (کتاب عزرا ۳: ۱۲)۔ کتاب حزقی ۲: ۳)۔

ڈبلیو سمٹھ اپنی لغت بائبل میں لکھتا ہے:

From these dimensions we gather that if the priests and Levites and elders of families were disconsolate at seeing how much more sumptuous the old temple was than the one which on account of their poverty they had hardly been able to erect, Ezra 3:12, it certainly was not because it was smaller; but it may have been that the carving and the gold and the other ornaments of Solomon's temple far surpassed this, and the pillars of the portico and the veils may all have been far more splendid; so also probably were the vessels; and all this is what a Jew would mourn over far more than mere architectural splendor.³⁷

ان پیمائشوں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اگر کاہن اور لاوی اور خاندانوں کے بزرگ یہ دیکھ کر غیر مطمئن تھے کہ پرانا ہیکل نئے ہیکل کی نسبت جو ان کی غربت کی وجہ سے بڑی مشکل سے تعمیر ہو سکا تھا (عزرا ۳: ۱۲)، کتنا عظیم الشان اور قیمتی تھا تو اس کی یہ وجہ نہ تھی کہ یہ ساز میں چھوٹا تھا، بلکہ اس کی وجہ یہ ہو سکتی تھی کہ ہیکل سلیمانی کے نقش و نگار اور سونا اور دوسرے زیورات اس سے کہیں زیادہ شان و شوکت والے تھے اور غلام گردش کے ستون اور پردے کہیں زیادہ شان دار تھے۔ برتن بھی غالباً ایسے ہی تھے۔ اور یہی وہ سب کچھ ہے جس پر ایک یہودی، محض تعمیراتی شان کی نسبت، کہیں زیادہ ماتم اور افسوس کر سکتا ہے۔

آر جے میک کلوی کہتا ہے: 'لیکن بنیادیں بھی یہ ظاہر کرتی تھیں کہ یہ [دوسرا ہیکل] ہیکل سلیمانی سے گھٹیا ہوگا۔' ³⁸ 'دی سیونٹھ ڈے ایڈونٹسٹ بائبل ڈکشنری' میں ہے کہ یہ ہیکل سلیمانی کے مقابلے میں تعمیر کے لحاظ سے گھٹیا تھا۔ پروفیسر ڈاکٹر جارج اے ہارٹن بیان کرتا ہے:

The dimensions of the building were probably the same as those of Solomon's Temple, though the edifice was apparently at first lacking in ornament. It was probably because the building was less ornate that the old men who had seen the former Temple wept at the sight of its successor.³⁹

اس عمارت کی پیمائشیں غالباً ویسی ہی تھیں، جیسی ہیکل سلیمانی کی۔ عمارت پہلی نظر میں آرائش و زیبائش سے محروم دکھائی دیتی تھی۔ وہ بڑے بوڑھے آدمی، جنہوں نے پہلے ہیکل کو دیکھا تھا، اس کے 'جائین ہیکل' کو دیکھ کر روتے تھے۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ یہ عمارت اتنی آراستہ و پیراستہ نہ تھی۔

۴۔ اگر کوئی شخص ان آیات کا مفہوم و مدعا متعین کرنے کے لیے مخلصانہ اور معروضی (غیر جانب دارانہ) تنقیدی مطالعہ کرے تو وہ صرف ایک ہی نتیجے پر پہنچے گا کہ یہ آیات صاف اور واضح طور پر صرف ان قربانیوں سے متعلق نظر آتی ہیں جو قدیم زمانے سے مکہ میں کعبے کے زائرین (حجاج) سرانجام دیتے آئے ہیں۔ یہ آیات کسی طرح بھی دوسرے یا زرد بابل کے ہیکل سے متعلق قرار نہیں دی جاسکتیں۔ درج ذیل نکات کی مدد سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جائے گی: ایک تو یہ کہ ہیکل ثانی ہیکل سلیمانی سے زیادہ شان دار نہ تھا (خواہ اس شان و شوکت سے روحانی شوکت ہی کیوں نہ مراد لی جائے)، جیسا کہ بعض علماء مراد لیتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ غیر یہودی اقوام اور بادشاہ دوسرے ہیکل کی روشنی اور طلوع کی چمک دمک کے پاس کبھی نہیں آئے (آیت ۳)۔ صرف یہودیوں کی ایک مختصر سی تعداد ہی تھی جو اس کی زیارت کرتی تھی۔ اور وہ بھی اس وقت جب انھیں جلا وطنی سے واپسی کی اجازت مل گئی تھی۔ یہ زمانہ ۵۱۵ ق م سے ۷۰ ق م تک کا ہے۔ اس کے بعد یہودیوں کا یہ دوسرا ہیکل بھی تباہ و برباد کر دیا گیا تھا۔ اور پچھلی تقریباً بیس صدیوں سے اس کا صفحہ ہستی پر کوئی وجود نہیں۔ اس ۵۱۵ ق م سے ۷۰ ق م کے زمانے کے دوران میں بھی متعدد مرتبہ اس ہیکل اور یہودیوں کو شدید مصائب سے گزرنا پڑا (ملاحظہ ہو ضمیمہ ۳ ہیکل سلیمانی کی تاریخ کا ایک مختصر خاکہ)۔

تیسری بات یہ کہ نہ تو کبھی سمندر کے کثیر اموال یا کثیر سمندری لوگ یہودی قوم کی طرف منتقل ہوئے اور نہ کبھی غیر یہودی اقوام کی افواج نے یہودی عقائد کی صداقت یا ان کے دوسرے ہیکل کی عظمت قبول کی (آیت ۵)۔

چوتھی بات یہ کہ ایسی کوئی روایت موجود نہیں کہ عرب کے زائرین و حجاج (مدیان، عیفاہ اور شہبا کے لوگ جو قطورہ کے بطن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سلیس ہیں) کے اونٹوں کے جھنڈ کبھی خداوند کی حمد کے ترانے گاتے ہوئے اس دوسرے ہیکل کی زیارت کے لیے آیا کرتے ہوں (آیت ۶)۔

پانچویں بات یہ کہ ایسی کوئی روایت موجود نہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیٹوں قیدار اور نابوت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسلیں (عرب قومیں) کبھی دوسرے ہیکل کے گرد جمع ہوئی ہوں، یا انھوں نے اس دوسرے ہیکل پر کبھی ریوڑوں اور دہنوں کی قربانیاں پیش کی ہوں، جو خداوند کے چوتھے پر قربانی کی حیثیت سے قبول کر لی گئی ہوں (آیت ۷)۔

چھٹی بات یہ کہ یہ بات کسی طرح دوسرے ہیکل پر لاگو نہیں ہوتی کہ تیرے دروازے لگا تار کھلے رہیں گے، وہ دن یارات میں کسی وقت بند نہ ہوں گے، لوگ غیر یہودی اقوام کی افواج تجھ پر لائیں گے، اور یہ کہ ان کے بادشاہ لائے جائیں گے (آیت ۱۱)۔ دروازوں کا تو ذکر ہی کیا، وہاں تو پچھلے دو ہزار سال سے سرے سے ہیکل کی کوئی عمارت ہی صفحہ ہستی پر موجود نہیں۔

ساتویں بات یہ کہ اقوام کی تاریخ میں کسی وقت بھی ایسا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا کہ اہل بابل کے وہ بیٹے، جنھوں نے یہودیوں کو عذاب میں مبتلا کیا تھا، یہود کے پاس سرنگوں ہو کر آئے ہوں۔ اور وہ سب لوگ، جنھوں نے ان یہود سے نفرت کا اظہار کیا تھا، اپنے آپ کو ان یہود کے پاؤں کے تلووں کے نیچے جھکا یا ہو، جیسا کہ آیت ۱۴ میں دعویٰ کیا گیا ہے۔ جہاں تک کعبے کا تعلق ہے تو جو یمنی افواج اپنی کعبے کو نقصان پہنچانے کی بدینہ کی وجہ سے پوری طرح تباہ و برباد کر دی گئی تھیں، ان کی نسلیں باقاعدگی سے پورے جوش عقیدت کے ساتھ اس (کعبے) کی زیارت کے لیے حاضر ہوتی چلی آرہی ہیں۔

آٹھویں بات یہ کہ دوسرے ہیکل یا یہودیوں کے بارے میں یہ بات کسی طرح بھی نہیں کہی جاسکتی: 'میں تجھے ابدی افتخار کی چیز اور تمام نسلوں کی مسرت بناؤں گا' (آیت ۱۵)۔

نویں بات یہ کہ دوسرے ہیکل کے بارے میں یہ بات بھی درست نہیں کہ تیری سرزمین میں آئندہ کبھی تشدد کے بارے میں کوئی بات نہ سنی جائے گی۔ تیری سرحدوں میں نہ تباہی ہوگی نہ بربادی، بلکہ تو اپنی دیواروں کو نجات کبے گا اور اپنے دروازوں کو تہ (آیت ۱۸)۔

دسویں بات یہ کہ دوسرے ہیکل یا اسرائیلیوں کے بارے میں یہ دعویٰ بھی نہیں کیا جاسکتا

کہ تیرا سورج کبھی نہیں ڈھلے گا، نہ تیرا چاند کبھی غائب ہوگا، کیونکہ خداوند تیری ابدی روشنی ہوگا اور تیرے ماتم کے دن ختم ہو جائیں گے۔ (آیت ۲۰)، کیونکہ دوسرے ہیکل اور اسرائیلیوں نے اتنی زیادہ بد بختیاں اور نشیب و فراز دیکھے ہیں جو اس دعوے کو صریحاً جھٹا رہے ہیں کہ خداوند تیری ابدی روشنی ہوگا۔

گیارہویں بات یہ کہ اسرائیلیوں کا کردار اور ان کی حیثیت اس دعوے کے سراسر خلاف ہے جو آیت ۲۱ میں کیا گیا ہے، یعنی تیرے لوگ بھی تمام کے تمام نیکوکار ہوں گے وہ اس سرزمین کے ہمیشہ کے لیے وارث ہوں گے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ نیکوکار ہونے کے بجائے وہ بدکار، سودخور اور سرمایہ پرست بن کر رہ گئے۔ اور اُن سرزمین کے ہمیشہ کے وارث ہونے کے بجائے، اس سے دھتکارے جا کر دور کی ٹھوکریں کھانا ان کا مقدر بن رہا۔ اور اب جو انھیں وہاں دوبارہ ممکن نصیب ہوا ہے تو اس سرزمین میں رحم دلی، بے لاگ انسانی ہمدردی، خدا ترسی اور نیکوکاری کے بجائے انھوں نے جس طرح ظلم و بربریت اور لوٹ کا بازار گرم کیا ہے، اُسے کسی طرح بھی نیکوکاری نہیں کہا جاسکتا۔

مندرجہ بالا تنقیدی و تحلیلی مطالعے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اپنے تمام معانی کی لطافتوں اور مضمرات سمیت کتاب یسعیاہ کے باب ساٹھ کے الفاظ کا دوسرے ہیکل یا اسرائیلیوں سے کوئی تعلق نہیں۔

۵۔ کتاب یسعیاہ کے باب ساٹھ کا دوسرے ہیکل یا یہودیوں پر اطلاق مکمل طور پر مسترد ثابت ہو چکا ہے۔ البتہ اس کی آیات کا متعین مفہوم دریافت کرنے کی کوشش کی جانی باقی ہے۔ اگر کوئی شخص ان آیات کا مفہوم اور مضمرات متعین کرنے کی خلصانہ اور غیر جانب دارانہ کوشش کرے تو وہ ایک ہی نتیجہ پر پہنچے گا، اور وہ یہ کہ یہ آیات صاف اور واضح طور پر صرف ان قربانیوں سے تعلق رکھتی ہیں جو زمانہ قدیم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کی یادگار کے طور پر حاجی لوگ کے میں خانہ کعبہ کے قریب پیش کرتے تھے۔ ذیل

میں چند ملاحظیات درج ہیں جو ان آیات کے تحلیلی مطالعے پر مبنی ہیں۔ اس سے ان آیات کی اہمیت، مقصد اور اصل حیثیت کا ادراک کرنے میں مدد حاصل ہوگی:

(۱) آیت ۳ میں کہا گیا ہے: 'اور غیر یہودی قومیں [N.I.V] اور اکثر دوسرے تراجہ کے مطابق اقوام] تیری روشنی کی طرف آئیں گی اور بادشاہ تیرے عروج و طلوع کی روشنی کی طرف'۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ جب تک یہ ہیکل یہودیوں کے قبضے میں رہا، غیر یہودی اقوام کو اصل اور مرکزی ہیکل میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ اگر کوئی غیر یہودی اس حرم میں داخل ہونے کی جسارت کرتا تو اسے سزائے موت دے دی جاتی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہیکل کے ساتھ غیر قوموں کے لیے بھی ایک محن موجود تھا، لیکن یہ حرم کے اندر نہیں، بلکہ اس سے باہر واقع تھا۔ 'غیر یہودیوں والے محن میں ہر شخص کو آنے کی اجازت تھی۔ یہ ہیکل دوسرے دالانوں سے ایک جنگلے کے ذریعے سے جدا کیا گیا تھا، اور اس پر یہ تختی لکھ کر لگائی ہوئی تھی کہ غیر یہودیوں کا اندرونی صحنوں میں داخلہ منع ہے، اور اس کی سزا موت ہے'۔ جب یہودی ہیکل سے ہمیشہ کے لیے بے دخل کر دیے گئے تو اس کی عمارت بھی تباہ و برباد کر دی گئی اور زمین نامی اس سیارے پر پچھلی بیس صدیوں سے ایسے کسی ہیکل کا وجود نہیں۔ اگر اسرائیل کی حکومت اس ہیکل کو دوبارہ تعمیر کر لیتی ہے، جس کے لیے یہ سرتوڑ کوششیں کر رہی ہے اور جس کا امکان بھی موجود ہے کہ یہ یہودی اپنے اس ارادے میں کامیاب ہو جائیں گے، تو اس کے بعد پھر یہ حرم غیر یہودی النسل لوگوں کے لیے ممنوع قرار پائے گا۔ صرف مکہ کا حرم ہی وہ حرم ہے جہاں قدیم زمانے سے ساری دنیا کی تمام قوموں کے مسلمان باقاعدگی سے حج و عمرہ کے لیے آ رہے ہیں۔

(۲) آیت ۴ کے ان الفاظ کا اطلاق کبھی دوسرے ہیکل پر نہیں کیا جاسکتا کہ 'اپنی آنکھیں ادھر ادھر اٹھاؤ اور دیکھو وہ سب اپنے آپ کو وہاں جمع کر رہے ہیں۔ وہ تیرے پاس آتے ہیں۔ تیرے فرزند دور سے آئیں گے اور تیری بیٹیاں تیرے پہلو میں پرورش پائیں گی۔' [GNB] نے اس کا ترجمہ بہتر انداز میں اس طرح کیا ہے: 'تیری بیٹیاں اس طرح اٹھا کر لائی جائیں گی جس

طرح نیچے اٹھا کر لائے جاتے ہیں، لیکن جہاں تک کیے کا تعلق ہے، یہ الفاظ اپنے ہر مفہوم کے اعتبار سے اس پر کلیہً منطبق ہوتے ہیں۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ قرآن کریم نے حج اور وہاں پیش کی جانے والی قربانیوں کا مظران الفاظ میں پیش کیا ہے:

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ
وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ . وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ
ضَامِرٍ بِأَكْبُوسٍ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ . لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ
مَعْلُومَاتٍ عَلَى مَا رَزَقْنَاهُمْ مِنْ بَيْمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطِيعُوا أَمْرَ الْبَيْتِ الْغَيْرِ . ثُمَّ
لْيَنْقَضُوا عَنْهُمْ وَلْيَرْفَعُوا أَيْدِيَهُمْ وَأَلْطُفُوا بِالْبَيْتِ الْعَمِيقِ . ذَلِكَ وَمَنْ يُعْظَمْ
حُرْمَاتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَأَحْلَلْتُمْ لَكُمْ الْأَنْعَامَ إِلَّا مَا يُنْتَلَى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا
الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ حُفَّاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِِكِينَ بِهِ وَمَنْ يُشْرِكْ
بِاللَّهِ فَكَانَتْ لَهُ مِنْ السَّمَاءِ فَتْحُفُهُ الطَّيْرُ أَوْ يَهْوَى بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ .
ذَلِكَ وَمَنْ يُعْظَمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ !

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے لیے اس گھر، یعنی خانہ کعبہ کی [اس ہدایت کے ساتھ] جگہ تجویز کی تھی کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا، اور [تمہیں حکم دیا تھا کہ] میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو، اور لوگوں کو حج کے لیے اذن عام دے دو کہ وہ تمہارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار ہو کر آئیں، تاکہ وہ قائمہ دیکھیں جو یہاں اُن کے لیے رکھے گئے ہیں، اور چند مقرر دنوں میں اُن جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اُس نے انہیں عطا کیے ہیں۔ [اور انہیں ہدایت کر دو کہ] اس میں سے خود بھی کھاؤ اور تنگ دست محتاج کو بھی دو۔ پھر [انہیں چاہیے کہ] وہ اپنا میل پچھل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں، اور اس قدیم گھر کا طواف کریں۔ یہ (تو تھا کہ جس کی تفسیر کا مقصد)۔ اور جو کوئی اللہ کی قائم کردہ حرماتوں کا احترام کرے تو یہ اُس کے رب کے نزدیک خود اُسی کے لیے بہتر ہے۔ اور

تمہارے لیے موسیٰ جانور حلال کیے گئے، سوائے اُن چیزوں کے جو تمہیں بتائی جا چکی ہیں۔ پس بتوں کی گندگی سے بچو، جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو، یک سو ہو کر اللہ کے بندے بنو، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے تو گویا وہ آسمان سے گر گیا، اب یا تو پرندے اسے اچک لے جائیں گے یا ہوا اس کو ایسی جگہ لے جا کر پھینک دے گی جہاں اس کو پیش کر رکھ دیا جائے گا۔ یہ (ہے اصل معاملہ۔ اسے سمجھ لو)، اور جو اللہ کے مقرر کردہ شعائر کا احترام کرے تو یہ بات دلوں کے تقویٰ کا مظہر ہے۔

(۳) دوسرے پیکل کے بارے میں یہ بات کسی طرح بھی نہیں کہی جاسکتی، جیسا کہ آیت ۵ کا دعویٰ ہے کہ 'مسندوں' (کے مال و اسباب) کی کثرت تیری طرف منتقل کی جائے گی۔ غیر یہودی اقوام کی انواع تیرے پاس آئیں گی، یہ بات صرف مکہ معظمہ کے کعبے ہی پر صادق آتی ہے کہ اگرچہ یہ ایک بنجر سرزمین میں واقع ہے، پھر بھی یہاں دنیا بھر کے ہر قسم کے مال و اسباب فراوانی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ پھر یہ مکہ ہی ہے جہاں پوری دنیا سے غیر یہودی النسل مسلمان اہل ایمان (مرد اور عورت) اپنے تمام متاع و اسباب کے ساتھ بحری، بری اور ہوائی راستوں سے اکٹھے ہوتے ہیں۔ یہ جو آٹھویں آیت میں فرمایا گیا ہے، 'یہ کون ہیں جو بادل کی طرح اڑے چلے آتے ہیں اور جیسے کبوتر اپنی کابک کی طرف، تو لاکھوں حاجیوں کے ساتھ جوق در جوق ہوائی جہازوں کا اترنا اس کی مکمل تصویر پیش کرتا ہے۔ اور یہ منظر دنیا کے اور کسی بھی معبد کے لیے آنے والی پروازیں پیش نہیں کرتیں۔

(۴) دوسرے پیکل کے متعلق یہ دعویٰ کون کر سکتا ہے، جیسا کہ آیت ۶ میں کیا گیا ہے، کہ 'اونٹوں کے جھوم تمہاری سرزمین کو ڈھانپ لیں گے، میدان اور عیفاہ کے نوجوان اونٹ، وہ سب شیبہ سے آئیں گے، وہ سونا اور خوشبوئیں لائیں گے، اور وہ خداوند کی حمدوں کے ترانے بلند آواز میں بیان کریں گے'۔ دنیا کی تاریخ کے کسی مرحلے میں ایسا واقعہ رونما نہیں ہوا کہ عرب اقوام کے اتنے بڑے جھوم کبھی اونٹوں کے قافلوں کی صورت میں یروشلم کے حرم کی طرف گئے ہوں۔ جہاں

تک حرم مکہ اور وہاں پیش کی جانے والی قربانیوں کا تعلق ہے، آیت کے یہ الفاظ اُس پر حرف بہ حرف صادق آتے ہیں۔ یہ بات بھی قابل التفات ہے کہ تخریج کرام تبلیہ کے الفاظ بلند آواز سے ادا کرتے ہیں (جن کا ایک حصہ یہ ہے: 'اے اللہ، سب تعریف تیرے ہی لیے ہے')، جیسا کہ بائبل میں درج ہے: 'وہ خداوند کی حمد کا اعلان یا اظہار کریں گے۔' [بلند آواز سے اور کھلم کھلا اعلان کریں گے]۔

(۵) روئے زمین پر کوئی شخص 'دوسرے میل' کے متعلق ساتویں آیت کے اس دعوے کی تائید نہیں کر سکتا کہ 'قیدار' کے تمام ریوڑ تیرے پاس جمع کیے جائیں گے۔ نبیوت کے دہنے تیری خدمت میں پیش ہوں گے۔ وہ میری قربان گاہ پر آئیں گے اور شرف قبولیت پائیں گے اور میں اپنی عظمت کے گھر کو شان و شوکت دوں گا۔' قیدار اور نبیوت حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فرزند ہیں اور ان کی نسل ہزاروں سال سے سرزمین عرب میں آباد ہے۔ ان میں یہ دخلم کی زیارت کرنے اور وہاں قربانیاں پیش کرنے کی کبھی کوئی رسم و روایت نہیں رہی۔ دوسری طرف جدید دنیا کا ہر صاحب علم انسان جانتا ہے کہ سرزمین عرب کے باشندے زمانہ قدیم سے حج و زیارت کے لیے حرم مکہ کی طرف آتے رہے ہیں۔ کیا یہ بات اس حقیقت کا تقفی بخش ثبوت نہیں ہے کہ کتاب یسعیاہ کے باب ساٹھ کی مندرجہ بالا آیات واضح طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل کی طرف سے حرم مکہ پر قربانیاں پیش کرنے سے متعلق ہے۔ مزید برآں یہ بات بھی قابل التفات ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے گھر کو کیوں کر عظمت بخشے گا جو صفیہ ہستی پر مبنی ہے وجود ہی نہیں رکھتا۔ یہ صرف مکہ کے مقام پر اللہ تعالیٰ کی عظمت والا گھر ہی ہے جو زمانہ قدیم سے حفظ و امان کے ساتھ قائم و دائم ہے، جسے ہر مفہوم کے اعتبار سے شان و شوکت دی جاسکتی ہے، اور فی الواقع دی بھی گئی ہے۔ P.H. Kelley نے اس آیت کی اس طرح تشریح کی ہے کہ 'سرزمین عرب کے قبائل بھی دنبوں اور ریوڑوں کی قربانیاں اور نذریں پیش کرتے ہیں'۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ سرزمین عرب کے قبائل کبھی یہ دخلم کی طرف اپنی قربانیاں پیش کرنے کے لیے نہیں جاتے تھے۔ ان کے درمیان

جو روایت چلی آرہی ہے، وہ یہ ہے کہ وہ مکے کی طرف قربانیاں لے کر جاتے ہیں، جو ان کے حج کی ایک اہم رسم عبادت ہے۔

(۶) آیت ۹ میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ 'یقیناً جزائر میرے منتظر ہوں گے یا میری خدمت میں حاضر ہوں گے اور طریش کے بحری جہاز پہلے تیرے فرزندوں کو دروازے سے لے کر آئیں گے۔' طریش بنین کے جنوبی ساحل پر واقع تھا، جیسا کہ متعلقہ حاشیے میں وضاحت کی گئی ہے۔ جب تک یروشلم کا بیکل قائم تھا، اس وقت تک کسی ہسپانوی کے اس پر قربانی پیش کرنے کے لیے آنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا، جبکہ دوسری طرف صورت حال یہ ہے کہ پہلی صدی ہجری ہی میں بنین پر عربوں کا قبضہ ہو گیا تھا اور وہاں ان کی بستیاں بھی قائم ہو چکی تھیں۔ اہل عرب جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے پیدا ہونے کے ناتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند ہیں، باقاعدگی سے حرم مکہ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا کرتے تھے تاکہ عمرہ (چھوٹا حج، جو سارا سال ہوتا رہتا ہے) اور حج ادا کریں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربانی کے لیے پیش کرنے کی یاد منائیں۔

(۷) جہاں تک آیت ۱۱ کا تعلق ہے کہ 'تیرے دروازے لگاتار کھلے رہیں گے وہ دن یا رات میں کسی وقت بند نہ ہوا کریں گے' تو اس سلسلے میں گزارش ہے کہ اس کتاب کے مصنف کو بذات خود حرم مکہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے اور اس نے بذات خود یہ بات دیکھی ہے کہ مکہ میں حرم کعبہ کے دروازے دن رات کے چوبیس گھنٹے کھلے رہتے ہیں اور یہ صدیوں کی روایت ہے۔ جہاں تک 'دوسرے بیکل' کا تعلق ہے تو جب اس طرح کی کوئی عمارت سرے سے موجود ہی نہیں تو اس کے دروازے کہاں سے آئیں گے۔ اس طرح ان کے دن رات کھلے رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۸) آیت ۱۴ میں دعویٰ کیا گیا ہے: 'جن لوگوں نے تجھ پرستم ڈھائے ہیں، ان کے بیٹے بھی سر جھکائے تیری بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ اور وہ تمام بھی، جنہوں نے تجھ سے نفرت کا اظہار کیا،

تیرے پاؤں کے تلووں کے نیچے اپنے آپ کو جھکائیں گے۔ اور وہ تجھے خداوند کا شہر اور اسرائیل کے مقدس کا صیہون کہیں گے۔' یہ بات حرم مکہ پر حرف بہ حرف پوری اترتی ہے۔ جنوری ۶۳۰ء میں پیغمبر اسلام کے ہاتھوں فتح مکہ کے موقع پر اس کا عملی مظاہرہ سامنے آیا۔ جہاں تک اس ترکیب کا تعلق ہے کہ اسرائیل کے مقدس کا صیہون تو سیاق و سباق کے لحاظ سے یہ بات کسی طرح موزوں نہیں ہے۔ یہ صریحا یا تو بعد کے کسی مؤلف کا اضافہ ہے یا پھر کسی مفسر کی تشریح ہے۔ 'خداوند کا شہر' بیت اللہ کا بعینہ ترجمہ ہے جو عربی زبان میں خانہ کعبہ کا نام ہے۔

(۹) آیت ۱۵ کا ابتدائی حصہ 'جبکہ تجھے چھوڑا گیا ہے اور نفرت کی گئی ہے' صریحا حضرت ہاجرہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور متعلقہ حاشیے میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ یہ صورت ایک، فراق میں تنہا چھوڑی ہوئی، بیوی کی ہے (بحوالہ 'ذلولی تفسیر' اور 'سیونتھ ڈے ایڈوانٹس تفسیر بائبل')۔ جہاں تک آیت کے آخری جملے کا تعلق ہے، یعنی 'میں تجھے ایک ابدی عظمت بناؤں گا اور بہت سی' اصل میں 'بہت سی' کی جگہ لفظ 'تمام' ہونا چاہیے تھا، جیسا کہ N.I.V. وغیرہ نے اس کا ترجمہ کرتے وقت لکھا ہے [نسلوں کی مسرت، تو ابدی عظمت اور تمام نسلوں کی مسرت] کے الفاظ کا اطلاق یروشلم کے بیکل پر کسی طرح نہیں کیا جاسکتا۔ یہ صرف حرم مکہ ہی ہے جس پر ان الفاظ کا ہر لحاظ سے اطلاق ہوتا ہے۔

(۱۰) آیت ۱۸ میں ہے: 'تیری سرزمین میں آئندہ کبھی تشدد نہ سنا جائے گا، نہ حیرت سرحدوں کے اندر تباہی و بربادی [ہوگی]، لیکن تو اپنی دیواروں کو نجات اور اپنے دروازوں کو حمد کہے گا۔' یروشلم اور اس کے بیکل کے تشدد، تباہی اور بربادی سے محفوظ ہونے کا تو ذکر ہی کیا، یہ تو پچھلے دو ہزار سال سے صفحہ ارضی پر موجود ہی نہیں ہے۔ اس آیت کے الفاظ کا اطلاق یروشلم کے بیکل پر کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ یروشلم کے بیکل کی تاریخ کا ایک خاکہ کتاب کے آخر میں ایک ضمیمے میں دیا گیا ہے، وہاں یہ بات ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ دوسری طرف حرم مکہ پر اس کا حرف بہ حرف اطلاق ہوتا ہے۔

(۱۱) آیت ۲۱ میں ہے: 'تیرے لوگ بھی تمام نیک ہوں گے، وہ اس سرزمین کے ہمیشہ کے لیے وارث ہوں گے'۔ یہودیوں کے متعلق یہ دعویٰ کون کر سکتا ہے کہ وہ سرزمین یروشلم کے ہمیشہ کے لیے وارث رہے ہیں؟ دوسری طرف ہر صاحب علم شخص جانتا ہے کہ اہل عرب حرم مکہ پر زمانہ قدیم سے قابض چلے آ رہے ہیں۔ جہاں تک آیت کے آخری الفاظ 'میری شان اور عظمت بیان کی جائے' کا تعلق ہے تو جس کسی نے بھی حرم کعبہ کا حج یا عمرہ کیا ہو، وہ اس بیان کی تصدیق کرے گا۔

حواشی باب دہم

۱۔ ڈاکٹر ڈبلیو بی فینئر، چرچ آف سکاٹ لینڈ، گلاسگو، نیو بائبل کنٹری میں کتاب یسعیاہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے صفحہ ۶۰۴ پر لکھتا ہے:

This is a prophecy of great beauty, thrilling with the joy of a great assurance that the purpose of God is so triumphantly to be fulfilled in the earth.

یہ بہت حسین و شہین گوئی ہے، جو اس عظیم الشان یقین دہانی کی مسرت سے محفوظ کرتی ہے کہ زمین میں اللہ تعالیٰ کا مقصد بڑی کامیابی کے ساتھ پورا ہونے والا ہے۔

۲۔ قاضی سلیمان منصور پوری، رحمۃ اللعالمین، (دہلی، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۱ء)، ۱۹۶:۱۰۔

۳۔ کیرل شوہل موکلر دی جیروم بائبل کنٹری میں (صفحہ ۳۸۲ پر) بیان کرتا ہے:

These chapters (60-62), especially ch. 60 according to Dhorme (op. cit., xlvii), are a lyrical description of the new Jerusalem.

یہ ابواب (۶۰-۶۲)، بالخصوص باب ۶۰، دھورمے (حوالہ بالا ۴۷) کے مطابق نئے یروشلم کا غنائی بیان ہے۔

وہ باب ۶۰ کی تشریح کو نئے یروشلم کی شان و شوکت کا عنوان دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس باب ۶۰ کا تعلق دوسرے بیکل سے قرار دیا جاتا ہے۔ ہیکل سلیمانی کا ایک مختصر بیان کتاب کے اخیر میں ایک ضمیمے میں درج ہے۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ یروشلم ایک با معنی لفظ ہے، اس کے دو حصے ہیں: شہر یا جگہ، اور شلم = امن۔ اس طرح یروشلم کے معنی ہوئے: 'امن کا شہر یا مقام'۔ بائبل میں بغیر کسی وضاحت کے دو یروشلموں کا ذکر ہے۔ پہلا اور پرانا 'امن کا شہر' تو کنعان والا یروشلم ہی ہے جو حضرت ابراہیم سے بھی پہلے وہاں موجود تھا۔ دوسرا اور نیا 'امن کا شہر' مکہ ہے، جس کی بنیاد حضرت ابراہیم نے رکھی تھی

باب دہم: کتاب یسعیاہ میں مکہ کی مقلد ہر قربانیاں پیش کرنے کا ذکر

اور جس کا قرآن کریم میں 'البلد الامین' کے نام سے ذکر ہے۔ لفظ کے ہر مفہوم کے اعتبار سے صرف مکہ ہی یروشلیم، من کا شہر ہے، اس موضوع پر مصنف کی ایک اور کتاب میں تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

۴۔ سون کیونقناش نامی یہودی تفسیر بائبل (صفحہ ۱۱۳۴) سے یہاں ایک ذیلی حاشیہ درج کیا گیا ہے:

This is addressed to Jerusalem. Light being the symbol of joy and salvation, Jerusalem is told that the light had been rekindled (K).

اس کا خطاب یروشلیم سے ہے۔ کیونکہ روشنی سرت اور نجات کی علامت سمجھی جاتی ہے، اس لیے بتایا گیا ہے کہ یروشلیم میں روشنی دوبارہ فروزاں کی گئی ہے۔

یروشلیم کی تاریخ کے لیے کتاب کے اخیر میں ضمیرہ ملاحظہ کیجیے۔

۵۔ NIV نے اس لفظ کا ترجمہ 'اقوام' (Nations) کیا ہے۔ بالعموم اس لفظ 'Gentile' کے معنی 'یہودیوں کے علاوہ دوسری تمام اقوام' ہیں۔

۶۔ دی ریورینڈ ڈاکٹر آئی ڈبلیو سلونکی نے 'کتاب یسعیاہ پر انگریزی ترجمہ تفسیر' (مطبوعہ لندن، دی سون کیونپریس، ۱۹۴۹ء) میں صفحہ ۲۹۲ پر ایک عمدہ ذیلی حاشیہ درج کیا ہے:

The nations will learn the ways of God, religion and morality, from [you].

قومیں [تم] سے خداوند کی راہیں، مذہب اور اخلاق سیکھیں گی۔

یہ مصیہو ہنری کی عہد نامہ قدیم وجدید کی تفسیر (۳۵:۵) میں وضاحت کی گئی ہے:

'kings' means: 'men of figure, power, and influence'.

'بادشاہوں' کا مطلب ہے: 'خوب صورت، طاقت ور اور اثر و رسوخ والے لوگ'۔

۷۔ ڈاکٹر ڈبلیو پی 'محولہ بالا' نیو بائبل کنٹری (صفحہ ۶۰۴) پر لکھتا ہے:

Then will the city be the centre of the world's light, for the glory of the everlasting God will rest upon her and will radiate around the world.

اس وقت یہ شہر دنیا کی روشنی کا مرکز ہوگا، کیونکہ ازل وابدی خداوند اس پر قائم رہے گا اور پوری دنیا کے ارد گرد روشنی پھیلائے گا۔

یہاں یہ بات قابل ملاحظہ ہے کہ 'ہیکل دوم' کو یسعیاہ کے بعد کبھی ایسی شان و شوکت حاصل نہیں ہوئی جیسی یہاں بیان کی گئی ہے۔ یہ صرف مکہ کا خانہ کعبہ ہی ہے جس کے متعلق اس شان و شوکت اور عظمت

کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے۔

۹. مٹھیو ہنری اپنی 'عہد نامہ قدیم و جدید کی تفسیر' جلد ثانی، (NY: An Exposition of the O & NT (NY: Robert Carter & Bros., 530, Broadway, 1712) آ. ۳۵ پر رقم طراز ہے:

When the Jews were settled again in their own land after their captivity, many of the people of the land joined themselves to them; but it does not appear that there ever was any such numerous accession to them as would answer the fulness of this prophecy; and therefore we must conclude that this looks further, to the bringing of the Gentiles into the [naturally, the forthcoming words should have been 'fold of that altar or sanctuary'; but it is the dexterity and adroitness of the worthy commentator that he manipulates to interpret it in the following terms] gospel church, not their flocking to one particular place, though under that type it is here described. There is no place now that is the centre of the church's unity [thanks are due to accept this bare fact, which was, of course, unavoidable; but...]; but the promise respects their flocking to Christ, and coming by faith, and hope, and the holy love, into that society which is incorporated by the charter of his gospel, and of the unity of which he only is the centre.

جب یہودی اپنی جاوطنی کے بعد دوبارہ اپنی سرزمین میں آباد ہوئے تو اس سرزمین کے بہت سے لوگوں نے ان میں شمولیت اختیار کر لی، لیکن ایسا ظاہر نہیں ہوتا کہ ان کے ساتھ اتنی کثیر تعداد میں کسی الحاق ہوا ہے جس سے یہ پیشین گوئی مکمل طور پر پوری قرار دی جاسکے، اس لیے ہمیں لازماً یہ نتیجہ اخذ کرنا چاہیے کہ یہ کسی مستقبل کے واقعے کی طرف اشارہ کرتی ہے، یعنی انجیلی کلیسیا میں 'غیر یہودی قوموں کو شامل کرنا' نہ کہ ان کا کسی خاص جگہ پر اجتماع، اگرچہ یہاں پر جو کچھ بیان کیا گیا ہے، اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے [فطری بات ہے کہ 'غیر یہودی قوموں کو شامل کرنا' کا تعلق اس حرم یا قربانی کے چہرے کے دائرے میں ہونا چاہیے، لیکن یہاں لائق مفسر کی مہارت و ذہانت کو داد دینی پڑتی ہے کہ اس نے کیسی چابک دستی سے مفہوم کیا سے کیا بنا دیا ہے: 'جو چاہے آپ کا حسین کرشمہ ساز کرے'۔] اب [دنیا میں] کوئی ایسی جگہ نہیں جو کلیسا کے اتحاد کا مرکز ہو، لیکن یہ وعدہ ان کے مسیح کے پاس اکٹھا ہونے سے متعلق ہے۔ اور ایمان اور امید اور مقدس محبت کی بدولت اس سوسائٹی میں داخل ہونے سے متعلق ہے جو اس انجیل و بشارت کے ذریعے سے عمل میں آیا ہے اور اس اتحاد سے متعلق ہے جس کا مرکز صرف وہی [مسیح] ہے۔

مسیحی علماء، عہد نامہ قدیم کی سادہ سی عبارتوں کو توڑ مروڑ کر کس مہارت سے حضرت یسوع مسیح یا کلیسا پر چسپاں کر دیتے ہیں، مندرجہ بالا عبارت اس کی ایک دلچسپ مثال ہے۔

ہاب دوم: کتاب یسعیاہ میں مکہ کے مقام پر قربانیاں پیش کرنے کا ذکر

۱۰ 'نیوا انگلش بائبل' میں ہے:

Your daughters walking beside them leading the way,

تمھاری بیٹیاں ان کے ساتھ چلتی ہیں اور راستہ دکھاتی [یا عبور کرتی] ہیں۔

میسو ہیبری کی 'عہد نامہ قدیم و جدید کی تفسیر' (۳۵۱:۵) میں ہے:

Sons and daughters shall come in the most dutiful manner'.

بیٹے اور بیٹیاں انتہائی فرض شناسی اور خدمت گزاری کے انداز میں آئیں گی۔

یہ دونوں تراجم اس سیاق و سباق میں ایک معقول مفہوم فراہم کرتے ہیں۔ یہ مردوں اور عورتوں کے کاروانوں اور گروہوں کے اکٹھے ہو کر کے اس حرم کے حج کے لیے آنے کی ایک عجیب تصویر پیش کرتے ہیں۔

۱۱ 'نیو جیو سلیم بائبل' (صفحہ ۱۲۸۲) میں اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے:

since the riches of the sea will flow to you, the wealth of the nations come to you;

کیونکہ سمندر کی دولت تمھاری طرف بہ کر آئے گی، قوموں کی دولت تمھارے پاس آئے گی۔

N.I.V (صفحہ ۷۷) نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

the wealth on the seas will be brought to you, to you the riches of the nations will come.

سمندروں پر کی دولت تمھارے پاس لائی جائے گی۔ تمھارے پاس قوموں کی دولت آئے گی۔

'دی سکنیو قاش' (صفحہ ۱۱۳۴) نے یہاں ایک حاشیہ درج کیا ہے:

Whereas in the past the Land of Israel was desolate and forsaken, it will now be crowded with multitudes like a roaring sea (K).

جبکہ ماضی میں اسرائیل کی سرزمین ویران اور بے آباد تھی، اب یہ لوگوں کے جھوم سے بھر کر ایک چنگھاڑتے ہوئے سمندر کے مانند ہو جائے گی۔

لیکن جہاں تک 'دوسرے بیکل' کا تعلق ہے یہ خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔

۱۲ 'وگلف کی تفسیر بائبل' (صفحہ ۶۵۱) میں ہے:

It is quite remarkable that, in origin, all these offered treasures are

preponderantly Arabian.

یہ بات بڑی اہم ہے کہ اپنی اصل کے اعتبار سے قربانی کے لیے پیش کیے جانے والے ان تمام خزانوں کی غالب اکثریت اقوام عرب سے متعلق ہے۔

لیکن اپنے دل کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے وہ اس کی تاویل یوں کرتا ہے:

Perhaps there is a suggestion here that Islam will some day turn to the Cross.

شاید یہاں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اسلام ایک نہ ایک دن عیسائیت قبول کر لے گا۔

لیکن یہ اس فاضل مصنف کی خوش فہمی اور محض خواب و خیال ہی ہے۔

۱۳ 'سیونٹھ ڈے آف وینٹسٹ تفسیر بائبل' (جلد ۴، صفحہ ۳۱۴) لفظ 'مدیان' کی تشریح میں لکھتی ہے:

A region in the desert of Arabia (see on Ex. 2:15).

یہ صحرا عرب کا ایک خطہ ہے۔ (ملاحظہ کیجئے خروج ۱۵:۴)

حقیقت یہ ہے کہ مدیان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ان کی بیوی قطورہ [جنہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سارہ کی وفات کے بعد اپنی زوجیت میں لیا تھا] کے چھ بیٹوں میں سے ایک تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قطورہ سے اپنے ان بیٹوں (زمران، مقشان، میدان، اشباک اور شعاع) کو عرب میں آباد کیا تھا۔

۱۴ 'سیونٹھ ڈے آف وینٹسٹ تفسیر بائبل' (۳۱۴:۴) لفظ 'عیفاہ' کی مندرجہ ذیل وضاحت کرتی ہے:

A Midianite tribe (Gen. 25:4; 1 Chron. 1:33), and here the region they inhabited.

ایک مدیانی قبیلہ (پیدائش ۱۰:۴، ۲۵:۴۵)۔ کتاب تواریخ ۱:۳۳)۔ اور یہاں اس سے مراد وہ خطہ ہے جہاں وہ رہائش پزیر تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ عیفاہ مدیان کے پانچ بیٹوں (عیفاہ، عیطر، خنوخ، عبیدہ اور علداہ) میں ایک سے تھا۔ مدیان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ان بیٹوں میں سے ایک تھا جو ان کے ہاں قطورہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

۱۵ N.J.B. (صفحہ ۱۲۸۳) کا بیان ہے:

Midian, Ephah and Sheba are peoples of Arabia.

مدیان، عیفاہ اور شیبہ سرزمین عرب کی قومیں ہیں۔

'7th Day Adventist Bible Dic.' (صفحہ ۱۰۱۵) میں وضاحت کی گئی ہے:

It is now generally held that it was a queen of this Arabian Sheba, in the area now called Yemen, who made a visit to Solomon (1Ki 10:1-13). The Sabaeans were one of the most important peoples of all Arabia. (...) They built large dams and an extensive irrigation system, which made their country the most fertile in ancient Arabia. This is why it was known in classical times as Arabia Felix, 'Happy Arabia.'

اب عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ عرب کے اس شہر کی، جو اس خطے میں واقع ہے جسے اب یمن کہتے ہیں، ایک ملکہ تھی جو حضرت سلیمان کی ملاقات کے لیے آئی تھی (الملوک ۱:۱۰-۱۳)۔ سہائی پورے عرب کی سب سے اہم اقوام میں سے ایک تھی۔ (...) انھوں نے بڑے بڑے بند اور آبپاشی کا ایک وسیع نظام تعمیر کیا تھا۔ جس سے ان کا ملک قدیم عرب کا سب سے زیادہ زرخیز ملک بن گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسے کلاسیکی دور میں عربیائی فلسفے یعنی خوش و خرم عرب کہتے تھے۔

۱۶ ٹائٹل ہاؤس، کیمبرج کا داراؤن ڈیرک گڈنر اپنی کتاب 'ہسعیاء کی تفسیر' میں صفحہ ۶۲۱ پر لکھتا ہے:

v. 7 is crucial to the understanding of the chapter [60].

ساتویں آیت اس باب [۶۰] کا مفہوم سمجھنے کے سلسلے میں، بہت اہمیت کی حامل ہے۔

یہاں ڈیو نے اپنی تفسیر میں صفحہ ۴۵ پر لفظ 'نباوت' کی اس طرح وضاحت کی ہے:

a tribe allied to Kedar, descended from Ishmael (Gn 25:13).

قیدار کا ساتھی ایک قبیلہ، جو اسماعیل کی نسل سے ہے (پیدائش ۱۳:۲۵)۔

'دی نیو جیورسلیم بائبل' (صفحہ ۱۲۸۳) نے نباوت کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

an Arabian people, see Gn. 25:13; 28:9; 36:3.

ایک عربی قوم، ملاحظہ کیجیے کتاب پیدائش ۱۳:۲۵، ۲۸:۹، ۳۶:۳۔

'اے نیو کیٹھولک کنٹری اون ہولی سکرپچر' صفحہ ۵۹ پر تشریح کرتی ہے:

The tribes of 'Kedar' and of 'Nebaioth' were of Ishmaelite origin, and were mainly shepherds.

'قیدار اور 'نباوت' کے قبیلے اسماعیل کی نسل سے تھے اور وہ زیادہ تر چرواہے تھے۔

'دی وکلف بائبل کنٹری' صفحہ ۶۵۱ پر یہ کہنے کے بعد کہ:

It is quite remarkable that, in origin, all these offered treasures are

preponderantly Arabian.

یہ بہت اہم ہے کہ یہ تمام پیش کردہ خزانے بنیادی طور پر زیادہ عرب سے تعلق رکھتے ہیں۔

اپنے دل کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے مندرجہ ذیل پیش گوئی کرتا ہے:

Perhaps there is a suggestion here that Islam will some day turn to the Cross.'

شاید یہاں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایک نیا ایک دن اسلام عیسائیت قبول کر لے گا۔

۱۸ اصل عبرانی بائبل میں اس لفظ 'خدمت کرنا' کے لیے 'شرٹ' کا لفظ استعمال ہوا ہے، جس کے 'سٹرنگز'

ڈشٹری آف دی ہیریو بائبل' (صفحہ ۱۲۲، اندراج ۸۳۳۴-۸۳۳۵) میں یہ معنی درج ہیں:

to attend as a menial or worshipper; fig. to contribute to, minister, wait on; or 'service (in the temple)

ایک ادنیٰ انسان یا عبادت گزار کی طرح خدمت میں حاضر ہونا مجازی طور پر امداد کرنا، خدمت کرنا، خدمت میں حاضر رہنا یا یہاں تک کہ خدمت بجالانا یا عبادت کرنا۔

۱۹ 'یہودی تفسیر پینٹاٹوک اینڈ ہفتوراز' (صفحہ ۸۷۵) میں جے ایچ ہرنز عبرانی لفظ کا ترجمہ 'Minister' کرتا ہے اور حاشیہ میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے: 'قربانیوں کے لیے جانور فراہم کر کے'۔
۱۹ ذیل میں اپنی تفسیر کے صفحہ ۴۵ پر یہاں ایک ذیلی حاشیہ دیا ہے:

The nations are pictured as coming in a long train, to bring their riches for the service of the sanctuary.

قوموں کو ایک بڑے سلسلے میں آتے ہوئے دکھایا گیا ہے کہ وہ اس حرم کی خدمت کے لیے اپنی دولت لائیں۔

میتھیو ہنری کی 'عہد نامہ قدیم و جدید کی تفسیر' (۳۵:۵) میں درج ہے:

Great numbers of sacrifices shall be brought to God's altar, acceptable sacrifices, and, though brought by Gentiles, they shall find acceptance.

خداوند کے چوتھے پر قربانیوں کی بہت بڑی تعداد لائی جائے گی جو قابل قبول قربانیاں ہوں گی اور اگرچہ انہیں غیر یہودی قوموں کے لوگ لے کر آئیں گے پھر بھی یہ شرف قبولیت حاصل کریں گی۔

اگر انہیں یہاں تک ڈوم کے حوالے سے دیکھا جائے تو انہیں محض من پسند تخیلات ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔

۲۰ 'نیا انٹرنیشنل ورشمن' میں صفحہ ۷۷ پر اس کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے:

They will be accepted as offerings on my altar, and I will adorn my glorious

temple.

وہ میرے چوتھے پر قربانی کے طور پر قبول کیے جائیں گے اور میں اپنے عظیم الشان ہیكل کو سجاؤں گا۔

۲۱ 'نیوانٹیشٹل ورش' میں صفحہ ۷۷ پر اس کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے:

and I will adorn my glorious temple

اور میں اپنے عظیم الشان ہیكل کو سجاؤں گا۔

'وی سکلیو قش' (صفحہ ۱۱۳) نے یہاں ایک ذیلی حاشیہ درج کیا ہے:

By causing the nations to bring their gifts and offerings to it (K).

قوموں کی اس پر اپنی قربانیاں اور اپنی نذریں پیش کروا کر۔

۲۲ یہ جدے کے ہوائی اڈے پر روزانہ بادلوں کی طرح آنے اور زمین پر اترنے والے ان ہزاروں

ہوائی جہازوں کی عکاسی کرتا ہے، جو کروڑوں زائرین کو عمرے کے لیے سارا سال اور لاکھوں حاجیوں کو حج کے لیے ذی الحج کے مہینے میں لے کر آتے ہیں۔

۲۳ کیرل سٹوبل ملرڈی جیروم تفسیر بائبل میں صفحہ ۲۸۲ پر لفظ 'ترشیش' کی وضاحت کرتا ہے:

A Phoenician colony in southern Spain (Jon 1:3).

جنوبی اسپین میں ایک فنیقی نوآبادی۔

یہاں یہ بات قابل ملاحظہ ہے کہ چین پر قریباً آٹھ صدیوں تک عرب مسلمانوں کی حکومت رہی۔

یہ مسلمان بحری جہازوں کے ذریعے سے حج ادا کرنے کے لیے حرم مکہ کا سفر کرتے تھے۔

۲۴ ڈاکٹر ڈبلیو جی فینٹر، چیچ آف سکاٹ لینڈ، گلاسگو نیو بائبل کومنٹری میں صفحہ ۶۰ پر کتاب یسعیاہ

کی تفسیر میں لکھتا ہے:

The gates will not be shut by day nor night, a symbol of absolute security under the blessing of her God.

دن ہو یا رات کسی وقت دروازے بند نہیں ہوں گے۔ اس بے پایاں تحفظ کی یہ ایک علامت ہے جو اس

کے خداوند کی برکت کے تحت حاصل ہوگا۔

لیکن لفظ کے کسی مفہوم کے اعتبار سے بھی انھیں ہیكل دوم سے منسلک نہیں کیا جاسکتا۔ دوسری

باب دوم: کتاب ہسعیاء میں مکہ کے مقام پر قربانیاں پیش کرنے کا ذکر

طرف حرم مکہ کے لیے یہ کیا صحیح ہے جس کے دروازے حجاج کرام کے لیے دن رات کھلے رہتے ہیں۔ ان حجاج کی اکثریت غیر یہودی النسل ہوتی ہے اور جن میں کئی ملکوں کے بادشاہ بھی شامل ہوتے ہیں۔ یہ سب لوگ دن رات میں ایک لمحے کے وقفے کے بغیر خانہ کعبہ کے گرد طواف میں مصروف رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت سے انہیں وہاں مکمل تحفظ حاصل ہوتا ہے۔

۲۵ 'دی نیوجیرسلیم بائبل' میں صفحہ ۱۲۸ پر آیت ۱۲ کے سلسلے میں ایک حاشیہ درج ہے:

Interrupting the continuity, [v. 12] is very probably additional.

تسلسل منقطع کرنے والی یہ (آیت ۱۲) غالباً ایک [بعد کا] اضافہ ہے۔

'اے نیوکیسولک مشنری اون ہولی سکرپچر' (صفحہ ۵۹) نے بھی اس آیت کی اسی طرح تشریح کی ہے:

In a context of this kind, the threat mentioned in 12 is astonishing, and is probably a gloss inserted later.

اس قسم کے سیاق و سباق میں [آیت ۱۲] میں بیان کردہ دھمکی حیران کن ہے اور غالباً بعد میں بڑھائی ہوئی کوئی تشریح ہے۔

۲۶ لفظ 'صیہون' کا مختصر تعارف اس کتاب کے باب ۱۱ کے اخیر میں درج ہے۔ (دیکھیے: صفحہ ۱۸۵)

۲۷ 'دی نیوجیرسلیم بائبل' (صفحہ ۱۲۸) کے الفاظ میں یہ بھی آیت ۱۲ کی طرح 'بڑی غالب حد تک اضافی، یعنی الحاقی ہو سکتی ہے، لیکن اگر آیت ۱۲ اور ۱۳ کی طرح تحریف شدہ و اضافی اور بعد کی داخل کردہ نہ بھی ہوں اور ان کا مفہوم صحیح سالم اور غیر تحریف شدہ ہو تو بھی حرم مکہ پر ان کا پورے الطمینان سے اطلاق کیا جاسکتا ہے اور یہ پیغمبر اسلام کے ہاتھوں فتح مکہ کی صحیح عکاسی کرتی ہیں۔

۲۸ ڈملو نے اپنی تفسیر (صفحہ ۳۵) میں اس جگہ ایک ذیلی حاشیہ دیا ہے۔ اس میں درج ہے:

The figure is that of a forsaken wife (546)

صورت حال ایک تنہا چھوڑی ہوئی بیوی کی ہے (۶:۵۳)۔

'سیونہ ڈے ڈے ایڈونٹس تفسیر بائبل' (۳:۳۱۵) میں درج ہے:

Like a forsaken wife.

ایک یکہ تنہا چھوڑی ہوئی بیوی کی طرح۔

صاف ظاہر ہے کہ یہ اسماعیل کی والدہ ہاجرہ سے متعلق ہے۔

۲۹ 'دی نیشنل سٹڈی بائبل' نے آیت ۱۵ میں صفحہ ۱۲۰۹ پر ایک حاشیہ درج کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

The new sanctuary will be greater than the old one because it is eternal, rich, and spiritual (vv. 17, 18)

نیا حرم پرانے سے زیادہ عظیم ہوگا، کیونکہ یہ ابدی، مالا مال اور روحانی ہے (آیت ۱۷-۱۸)۔

جو حرم مکہ کے بارے میں ہو، صحیح ہے۔

۳۰ 'سکینو قماش' (صفحہ ۱۱۳۷) نے یہاں ایک ذیلی حاشیہ درج کیا ہے:

Israel's sovereignty and glory will never again depart (K).

اسرائیل کی حاکمیت اور شان و شوکت پھر کبھی ختم نہ ہوگی۔

یہ ایک خواہشات کی توقع سے زیادہ کچھ نہیں جو کبھی عملی صورت نہیں اختیار کر سکتی۔ دوسری طرف حرم مکہ پر اس کا کلی اطلاق ہوتا ہے۔

اس 'سکینو قماش' میں صفحہ ۱۱۳۷ پر اس جگہ درج ذیل حاشیہ دیا گیا ہے:

Israel's national glory will endure for ever, because the restoration will be the work of God (K).

اسرائیل کی قومی شان و شوکت ہمیشہ کے لیے قائم رہے گی، کیونکہ بحالی کا یہ عمل خداوند کا کام ہوگا۔

یہ بھی ایک خواب و خیال ہی رہا، کیونکہ یہ کل دؤم کی تعمیر کے بعد بھی اسرائیل کی شان و شوکت کی وہ بحالی، جس کو یہاں 'خداوند کا کام' کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، کبھی حقیقت میں تبدیل نہ ہو سکی۔ وہ (یہودی) ایرانی، یونانی، سریانی یا رومی سلطنتوں کے تحت صرف محدودی ایک داخلی خود مختاری سے زیادہ کچھ نہ حاصل کر سکے۔ یہ کل ۷۰۰ء میں مکمل طور پر تباہ کر دیا گیا اور اسرائیل کی قومی شان و شوکت ہمیشہ کے لیے باقی رہے گی کا خواب محض ایک سُدر پہنا ہی رہا۔

۳۲ کتاب مقدس، یسعیاہ ۶۰: ۱-۲۱۔

۳۳ ڈاکٹر ڈبلیو فنجی 'نوبائبل کومنٹری' میں اپنی کتاب 'یسعیاہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

Jerusalem is to be rebuilt (...). Then will the city be the centre of the world's light [unfortunately the city could never become 'the centre of the world's light'], for

the glory of everlasting God will rest upon her and will radiate around the world [the world never saw this dream come true]. (...) iii. Jerusalem to be built again. (lx. 10-14). (...). When rebuilt the gates will not be shut by day nor night (11), a symbol of absolute security under the blessing of her God [Of course, it is quite true that 'the gates will not be shut by day nor night' because they do not even physically exist on earth. As such, the question of their being ever shut does not arise! Because it is 'a symbol of absolute security under the blessing of her God' How can someone dare to comment on it!], and also implying the warmth of the welcome that will be given to those that seek an entrance therein.

یہ وہلم دوسری دفعہ تعمیر ہوتا ہے۔ (...)۔ اس وقت یہ شہر دنیا کی روشنی کا مرکز ہوگا [لیکن بد نصیبی کی بات یہ ہے کہ یہ شہر کبھی بھی دنیا کی روشنی کا مرکز نہ بن سکا]، کیونکہ ازلی اور ابدی خداوند کی شان و شوکت اس پر برقرار رہے گی اور دنیا کے ارد گرد روشنی پھیلائے گی [لیکن دنیا نے کبھی بھی یہ خواب شرمندہ تعمیر ہوتے نہیں دیکھا]۔ (...)۔ یہ وہلم کا دوبارہ تعمیر کیا جانا (۶۰:۱۰-۱۴)۔ (...)۔ جب یہ دوبارہ تعمیر ہوگا تو دروازے دن یا رات میں کسی وقت بند نہ ہوں گے (۱۱)، اپنے خداوند کی برکت کے تحت مطلق تحفظ کی علامت [ملاحظہ یہ بالکل سچ ہے کہ دروازے دن یا رات میں کسی وقت بند نہ ہوں گے۔ 'کیونکہ یہ اپنے خداوند کی برکت کے تحت مطلق تحفظ کی ایک علامت ہیں۔' بھلا کوئی شخص جھوٹ کے اس طومار پر تبصرہ کرنے کی کیسے جرأت کر سکتا ہے] اور یہ اس پُر جوش خیر مقدم کی غمازی بھی کرتا ہے جو ان لوگوں کو پیش کیا جائے گا جو اس میں داخل ہونے کی کوشش کریں گے۔

مندرجہ بالا عبارت کا پہلا ذیلی حاشیہ بھی ملاحظہ کیجیے۔

۳۴ مندرجہ بالا آیات ۱۵، ۲۰، ۲۱ کے ذیلی حواشی بھی ملاحظہ کیجیے۔

۳۵ N.O.A.B یسعیاہ ۶۰:۱۷-۱۸ (صفحہ ۹۵) پر ذیلی حاشیہ ملاحظہ کیجیے۔

۳۶ جے ایل میکزی کی 'لغۃ بائبل'، ۸۷:۵۔

۳۷ ڈبلیو سمٹھ کی 'لغۃ بائبل'، ۶۸:۰۔

۳۸ 'نوبائل و کسنری'، ۱۱:۰۔

۳۹ ملاحظہ کیجیے 'سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ بائبل و کسنری'، ۱۱:۰۔

۴۰ 'دی جیوش انسائیکلو پیڈیا'، ۱۴:۹۷۔

۴۱. 'گڈ نیوز بائبل' یسعیاہ ۶۰:۶، صفحہ ۷۲ پر درج ہے:

Great caravans of camels will come, from Midian and Ephah. They will come from Sheba (...)! All the sheep of Kedar and Nebaioth Will be brought to you as sacrifices And offered on the altar to please the Lord.

میدان اور عیفاہ سے اونٹوں کے بڑے بڑے کاروان آئیں گے۔ وہ شیبائے آئیں گے۔ (...)! قیدار اور نباوٹ کی تمام بھینٹیں قربانی کے لیے تمہارے پاس لائی جائیں گی اور چوتھے پریش کی جائیں گی۔

C.E.V. - یسعیاہ، باب ۶۰:۶، صفحہ ۷۷ پر درج ہے:

Your country will be covered with caravans of young camels from Midian and Ephah. The people of Sheba will bring gold and spices in praise of me, the Lord. Every sheep of Kedar will come to you; rams of Nebaioth will be yours as well. I will accept them as offerings and bring honor to my temple.

تمہارا ملک میدان اور عیفاہ سے [آنے والے] نوجوان اونٹوں کے کاروانوں سے ڈھکا جائے گا۔ شیبائے کے لوگ تمہارے خداوند کی حمد میں سونا اور مصالحے لائیں گے۔ قیدار کی ہر بھینٹ تمہارے پاس آئے گی، نباوٹ کے دنبے بھی تمہارے ہوں گے۔ میں انہیں قربانی کے طور پر قبول کروں گا اور اپنے بیکل کو اعزاز بخشوں گا۔

جہاں تک دوسرے بیکل کا تعلق ہے، مندرجہ بالا بیان کے مشمولات محض خیال و خواہش کی غمازی کرتے ہیں۔ مندرجہ بالا آیت میں جو مناظر پیش کیے گئے ہیں وہ بائبل کے کسی خوش اعتقاد مؤلف کے محض خواب ہیں، جو اس بے چارے کی دل داری کے لیے کبھی زمینی حقیقت میں تبدیل نہ ہو سکے۔

42. New Jerusalem Bible, p. 1283.

43. NIV, p. 780.

۴۲. یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ مسموع ہنری کی پرانے اور نئے عہد نامے کی تفسیر ۳۵۱:۵ کے مطابق 'بادشاہوں' کا مطلب 'خوب صورت، طاقت ور اور اثر و رسوخ والے آدمی' ہے۔

45. McKenzie's Dic. of the Bible, p. 875.

۴۶. قرآن مجید، الحج، ۲۲:۲۶-۳۲۔

47. The Nelson's Study Bible, p. 1208.

48. Page H. Kelley in the Broadman Bible Com, ed. Clifton J. Allen etc., (Nashville, Tennessee, Broadman Press, 1971), 5:360.

’زبور‘ میں ’جج بکہ‘ کا ذکر

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے مزمور ۸۴ میں بکہ کے جج کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے اس تمنا کا اظہار کیا ہے کہ کاش، انھیں بھی حجاج کرام کی معیت میں حج کا موقع نصیب ہوتا۔ وہ ان پرندوں کی خوش نصیبی پر رشک کرتے ہیں جو خانہ خدا میں آشیانے بناتے اور ان میں آباد ہوتے ہیں، جبکہ ان کی کم نصیبی کا حال یہ ہے کہ وہ خود یہاں زیارت کے لیے حاضری بھی نہیں دے سکتے۔ وہ خداوند کے حضور خانہ خدا کے دیوان میں حاضری کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

تیرے دیوان میں حاضری کا ایک دن ایک ہزار [دن] سے بہتر ہے۔ کاش میں [اتنا بڑا بادشاہ ہونے کے بجائے] اپنے خداوند کے گھر کا دربان ہی ہوتا۔

کیسی شدید ہے یہ خواہش! کتاب کے اس باب میں مزمور کا معروضی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔ اکثر نکات کی تشریح موقع پر ہی ذیلی حواشی میں کر دی گئی ہے۔ ذیل میں اردو کتاب مقدس سے زبور نمبر ۸۴ کی عبارت نقل کی جاتی ہے:

(۱) اے لشکروں کے خداوند!

تیرے مسکن کیا ہی دل کش ہیں!

(۲) میری جان خداوند کی بارگاہوں کی مشتاق ہے، بلکہ گداز ہو چلی ہے۔

میرا دل اور میرا جسم زندہ خدا کے لیے خوشی سے لاکارتے ہیں۔

(۳) اے لشکروں کے خداوند! اے میرے بادشاہ اور میرے خدا!

تیرے مذبحوں کے پاس گوریٹا نے اپنا آشیانہ

اور ابائیل نے اپنے لیے گھونسلایا^۱

جہاں وہ اپنے بچوں کو رکھے۔

(۴) مبارک ہیں وہ جو تیرے گھر میں رہتے ہیں۔

وہ سدا تیری تعریف کریں گے^۲۔ (سلاہ)

(۵) مبارک ہے وہ آدمی جس کی قوت تجھ سے ہے^{۱۱}۔

جس کے دل میں یمنون کی شاہراہیں ہیں^{۱۲}۔

(۶) وہ وادی بکائے گزر کر^{۱۳} اسے چشموں کی جگہ بنالیتے ہیں^{۱۴}۔

بلکہ پہلی بارش اسے برکتوں سے معمور کر دیتی ہے^{۱۵}۔

(۷) وہ طاقت پر طاقت پاتے ہیں^{۱۶}۔

ان میں سے ہر ایک برحق^{۱۷} میں خدا کے حضور حاضر ہوتا ہے۔

(۸) اے خداوند لشکروں کے خدا! میری دعا سن۔

اے یعقوب کے خدا! کان لگا۔ (سلاہ)

(۹) اے خدا! اے ہماری سپر! دیکھ

اور اپنے مسموح کے چہرے پر نظر کر۔

(۱۰) کیونکہ تیری بارگاہوں میں ایک دن ہزار [دن] سے بہتر ہے۔

میں اپنے خدا کے گھر کا دربان ہوتا۔

شرارت کے خیموں میں بسنے سے زیادہ پسند کروں گا^{۱۸}۔

(۱۱) کیونکہ خداوند خدا، آفتاب اور سپر ہے^{۱۹}۔

خداوند فضل اور جلال بخشے گا۔

وہ راست رو سے کوئی نعمت باز نہ رکھے گا۔

(۱۲) اے لشکروں کے خداوند!

مبارک ہے وہ آدمی جس کا توکل تجھ پر ہے۔

مناسب ہوگا کہ اس مزمور کا مفہوم متعین کرنے کے لیے اس کی آیات کا الگ الگ مطالعہ کیا جائے۔ کیونکہ کلام مقدس میں پہلی آیت کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے: 'اے رب الافواج، تیرے مساکن کیا ہی دلکش ہیں'۔

N.I.V. (صفحہ ۶۱) اور NOAB (صفحہ ۷۷) کے ترجمے کے مطابق آیت میں کہا گیا ہے:

How lovely is your dwelling place, O Lord Almighty! (NOAB: O Lord of hosts!)

اے خداوند قدیر! تیری جگہ رہائش کسی بیماری ہے! (NOAB کے مطابق اے رب الافواج)۔

اس کا مطلب ہے کہ یہ مزمور خدا کے قدیر کی کسی جگہ رہائش سے متعلق ہے، جو اس وقت فی الحقیقت صفحہ ارضی پر موجود تھی۔ عربی زبان میں 'خداوند قدیر' کی جگہ رہائش کا ترجمہ 'بیت اللہ' کے الفاظ میں کیا جاسکتا ہے، جس کا مطلب ہے 'اللہ تعالیٰ کا گھر'۔ یہ بیت اللہ حضرت داؤد علیہ السلام کے مورث اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا اور مکہ میں اسی نام کے ساتھ عملاً ایک زمینی حقیقت کے طور پر موجود تھا، تاہم اہل عرب اسے 'الکعبۃ' کے نام سے بھی پکارتے تھے۔ دوسری طرف اس وقت صفحہ ارضی پر کسی اور جگہ خداوند قدیر کی جگہ رہائش یا 'بیت اللہ نامی کوئی عمارت موجود نہ تھی۔ اس وقت تک یہ کل سلیمانی تو سرے سے معرض وجود ہی میں نہ آیا تھا۔ یہ تو تعمیر ہی اس سے قریباً نصف صدی بعد ہوا تھا۔ اس کی تعمیر تو حضرت داؤد علیہ السلام کی زندگی کے دوران میں شروع ہی نہ ہو سکتی تھی، اس لیے خداوند قدیر کی اس جگہ رہائش کو کسے میں واقع 'الکعبۃ' یا 'بیت اللہ' قرار دیے جانے کے علاوہ اور کوئی امکان ہی باقی نہیں رہتا۔ اسی مزمور کے متن میں اور بھی ایسے متعدد شواہد موجود ہیں جن سے یہ بات بالکل یقینی طور پر واضح ہو جاتی ہے۔

دوسری آیت سے بادشاہ داؤد علیہ السلام کی اپنے حق و قیوم خداوند کے دربار میں حاضری کی ولولہ انگیز خواہش کا اظہار ہوتا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خداوند حق و قیوم کا دربار پہلے ہی کسی جگہ موجود

تھا، لیکن یہ حضرت داؤد علیہ السلام کی حدود و سلطنت میں شامل نہ تھا، جس کی وجہ سے وہ اس کی زیارت سے محروم تھے۔ چنانچہ وہ خداوند کے دربار کی زیارت کی خواہش ہی کا اظہار کر سکتے تھے۔

جہاں تک آیات ۳ اور ۴ کا تعلق ہے تو اوپر موقع ہی پر ذیلی حواشی میں جو تشریح درج کی گئی ہے، اس سے بات کی وضاحت ہو چکی ہے، تاہم چند باتیں یہاں بھی ذہرائی جارہی ہیں۔

NOAB (صفحہ ۷۷) کے ذیلی حواشی میں ان آیات کی ایک خوب صورت تشریح بیان کی گئی ہے:

Envy of the birds and servitors who live there.

ریشک طیور و خداؤں جو وہاں قیام پذیر ہیں۔
'کالج' و 'لائسنس' (صفحہ ۷۷) میں ان آیات ۳-۴ کی جو وضاحت کی گئی ہے، وہ بھی قابل غور ہے:

All living things are safe from threat in the presence of the Lord.

تمام زندہ اشیا خداوند کے حضور میں ہر قسم کے خطرے سے محفوظ ہیں [حرم کہ میں عملی، شرعی و قانونی اور واقعی صورت حال یہی ہے کہ وہاں تمام ذی روح اشیا محفوظ و مامون ہیں]۔
'سیونٹھ ڈے ایڈونٹسٹ تفسیر بائبل' میں اس کی مندرجہ ذیل تشریح کی گئی ہے:

The general meaning of the verse, whose conclusion the poet only implies, is that even the birds have free access to the sacred precincts of the sanctuary, they make their homes there undisturbed, while the psalmist is exiled from the source of his joy, is denied the privilege of worshipping within the sacred enclosure. The nostalgic appeal of this verse is one of the most delicately beautiful expressions of homesickness in the whole realm of literature. ۷۷

آیت کا عمومی مفہوم جس کے نتیجے کی طرف شاعر محض اشارہ ہی کرتا ہے، وہ یہ ہے کہ پرندے تک حرم کی مقدس حدود میں آزادی سے داخل ہو سکتے ہیں، وہ وہاں بغیر کسی رکاوٹ کے اپنے آشیانے بناتے ہیں، جبکہ داؤد اپنی مسرت کے سرچشمے سے جدا ہے اور اس مقدس عمارت کی حدود میں اسے عبادت کا حق حاصل نہیں۔ اس آیت کی حسرت بھری اپیل پوری دنیا کے ادب میں وطن کی یاد کے انتہائی نزاکت اور خوب صورتی کے ساتھ اظہار کی بہترین مثال ہے۔

اس طرح آیت ۱-۴ سے جو نکات واضح ہوتے ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت داؤد علیہ السلام کسی ایسے حرم کی تعریف میں رطب اللسان ہیں جو اُس وقت روئے زمین پر عملاً موجود تھی اور جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے تھا۔

۲۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے دل میں اس حرم مقدس کی زیارت کی شدید خواہش ہے، لیکن وہ اسے پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتے (ظاہر ہے اس کی یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ ان کی حدود و سلطنت سے باہر ہے)۔

۳۔ یہ حرم مقدس کے کا خانہ کعبہ یعنی بیت اللہ ہی ہو سکتا تھا، کیونکہ بیت المقدس (ہیکل سلیمانی) تو اس وقت تک تعمیر ہی نہیں ہوا تھا اور خانہ کعبہ کے علاوہ روئے زمین پر اور کوئی ایسی عمارت موجود ہی نہ تھی جس کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منسوب ہو اور جو خداے واحد کی عبادت کے لیے مختص ہو۔

۴۔ حضرت داؤد علیہ السلام اپنی حسرت کا اظہار کرتے ہیں کہ پرندے تک دربار الہی میں آزادانہ سیرا لیتے ہیں، لیکن انہیں یہاں حاضری کا شرف میسر نہیں۔

KJV میں آیت ۵ کے دوسرے جملے کا ترجمہ واضح نہیں ہے۔ اکثر دوسرے تراجم میں اس مفہوم کو جن کے دل میں حج کی لوگنی ہے یا اس سے ملتے جلتے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ نیچے بائبل کے کچھ تراجم اور تفاسیر کی فہرست دی گئی ہے جو آیت اور اس غزموں کے مضمون کا حج سے تعلق قائم کرتے ہیں:

- (i) Bible Knowledge Commentary, p. 855.
- (ii) Christian Community Bible, p. 1000.
- (iii) Collegeville Bible Commentary, p. 772.
- (iv) Contemporary English Version, p. 707.
- (v) Good News Bible, p. 900.
- (vi) Jerome Biblical Com., p. 591.
- (vii) New American Bible, p. 615.
- (viii) New Bible Com., p. 472.

- (ix) *New Bible Com. (Rvd)*, p. 504.
- (x) *New Catholic Com.*, p. 473.
- (xi) *New Commentary on Holy Scripture*, p. 264.
- (xii) *New English Version*, p. 441.
- (xiii) *New International Version.*, p. 621.
- (xiv) *New Jerome Commentary*, p. 540.
- (xv) *New Jerusalem Bible*, p. 900.
- (xvi) *New KJV (Nelson Study Bible)*, p. 966.
- (xvii) *Peake's Bible Com.*, p. 431.
- (xviii) *Today's English Version*, p. 607.
- (xix) *Wycliffe Bible Com.*, p. 526.
- (xx) *7th Day Adventist Bible Com.*, p. 828.
- (xxi) *The Holy Bible (O&NT): An Improved Edn. (American Baptist Publication Society)*, as quoted by 'The OT books of poetry from 26 trans.', p. 334.
- (xxii) *A New Trans. Of the Bible (James Moffatt)*, as quoted by 'The OT books of poetry from 26 trans.', p. 334.

مندرجہ بالا مواد سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس مزمور کا تعلق کسی حج سے ہے جو ایک عرصہ دراز سے کسی حرم میں روایتی طور پر ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اس مزمور میں سب سے پہلے حضرت داؤد یا اسامہ اُن لوگوں کو برکت عطا کر رہے ہیں جو خداوند کے اس گھر میں مستقل طور پر رہائش پذیر ہیں اور ہمیشہ اس کی حمد کرتے ہیں۔ دوسرے نمبر پر وہ [حضرت داؤد علیہ السلام] ان لوگوں کے لیے برکت کی دعا کرتے ہیں جن کے دلوں میں حج کی محبت رچ بس گئی ہے [لیکن وہ اس میں مستقل طور پر رہائش پذیر نہیں ہیں]۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حرم پاک وہاں عملی طور پر موجود ہے۔ یہ خداوند کے لیے وقف ہے اور اس کے علاوہ کسی بھی دوسری چیز کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ لوگ 'حج' کے لیے اس کا سفر اختیار کرتے ہیں۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ حرم کا حرم یعنی یہ کل سلیمانی ابھی وہاں معرض وجود میں بھی نہیں آیا تھا۔ یہ اس سے قریباً نصف صدی بعد تعمیر ہوا تھا، جبکہ حرم کعبہ جسے اہل عرب بیت اللہ یا اللہ کا گھر

کہتے تھے، عرب کے شہر مکہ میں ایک ٹھوس زمینی حقیقت کے طور پر حضرت داؤد علیہ السلام سے بھی قریباً ایک ہزار سال پہلے سے موجود چلا آ رہا تھا۔ ان [حضرت داؤد علیہ السلام] کے مورث اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسلیں اور پورے جزیرۃ العرب کے قبائل یہاں حج کرنے کے لیے بہت بڑی تعداد میں آیا کرتے تھے۔ وہ اپنے حج کے دوران میں خداوند کی حمد کا مندرجہ ذیل الفاظ میں اعلان کرتے چلے آ رہے ہیں:

لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ ، اِن الْحَمْدُ وَالنَّعْمَةُ
لَكَ وَالْمُلْكُ لَا شَرِيكَ لَكَ.

حاضر ہوں، اے اللہ، میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں۔ حقیقت میں تمام تعریف تیرے ہی لیے ہے۔ تمام نعمتیں تیری ہیں اور حاکمیت بھی تیری ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے دل میں اس حرم کی محبت، آرزو اور احترام ضرور رہا ہوگا، کیونکہ اسے ان کے مورث اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا، لیکن یہ ان کی حدود و سلطنت سے باہر تھا اور وہ ایک دوسری سرزمین کے بادشاہ تھے، اور کیونکہ وہ لگاتار مختلف جنگوں میں مصروف رہتے تھے، اس لیے وہ اس کی زیارت سے قاصر تھے۔ وہ بس اس بات کی خواہش کا اظہار ہی کر سکتے تھے کہ کاش وہ اس حرم مقدس میں حاضری دیں اور اس کا حج ادا کریں اور اس پر قربانی پیش کریں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی ناکہ کے حج کی آرزو کا ایک اور سبب بھی ہے جس کی وضاحت اگلی فصل میں کی گئی ہے۔

’بکہ‘ نے حضرت داؤد کے دورِ ابتلا میں انہیں پناہ فراہم کی

حضرت داؤد علیہ السلام نے شاہِ طاوت کے لیے عظیم الشان خدمات سرانجام دی تھیں، لیکن بائبل کے مطابق شاہِ طاوت حضرت داؤد علیہ السلام کی ہر دعویٰ اور قوت دیکھ کر ان سے حسد کرنے لگا تھا اور انہیں ٹھکانے لگوا دینا چاہتا تھا۔ سمجھ کی لغت بائبل میں وضاحت ہے:

Unfortunately David's fame proved the foundation of that unhappy jealousy of Saul towards him which, mingling with the king's constitutional malady, poisoned his whole future relations to David. (...) He [David] also still performed from time to time the office of minstrel [singer or musician of the king's court]; but the successive attempts of Saul upon his life convinced him that he was in constant danger. (...) he escaped by night. (...) David's life for the next few years was made up of a succession of startling incidents. (...) he is hunted by Saul from place to place like a partridge.²⁴

بد قسمی سے داؤد کی شہرت شاہِ طاوت کے ان [حضرت داؤد علیہ السلام] سے اس ناخوش گوار حسد کی بنیاد ثابت ہوئی جس نے داؤد سے اس کے مستقبل کے تمام تعلقات میں زہر گھول دیا۔ مزید برآں شاہِ طاوت کی جسمانی کمزوری اور بیماری بھی اس [حسد] کا باعث بنی۔ (...) وہ [حضرت داؤد علیہ السلام] ابھی تک وقفاً و قنابادشاہ کے دربار کے شاہی موسیقار کے طور پر بھی خدمات نبھالتے تھے، لیکن شاہِ طاوت کی بار بار ان کی جان لینے کی کوششوں سے انہیں یقین ہو گیا کہ ان کی جان مسلسل خطرے میں ہے۔ (...) انھوں نے رات [کی تاریکی] میں راہِ فرار اختیار کی، (...) اگلے چند سال تک داؤد کی زندگی مسلسل چوٹا دینے والے حیرت انگیز واقعات سے عبارت تھی۔ (...) شاہِ طاوت جگہ جگہ تیر کے شکاری کی طرح ان کی گھات میں تھا۔

اسی دوران میں حضرت داؤد علیہ السلام کے سر پرست سیموئیل نبی کا انتقال ہو گیا۔ داؤد علیہ السلام شاہِ طاوت کی پہنچ سے دور رہنے کے لیے فاران کے بیابان کی طرف بھاگ گئے۔ بائبل کی کتاب

۱۔ سموئیل میں بیان کیا گیا ہے:

اور سموئیل مر گیا اور سب اسرائیلی جمع ہوئے اور انھوں نے اُس پر نوحہ کیا اور اُسے رامہ میں اُسی کے گھر میں دفن کیا اور داؤد اٹھ کر دشت فاران کو چلا گیا۔^{۴۵}

یہ فاران وہی جگہ ہے جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ہاجرہ اس وقت سے آباد ہو گئے تھے، جب انھیں حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں چھوڑ آئے تھے۔ اگر یہ دوسرا فاران ہوتا جو صحراے سینا میں واقع تھا تو شاہ طاعت کی اس تک رسائی کوئی مشکل نہ ہوتی اور حضرت داؤد علیہ السلام وہاں بالکل غیر محفوظ ہوتے۔ چنانچہ یہ وہی فاران ہو سکتا ہے جس کا بائبل میں ان الفاظ میں ذکر آیا ہے:

اور خدا نے اس لڑکے کی آواز سنی اور خدا کے فرشتے نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا اور اسے کہا اے ہاجرہ تجھ کو کیا ہوا؟ مت ڈر کیونکہ خدا نے اس جگہ سے، جہاں لڑکا پڑا ہے، اس کی آواز سنی ہے۔ اٹھ اور لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال، کیونکہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا۔ پھر خدا نے اس کی آنکھیں کھلیں اور اس نے پانی کا ایک کنواں دیکھا اور جا کر مشک کو پانی سے بھر لیا اور لڑکے کو پلایا۔ اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑا ہوا اور بیابان میں رہنے لگا اور چیرا خدا بنا۔ اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا اور اس کی ماں نے ملک مصر سے اس کے لیے بیوی لی۔^{۴۶}

اگر یہ دوسرا یعنی سینائی والا فاران ہوتا تو یہ طاعت کی بالکل پہنچ میں ہوتا اور حضرت داؤد علیہ السلام وہاں کسی صورت محفوظ نہ ہوتے۔

یہ بات تاریخی طور پر بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے اور زمینی حقائق کے بھی عین مطابق ہے کہ خانہ کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے تعلق رکھنے والے اہل عرب یہاں فریضہ حج ادا کرنے آتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو فاران کے بیابان میں بکہ کے مقام پر رہنے کا جو موقع ملا تھا، ظاہر ہے کہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انھوں نے فریضہ حج بھی ادا کیا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی اس جاے پناہ کی ایک مرتبہ پھر زیارت کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں تاکہ وہاں حج کا فریضہ سرانجام دے سکیں۔

’بکہ‘ کا اصلی نام

آیت ۶ 'جو وادی بکا میں سے گزرتے ہوئے اسے ایک کنواں بناتے ہیں۔ بارش بھی جو ہڑوں کو بھرتی ہے۔' اس لفظ (بکا) کے یقینی طور پر اسم معرفہ ہونے کی نشان دہی کرتی ہے جہاں سے حاجیوں کو اپنے حج کی ادائیگی کے دوران میں گزرتا پڑتا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ بعض تراجم میں لفظ 'بکا' کو کسی اور لفظ سے بدل دیا گیا ہے۔ 'دی نیو جیرو سلم بائبل' (صفحہ ۹۰۰-۹۰۱) نے اس کا ترجمہ 'یلسام' کیا ہے اور ذیلی حاشیے میں لکھا ہے:

In seven MSS and in versions, 'the valley of Tears' (the Hebrew words for these two words are identical when spoken).

سات مسودات اور تراجم میں [اس کا ترجمہ] 'اشکوں کی وادی' [کیا گیا ہے]۔ اس میں مزید لکھا ہے کہ جب یہ دونوں الفاظ بولے جاتے ہیں تو ایک دوسرے سے مشابہ ہوتے ہیں۔

بعض دوسرے تراجم نے لفظ 'بکا' کو اسم معرفہ کے طور پر نہیں لیا اور اس کا ترجمہ 'Misery' (مصیبت) 'weary/glen' (اُکتا دینے والی وادی)، 'thirsty valley' (پیا سی وادی) وغیرہ کے الفاظ سے کیا ہے۔ ڈاکٹر کرش وان (Curtis Vaughan) کی کتاب 'عہد نامہ قدیم کی شہری کتابوں کے چھبیس تراجم' میں درج شدہ تمام تراجموں میں اس مقام پر اصل عبرانی لفظ 'بکا' قرار دیا گیا ہے۔ 'سیونٹھ ڈے ایڈونٹسٹ تفسیر بائبل' میں درج ہے:

The LXX and the Vulgate translate the phrase 'valley of Baca' as 'valley of Tears.'

'ہفتادی ترجمہ' اور 'ولکیٹ' میں 'وادی بکا' کا ترجمہ 'آنسوؤں کی وادی' کے الفاظ میں کیا گیا

۳۲
ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ بائبل کے ان یونانی اور لاطینی تراجم کے مطابق بھی یہاں اصل عبرانی لفظ 'بکا' ہی ہے۔ ذیل میں بائبل کے کچھ مزید ایسے تراجم اور تفاسیر کی فہرست دی جاتی ہے جنہوں نے اس مقام پر 'بکا' کا لفظ استعمال کیا ہے:

- 1 Bible Knowledge Commentary, p.855.
- 2 Dummelow's Bible Com., p.363.
- 3 Good News Bible, p. 585.
- 4 Gray & Adams Bible Com., 1:612.
- 5 Matthew Henry's Exposition, 4:324.
- 6 New American Bible, p. 615.
- 7 New American Standard B, p. 747.
- 8 New Bible Commentary, p. 472.
- 9 New Bible Com. (Rvd), p. 504.
- 10 N.Catholic Com., p.473, (Baka).
- 11 New Commentary on Holy Scripture, p.364.
- 12 NIV (New International Version), p. 621.
- 13 NKJV (in Nelson Study Bible), p. 966.
- 14 New Oxford Annotated Bible, p. 747.
- 15 Paragraph Bible, p. 621.
- 16 Peake's Bible Com., p. 431.
- 17 Readers Digest Bible, p.306.
- 18 RSV (Revised Standard Version), p. 539.
- 19 TEV (Today's English Version), p. 607.
- 20 Thompson's Bible., p. 666.
- 21 7th Day Adventist Bible Com., 3:827.

’بکا‘ کے محل وقوع کے متعلق علمائے بائبل کی لاعلمی

حقیقت یہ ہے کہ بائبل کے اکثر علمائے بات جانتے ہی نہیں کہ بکا یا بکا کا محل وقوع کیا ہے اور وہ اس حقیقت کا برملا اعتراف بھی کرتے ہیں۔ ان میں سے چند مستند علماء کے نظریات ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

۱۔ کلنبریری انکس ورثن (صفحہ ۷۰۷) نے یہاں ایک ذیلی حاشیہ درج کیا ہے:

Dry Valley: Or 'Balsam Tree Valley.' The exact location is not known.

خشک وادی: یا ’بلسام کے درختوں کی وادی‘۔ یقینی محل وقوع معلوم نہیں۔

۲۔ ’دی نیو امریکن بائبل‘ نے اس آیت پر ایک ذیلی حاشیہ درج کیا ہے:

Baca valley: Hebrew obscure; probably a valley on the way to Jerusalem.

وادی بکا: عبرانی مبہم ہے: غالباً یہ وادی کے راستے میں ایک وادی۔

۳۔ ’دی جیروم تفسیر بائبل‘ (صفحہ ۵۹۱) نے آیات ۷-۸ کو ملا کر ان پر ایک ذیلی حاشیہ دیا ہے:

A description of the pilgrim's journey. The MT is uncertain.

حاجی کے سفر کا بیان۔ مسوراتی متن غیر یقینی ہے۔

۴۔ ’سیونٹھ ڈے ایڈونٹسٹ لغات بائبل‘ نے اس لفظ کی قدرے مفصل تشریح بیان کی ہے۔

وضاحت کے اختتام پر وہ اس کی غیر یقینی حیثیت کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکا:

Baca (baka). [Heb. Baka, possibly 'balsam tree.'] The name of a valley in Palestine (Ps 84:6), possibly so named because balsam trees grew there. Some have thought that it is another name for the Valley of Rephaim, where trees of that species were found, but this is pure conjecture. There were doubtless many valleys in which balsam trees grew. Another interpretation names it the valley of 'weeping' from the Hebrew bakah, 'to

weep,' a word that differs only slightly from baka. However, neither interpretation helps to identify this place.³³

(بکا)۔ [عبرانی بکا، بلکہ غالباً 'بلسام کا درخت']۔ فلسطین کی ایک وادی کا نام۔ (مزبور ۶:۸۴)۔ غالباً اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا کہ وہاں بلسام کے درخت اُگتے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ وادی رفائیم کا دوسرا نام ہے۔ جہاں اس قسم کے درخت پائے جاتے ہیں، لیکن یہ محض ظن و تخمین ہے۔ بلاشبہ وہاں ایسی بہت سی وادیاں تھیں جن میں بلسام کے درخت اُگتے تھے۔ ایک اور تاویل کے مطابق اس کا نام عبرانی لفظ بکا یعنی رونا سے وادی گر یہ و بکا بنا ہے۔ یہ لفظ بکا سے صرف خفیف حد تک مختلف ہے تاہم کوئی تاویل بھی اس مقام کی نشان دہی میں مددگار ثابت نہیں ہوتی۔

۵۔ 'دی نیو آکسپریڈ ایونیوٹڈ بائبل' (صفحہ ۷۷) نے آیات ۵-۷ کے خواہشی میں لکھا ہے:
Baca, some unknown, desolate place through which the pilgrims must go.

بکا، کوئی نامعلوم اور بے آباد جگہ جس میں سے زائرین (حاجیوں) کو گزرنا پڑتا تھا۔

۶۔ 'دی ہارپرز بائبل ڈکشنری' نے بھی اسی راے کا اظہار کیا ہے:

Baca [bay'kuh], unidentified valley associated with weeping or balsam [Ps. 84:6]. The term is derived from the verb 'to drip,' hence its association with weeping.³⁴

بکا، غیر متعین وادی جو، یا تو رونے سے متعلق ہے، یا بلسام سے (مزبور ۶:۸۴)۔ یہ لفظ پھٹنے سے ماخوذ ہے اور یہی اس کو رونے سے منسلک کرنے کا باعث ہے۔

۷۔ ڈبلیو سمٹھ اپنی تفسیر بائبل میں اگرچہ اسے فلسطین کی ایک وادی قرار دیتا ہے، لیکن تاہم اُس کی مندرجہ ذیل توضیح سے اُس کی بے یقینی صاف ظاہر ہے:

That it was a real locality is most probable from the use of the definite article before the name.³⁵

یہ بات کہ یہ کوئی حقیقی مقام تھا، اس بنا پر ممکن دکھائی دیتا ہے کہ اس نام سے پہلے لام تعریف استعمال کیا گیا ہے۔

۸۔ کولنز کی Gem Dic. of the Bible میں بھی اس کے متعلق ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا گیا

ہے:

It may simply be a valley in Palestine (Ps. 84,6). It may simply be the Valley of the balsam trees, or it may be the Valley of Weeping (Heb. Bakah) or the Valley of little water.³⁶

ہو سکتا ہے کہ یہ محض فلسطین کی کوئی وادی ہو (مزمو ۸۴:۶)۔ یہ سادہ الفاظ میں بلسام کے درختوں کی وادی ہو سکتی ہے یا یہ گریہ و بکا کی وادی ہو سکتی ہے (عبرانی بک) یا بہت ہی تھوڑے سے پانی کی وادی۔

۹۔ جے پیسٹنگوکی Dic. of the Bible Revised One Vol. میں اس کی مشکوک حالت کی طرف

اس طرح اشارہ ہے:

An allegorical place-name, found only in Ps. 84,6 (AV, RSV), where RV renders 'Valley of Weeping.' Most probably it is no more an actual locality than is the 'Valley of the Shadow of Death' in Ps 234.³⁷

تمثیلی انداز میں ایک جگہ کا نام، جو صرف مزمو ۸۴:۶ میں ملتا ہے (RSV, AV)۔ اس مقام پر RV کا ترجمہ ہے 'گریہ و بکا کی وادی'۔ غالب امکان یہ ہے کہ یہ مزمو ۲۳:۴ میں 'موت کے سائے کی وادی' کی طرح کوئی حقیقی جگہ نہیں۔

۱۰۔ اے۔ ایس اگنن "پیسٹنگو لغت بائبل" میں اپنے مقالے 'بکا' میں اس وادی کے متعلق غیر یقینیوں کے علاوہ کوئی چیز بھی دریافت نہیں کر سکا ہے:

If an actual valley (the article is not quite conclusive), it may be identified either with 'the valley of Achor, i.e. trouble'; 'the valley of Rephaim'; a Sinaitic valley with a similar name (Burckhardt); or the last station of the caravan route from the north to Jerusalem.

Perseverance and trust not only overcome difficulties, but turn them into blessings; this is the lesson, whether the valley be real or only (as the Vulg. Vallis lacrymarum has become) an emblem of life.³⁸

اگر یہ کوئی واقعی وادی ہے (مقالے میں اس کے متعلق کوئی قطعی نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکا ہے)، تو یا تو اس کی وادی اخور یعنی مصیبت کی وادی کے طور پر نشان دہی کی جاسکتی ہے: یا 'وادی رفاہیم' کے طور پر؛ یا صحراے سینا کی اسی نام کی کسی وادی کے طور پر (برک ہارٹ)؛ یا پھر یہ شمال سے یروشلیم کی طرف

آنے والے کاروانوں کا آخری پڑاؤ ہو سکتی ہے۔

صبر و استقامت اور اعتماد کے ذریعے سے نہ صرف مشکلات پر قابو پایا جاسکتا ہے، بلکہ ان کے ذریعے سے انہیں نعمتوں میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ اس میں یہی سبق مضمر ہے، خواہ یہ وادی کوئی حقیقی وادی ہو یا محض علامتِ حیات۔

۱۱۔ ڈبلیو ایچ مارٹن بھی تقریباً انہی خیالات کا حامل ہے۔ وہ 'انٹر پرائزز بائبل ڈکشنری' میں اپنے مقالے 'بکا' میں لکھتا ہے:

No valley of such a name has yet been identified. (...). In the same vein, it is quite possible that the valley was entirely symbolic.³⁹

ابھی تک اس طرح کے نام کی کسی وادی کی نشان دہی نہیں کی جاسکی، (...)۔ اسی انداز میں یہ بھی بالکل ممکن ہے کہ یہ وادی کلیتاً علامتی ہو۔

۱۲۔ ڈاکٹر فرانس بھل (Dr. Frants Buhl of Copenhagen Univ.) اور ڈاکٹر مورس جسٹراؤ (Dr. Morris Jastrow of Univ. of Pennsylvania) نے بیان کیا ہے:

(...); but it signifies rather any valley lacking water.⁴⁰

(...)؛ بلکہ یہ کسی ایسی وادی کی نشان دہی کرتا ہے جس میں پانی نہ ہو۔

۱۳۔ 'اے نیوکسٹری اون ہولی سکرپچر' کو بھی اس بات کا یقین نہیں کہ وادی بکا کسی جگہ مل سکتی ہے:

Baca was the name of some valley [Note the air of uncertainty regarding the location of the valley!] on the way to the city.⁴¹

بکا کسی وادی کا نام تھا [ملاحظہ کیجیے کہ وادی کے محل وقوع کے متعلق یہی غیر یقینی کی فضا پائی جاتی ہے] جو شہر کے راستے میں واقع تھی۔

پیک (Peake) کی تفسیر بائبل کا بیان ہے:

The valley of Baca; this rendering is better than 'valley of weeping' (LXX, RV). The location of the valley is unknown. Baca may mean 'balsam tree', which grows in dry soil. The point at all events seems to be that the valley is arid.⁴²

وادی بکا: یہ ترجمہ رونے کی وادی (ہفتادی ترجمہ اور نظر ثانی شدہ ترجمہ) سے زیادہ بہتر ہے۔ اس وادی کا مکمل وقوع معلوم نہیں۔ بکا کے معنی 'بلسام کا درخت' بھی ہو سکتے ہیں جو درخت خشک زمین میں اگتا ہے۔ بہر صورت اہم نقطہ یہ دکھائی دیتا ہے کہ وہ وادی خشک تھی۔

مندرجہ بالا معلومات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ بائبل کے علماء وادی بکا کے ٹھیک ٹھیک محل وقوع کے متعلق کوئی یقینی دعویٰ نہیں کر سکتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حرم یروشلم کی زیارت سے ہٹ کر اس کا کسی اور جگہ سے تعلق قائم کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ یا تو وہ یہ بات فراموش کر چکے ہیں یا اسے جان بوجھ کر نظر انداز کر رہے ہیں کہ:

۱۔ یہ مزبور حضرت داؤد علیہ السلام نے لکھا ہے۔

۲۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی زندگی میں یروشلم میں ایسا کوئی حرم سرے سے موجود ہی نہیں تھا۔

۳۔ اس مزبور کی زبان اور ذلیف سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کسی ایسے حرم کا ذکر کر رہے ہیں جو عملی طور پر کہیں نہ کہیں موجود ہے۔

۴۔ حضرت داؤد علیہ السلام بڑے جذباتی انداز میں اس حرم کی زیارت کا شوق ظاہر کر رہے ہیں، لیکن کیونکہ یہ ان کی حدود سلطنت سے باہر ہے، اس لیے وہ یہاں حاضری دینے سے قاصر ہیں۔

اگر بائبل کے علماء نے اس مزبور کے واضح الفاظ اور نشان کو نظر انداز نہ کیا ہوتا اور اگر انہوں نے اس مقام کی نشان دہی کی مخلصانہ کوشش کی ہوتی تو وہ بڑی آسانی سے اس کا مکمل وقوع دریافت کر لیتے۔

’بکہ‘ کا حقیقی محل وقوع

یہ بات متفقہ طور پر تسلیم شدہ ہے کہ عبرانی بائبل میں متعلقہ مقام پر اصلی لفظ بکا ہے۔ سیاق و سباق اس بات کی صریح دلالت کر رہے ہیں کہ یہاں یہ اسم معرفہ کے طور پر استعمال ہوا ہے اور بائبل کے اکثر تراجم میں اس کی یہی حیثیت برقرار رکھی گئی ہے۔ بعض تراجم اس کی اصل حیثیت کا ادراک نہیں کر سکے اور انھوں نے اسے اسم معرفہ کے بجائے ایک عام سالفظ سمجھ لیا ہے۔ اور پھر انھوں نے من مانے طریقے پر مندرجہ ذیل مختلف معنی دے دیے ہیں: رونا، آنسو، بلسام کا درخت، شہوت، کوئی اور درخت، خشک داوی وغیرہ۔ یہ سب ایک غلط کاوش ہے اور کسی غلط فہمی پر مبنی ہے۔

عبرانی لفظ بکا تین حروف جمعی ب + ک + الف سے مرتب ہے۔ ’شرونگز کسنری‘ کے مطابق اس کے معنی ہیں:

‘weeping’⁴³ or ‘the weeping tree (some gum-distilling tree, perhaps the balsam); - mulberry tree.’⁴⁴ ‘Bakah’ is also composed of three alphabetical letters = (b+k+h), meaning ‘to weep; gen. to bemoan, to bewail, complain, mourn, with tears, weep’⁴⁵

رونایا رونے والا درخت (کوئی گوند والا درخت، جیسے شاید بلسام کا درخت)، شہوت کا درخت۔ ’بکہ‘ بھی تین حروف جمعی ب + ک + و سے مرکب ہے جس کے معنی ہیں: رونا، عام طور پر آہیں بھرا، آہ و زاری کرنا، شکایت کرنا، ماتم کرنا، آنسوؤں کے ساتھ رونا۔

جہاں تک اس کے استعمال کا تعلق ہے تو حقیقت یہ ہے کہ بکہ دراصل مکہ کا قدیم نام تھا۔ شروع میں یہ اسی لفظ بکہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ذیل میں لفظ بکہ کے لغوی معانی کی وضاحت کے لیے عربی کے چند مستند حوالے درج کیے جاتے ہیں۔

اٹھارہ جلدوں میں عربی زبان کی ایک مشہور لغت 'لسان العرب' میں اس کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے:

قال يعقوب: بُكَّةٌ ما بين جبلَي مَكَّةَ لأنَّ الناسَ يَبْكُ بعضهم بعضًا في الطوافِ أَي يَرْحَمُ؟ (...)
وفيل: بُكَّةٌ اسم بطن مَكَّةَ سميت بذلك لآزدحام الناس. وفي حديث معاهد: من أسماء مَكَّةَ بُكَّةٌ،
قيل: بُكَّةٌ موضع البيت ومَكَّةُ سائر البلد، وقيل: هما اسمَا البلدة، والباء والميم يتعاقبان. ^{٢٨}

یعقوب کہتا ہے: بُکَّہ وہ ہے جو مکے کے دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے، کیونکہ لوگ طواف کے دوران میں یہاں ایک دوسرے کو کچل دیتے تھے یا یہاں بہت زیادہ ہجوم ہو جاتا تھا۔ (...)۔ کہا جاتا ہے کہ بُکَّہ اندرون مکہ کا نام ہے اور اسے یہ نام لوگوں کی وہاں بہت بھیر ہو جانے کی وجہ سے دیا گیا تھا۔ مجاہد کی روایت میں بیان کیا گیا ہے بُکَّہ مکہ کے ناموں میں سے ہے اور کہا جاتا ہے: 'بُکَّہ خاتہ خدا کا مکمل وقوع ہے اور مکہ پورے شہر کا نام ہے۔' یہ بھی کہا گیا ہے [بُکَّہ اور مَكَّہ] دونوں ہی اس شہر کے نام ہیں اور 'ب' اور 'م' [حروف ابجد] ایک دوسرے کی جگہ آتے ہیں۔

(سولہ جلدوں کی) 'تہذیب اللغة' عربی زبان کی ایک انتہائی قابل اعتبار لغت ہے۔ اس میں اس وضاحت کے سلسلے میں لکھا ہے:

قال الليث: البك: دف العنق. ويقال سميت مكة بككة لأنها كانت تبك أعناق الحبايرة إذا الحدوا فيها. ويقال: بل سميت بككة لأن الناس يبك بعضهم بعضا في الطرق، أي يدفع. عمرو عن أبيه: بك الشئ: أي فسده، ومنه أخذت بككة لأنها كانت تبك أعناق الحبايرة إذا الحدوا فيها. ويقال: بل سميت بككة لأن الناس يبك بعضهم في الطرق. (...). قيل: إن بُكَّةَ موضع البيت، وسائر ما حوله مكة. قال: (الزجاج) والاجتماع أن مكة وبكة الموضع الذي يحج الناس إليه، وهي البلدة. (...) وقال (الزجاج): (لكلذي بيكة مباركة). فاما اشتقاقه في اللغة فيصلح أن يكون الأسم اشتق من بك الناس بعضهم في الطواف، أي دفع بعضهم بعضا. وقيل: إنما سميت بككة لأنها تبك أعناق الحبايرة. ^{٢٩}

الیث لکھتا ہے: 'البك' کے معنی ہیں گردن توڑنا۔ کہا جاتا ہے کہ ککے کا نام بکہ اس لیے پڑ گیا تھا کہ جب کوئی خالم سیدھے راستے سے انحراف کرتا تھا تو وہ اُس کی گردن توڑ دیتا تھا۔ اور یہ کہا جاتا

ہے کہ بکہ کا نام بکہ اس لیے رکھا گیا تھا، کیونکہ یہاں لوگ راستوں میں ایک دوسرے کو کچل دیتے تھے یا دھکے دیتے تھے۔ عمرو اپنے والد سے روایت کرتا ہے: 'ہک الشیء'، یعنی اُسے تو زویا اُس کے جوڑ الگ کر دیے اور اسی سے لفظ بکہ ماخوذ ہے، کیونکہ جب کوئی شخص یہاں حد سے تجاوز کرتا تھا تو یہ ایسے ظالموں کی گردنیں توڑ دیتا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے بکہ کا نام اس وجہ سے دیا گیا، کیونکہ اس کی راہوں میں لوگ ایک دوسرے کو کچل دیتے تھے۔ (...)۔ زجاج کہتا ہے: 'کہا جاتا ہے کہ بکہ حرم کا محل وقوع ہے اور جو کچھ اس کے ارد گرد ہے، وہ مکہ ہے۔ وہ (زجاج) کہتا ہے: اور اس بات پر اتفاق رائے ہے کہ مکہ اور بکہ وہ مقام ہیں جہاں لوگ حج کے لیے آتے ہیں، اور یہ شہر ہے۔ (...) اور وہ (زجاج) کہتا ہے: اور جہاں تک اس کے لغوی اشتقاق کا تعلق ہے تو یہ کہنا مناسب ہو گا کہ 'لوگ طواف میں ایک دوسرے کو کچل دیا کرتے تھے یعنی ایک دوسرے کو دھکے دیا کرتے تھے۔ اور کہا جاتا ہے کہ بکہ کو یہ نام اس لیے دیا گیا تھا، کیونکہ یہ ظالموں کی گردنیں توڑ دیتا تھا۔

'معجم الوسیط' میں ہے: 'بکہ یعنی مکہ'۔^{۹۹}

'الصباح' میں وضاحت کی گئی ہے:

وبکہ: اسم بطن مکة، سُمِّیَ بِذَلِكَ لِأَرْحَامِ النَّاسِ. وَيَقَالُ سُمِّیَ لِأَنَّهَا كَانَتْ تَبْكُ أَعْنَاقَ الْحَبَايَةِ.^{۱۰۰}

بکہ مکہ کے اندرونی حصے کا نام ہے۔ اس کا یہ نام اس لیے پڑا تھا کیونکہ اس میں لوگوں کا بہت ہجوم ہو جاتا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا تھا کیونکہ یہ بڑے بڑے ظالموں کی گردنیں توڑ کر مڑ دیتا تھا۔

'ترتیب القاموس المحيط' نے بھی 'بکہ' کی قدرے تفصیل سے وضاحت کی ہے:

ومہ بکہ لَنُحْمَةٍ، أَوْ لِمَانِسٍ حَبْلِيْهَا، أَوْ لِلْمَطَافِ لِذُنُهَا أَعْنَاقِ الْحَبَايَةِ، أَوْ لِأَرْحَامِ النَّاسِ بِهَا.^{۱۰۱}

بکہ یا تو مکہ کے لیے استعمال ہوتا ہے یا جو کچھ مکہ کے دو پہاڑوں کے درمیان ہے، اس کے لیے ہے یا مصطاف کے لیے، کیونکہ یہ مغروروں کی گردنیں توڑ دیتا ہے یا اس وجہ سے کہ اس میں

لوگوں کا بہت ہجوم ہوتا ہے۔

'محیط المحيط' بھی عربی لغات میں ایک سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ فیروز آبادی کی مشہور لغت 'القاموس المحيط' کی نظر ثانی شدہ اور ترقی دادہ صورت ہے۔ اس نے بھی اس لفظ کی اسی طرح وضاحت کی ہے:

بمكة لغة فني مكة أو اسم ما بين حبلها أو للمطاف قيل سميت بذلك لدخولها أعناق الحبايرة أو
لازدحام الناس بها۔^{۵۲}

یہ اس جگہ کا نام ہے جو مکہ کے دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے یا مطاف کا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا کیونکہ یہ منکبروں کی گردنیں توڑ دیتا تھا یا اس لیے کہ وہاں لوگوں کا بہت ہجوم ہو جاتا ہے۔

جہاں تک عربی الفاظ کے بنیادی مادوں کا تعلق ہے 'معجم مقایس اللغة' ایک سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس نے اس لفظ کی تشریح مندرجہ ذیل الفاظ میں کی ہے:

قال الحلیل: 'الْبَكُّ' ذُو الْعُنُقِ، وَيُقَالُ سَمِيتُ بِمَكَّةَ لِأَنَّهَا تَكُ أَعْنَاقُ الْحَبَايِرِ، إِذَا انْخَلَدُوا فِيهَا
يُظْلَمُ لَمْ يُنْظَرُوا، وَيُقَالُ بَلْ سُمِّيَتْ بِمَكَّةَ لِأَنَّ النَّاسَ بَعْضُهُمْ بِبَكُّ بَعْضًا فِي الطُّوُفِ، أَيْ يَدْفَعُ۔^{۵۳}

انخلیل کہتا ہے 'البک' یعنی گردنیں کچلتا یا توڑتا۔ اور کہا جاتا ہے کہ بکہ کا یہ نام اس لیے رکھا گیا کیونکہ یہ ظالموں کی گردنیں کچل دیتا تھا۔ جب وہ ظلم کی طرف مائل ہوتے تو وہ منظر سے ہٹا دیے جاتے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا نام بکہ اس لیے پڑا کیونکہ لوگ طواف کے دوران میں ایک دوسرے کو کچل دیتے تھے یا پرے دھکیل دیتے تھے۔

انخلیل بن احمد (۱۰۰-۱۷۵ ہجری) عربی لغات کے سب سے زیادہ مستند محققین میں سے ایک ہے۔ عربی زبان کی اولین لغت 'کتاب العین' اسی کی ترتیب دی ہوئی ہے۔ وہ کہتا ہے:

السَّنُّ: ذُو الْعُنُقِ، وَسُمِّيَتْ مَكَّةَ: بِمَكَّةَ، لِأَنَّ النَّاسَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فِي الطُّوُفِ، [أَيْ: يَدْفَعُ

بعضہم بعضًا بالازدحام۔ ويقال: بل شحيت، لأنها كانت ثلث أحناف الجابرة إذا الحدوا فيها بقلم.^{۵۴}

البلک یعنی گردن کچل دینا۔ مکہ کا نام مکہ اس لیے رکھا گیا کیونکہ لوگ طواف کے دوران میں ایک دوسرے کو کچل دیا کرتے تھے یا جھوم کی وجہ سے ایک دوسرے کو پرے دھکیل دیا کرتے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کو یہ نام اس لیے دیا گیا تھا کیونکہ یہ ظالموں کی گردنیں کچل دیتا تھا جب وہ زمین میں ظلم کے ذریعے سے رافق سے انحراف کرتے تھے۔

'اخبار مکہ' عربی زبان میں چھ جلدوں میں مکہ کی ایک مفصل تاریخ ہے۔ ذیل میں 'اسماء مکہ' نامی اس کی فصل سے چند اقتباسات نقل کیے گئے ہیں:

وقال لى رجل من أهل مكة، وأعطاني كناناً عن أشياخه، فاذ فيه أسماء مكة، فيما رعم المكيون. والله أعلم. قالوا: هي مكة، وبكة، برة، بئاسه، أم القرى، الخرم، المسجد الحرام، والبند الامين. (...) وقالوا من أسمائها صلاح. (...). وقال بعض المكيين: من أسمائها [كوني].^{۵۵}

مکہ کے کسی باشندے نے مجھے اپنے آباؤ اجداد میں سے کسی کی لکھی ہوئی ایک کتاب دی۔ اس میں مکہ کے وہ نام بیان کیے گئے تھے جن کے متعلق مکہ کے باشندوں کا دعویٰ تھا کہ وہ اس کے نام ہیں، یعنی مکہ، بکہ، بکہ، بئاسہ، أم القرى، الخرم، المسجد الحرام اور البند الامين۔ (...) کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس کے ناموں میں سے 'صلاح' بھی ایک نام ہے۔ (...) بعض کے والوں کا دعویٰ ہے کہ 'مکوئی' بھی اس کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

مکتوب فی اسفل المقام: أنا الله ذوبكة حرمتها يوم خلقت السموات والأرض.^{۵۶}

'المقام' کے نیچے لکھا ہے: میں اللہ ہوں، بکہ کا رب۔ میں نے اسے اس دن مقدس قرار دیا جب زمین و آسمان وجود میں لائے گئے۔

قرآن نے اس مقام کے نام کے لیے مکہ اور بکہ، دونوں الفاظ استعمال کیے ہیں۔ جب اس کا ذکر قدیم زمانے کے ایک مقام کے طور پر کیا گیا ہے تو اس کا نام 'بکہ' لیا گیا ہے، جیسا کہ

قرآن کی تیسری سورت میں آیا ہے:

إِن أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ . قِبَةَ آيَاتٍ يُبَيِّنَاتٍ مِّمَّا يُزَيِّهَاتُ
وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ جَمْعُ الشَّيْءِ مِنْ اسْتِطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ

بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ، جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی، وہ وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے۔ اس کو خیر و برکت دی گئی تھی اور تمام جہان والوں کے لیے مرکب ہدایت بنایا گیا تھا۔ اس میں گھسی ہوئی نشانیاں ہیں، ایسا ایمان کا مقام عبادت ہے، اور اس کا حال یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہوا، مامون ہو گیا۔ لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو، وہ اس کا حج کرے۔ قرآن میں وہ دوسرا موقع جہاں یہ لفظ آیا ہے، سورۃ الفتح ہے۔ یہاں یہ لفظ نبی اکرم ﷺ کے عہد کے پس منظر میں بیان ہوا ہے:

وَمُؤَلِّدِي كَفٍّ لِّدِينِهِمْ عَدُوٌّ لِّدِينِهِمْ عَدُوٌّ لِّدِينِهِمْ عَدُوٌّ لِّدِينِهِمْ عَدُوٌّ لِّدِينِهِمْ عَدُوٌّ لِّدِينِهِمْ
بِمَا تَعْمَلُونَ بَعْضُهُمْ

وہی ہے جس نے کئی کئی وادی میں ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیے، حالانکہ وہ ان پر تمہیں غلبہ عطا کر چکا تھا اور جو کچھ تم کر رہے تھے، اللہ اُسے دیکھ رہا تھا۔ یہاں اس کا ذکر مکے کے نام سے ہوا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اس کا نام 'مکہ' ہی رائج تھا۔

حروفِ تہجی 'ب' اور 'م' کا خروج (آواز کا سرچشمہ) ایک ہی ہے یعنی ہونٹ۔ اس طرح یہ بات عین قرین قیاس ہے کہ امتدادِ زمانہ کے ساتھ لفظ 'مکہ' کی شکل اختیار کر لی ہو۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس جگہ کا اصلی اور قدیم نام 'مکہ' ہی تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہی قدیم نام استعمال کیا، کیونکہ ان کے زمانے میں اس شہر کا یہ نام زیادہ رائج تھا جو بعد کی صدیوں میں بدل کر لفظ 'مکہ' کی شکل اختیار کر گیا۔

بائبل کی متعلقہ آیت میں ہے: 'وادی بکا میں سے گزرتے ہوئے وہ اس میں ایک کنواں

بناتے ہیں۔ 'حضرت ہاجرہ اپنے بیٹے اسماعیلؑ کے لیے پانی کی تلاش کے دوران میں وادی بکا میں سے گزر رہی تھیں، جس کے نتیجے میں انھیں ایک کنواں (میرسج یا زم زم) دیا گیا تھا۔ جن لوگوں کو اس وادی بکا کی زیارت کا موقع ملا ہے، وہ یہ بات خوب جانتے ہیں کہ خانہ کعبہ ایک نشیبی علاقے میں واقع ہے۔ سابقہ ادوار میں جب یہاں زوردار بارش ہوتی تھی تو یہ جگہ ایک تالاب کی سی شکل اختیار کر لیتی تھی۔ اب وہاں ایک نہایت جدید نکاسی آب کا نظام تعمیر کر دیا گیا ہے اور بارش کا پانی وہاں سے تیزی کے ساتھ بہ جاتا ہے۔ اس طرح اس آیت کا ہر جز مکہ کے زمینی حقائق پر پوری طرح منطبق ہے۔

آیت ۷ میں بیان ہے: 'ووقت سے قوت کی طرف جاتے ہیں' یہ الفاظ زائرین (حجاج کرام) کے جوش و جذبہ کی عکاسی کرتے ہیں۔ جوں جوں وہ حرم کعبہ کے قریب سے قریب تر پہنچتے ہیں تو ان کے جوش و جذبے میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، جو انھیں تھکاوٹ کے بجائے نئی قوت اور جوش و جذبہ بخشتا ہے۔

آیت کا دوسرا جملہ ہے: 'ان میں سے ہر ایک صیہون میں خداوند کے حضور ظاہر ہوتا ہے'، جیسا کہ NIV میں بیان ہے، 'یہاں تک کہ ہر ایک صیہون میں خداوند کے حضور نمودار ہوتا ہے'۔ اس طرح یہ بات ضروری ہو جاتی ہے کہ لفظ صیہون کا قدرے تفصیلی مطالعہ کیا جائے۔

جہاں تک اس کے معنی کا تعلق ہے، انسائیکلو پیڈیا بلیکا کا بیان ہے:

Various explanations of the name have been given. Gesenius (Thes. 1164) and Lagarde (Ubers. 84. n) derive from [a Hebrew word meaning] 'to be dry.' (...) Wetzstein derives from 'to protect,' so that the name would mean 'arx, citadel'; cp Zin.⁵⁹

اس لفظ کی متعدد توضیحات بیان کی گئی ہیں۔ Gesenius اور Lagarde اسے ایک ایسے عبرانی لفظ سے ماخوذ قرار دیتے ہیں جس کے معنی ہیں خشک ہونا۔ (...) Wetzstein اسے حفاظت کرنا سے ماخوذ قرار دیتے ہیں۔ اس طرح اس لفظ کے معنی ہوں گے 'ایک قلعہ'۔

'انٹر پریٹرز بائبل ڈکشنری' میں وضاحت ہے:

The etymology of the name is uncertain. It may be related to the Hebrew (sayon), "dry place", "parched ground" (Isa. 25:5; 32:2).⁶⁰

اس نام کا اشتقاق غیر یقینی ہے۔ اس کا تعلق عبرانی لفظ صیہون سے ہو سکتا ہے جس کے معنی ہیں: 'خشک جگہ'، 'جھلسی ہوئی زمین'۔

ملاحظہ کیا جاسکتا ہے کہ 'خشک جگہ' یا 'جھلسی ہوئی زمین' کا اطلاق صرف مکہ کی بے آب و گیاہ سرزمین ہی پر کیا جاسکتا ہے۔ اس کا اطلاق یروشلم کی سرسبز و شاداب زمین پر کسی طرح ممکن نہیں۔ بائبل میں آنے والے دوسرے ناموں کی طرح 'صیہون' کے بھی ایک سے زیادہ مفہوم ممکن ہیں۔ یہ بات عین قرین قیاس ہے کہ ایک صیہون مکہ کا ہو اور دوسرا یروشلم کا، لیکن 'خشک جگہ' یا 'جھلسی ہوئی زمین' کے مفہوم کے لحاظ سے موجودہ سیاق و سباق میں اس کا اطلاق صرف مکہ ہی پر کیا جاسکتا ہے۔ موجودہ کتاب کے مصنف کے لیے یہ بات ممکن نہیں کہ وہ یہاں اس پر تفصیلی گفتگو کرے، تاہم یہ بات انتہائی قابل توجہ ہے کہ اس وقت یروشلم میں کوئی حرم مقدس موجود نہ تھا، اس لیے یہاں یروشلم کے کسی صیہون کا مفہوم کسی طرح ممکن نہیں۔ مزبور کا بقیہ حصہ حضرت دلاؤد علیہ السلام کی اس شدید خواہش کا اظہار کرتا ہے کہ کاش انھیں بھی دوسرے زائرین کی طرح حرم الہی کی زیارت کا موقع نصیب ہو۔

روایات اور تاریخی واقعات کا ماضی میں جتنا پیچھے جا کر جائزہ لیا جائے، اُس سے اس بات کی نشان دہی ہوتی ہے کہ سرزمین موریا (مکہ کی ایک پہاڑی) کے علاقے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے حقیقی اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے لیے پیش کیے جانے کی یادگار زمانہ قدیم سے منائی جا رہی ہے، لیکن قوم یہود یا مسیحیوں میں کوئی ایک بھی ایسی جگہ یا رسم یا تہوار یا نشانی یا عمارت نہیں جہاں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے اکلوتے بیٹے کو قربانی کے لیے پیش کرنے کے کسی واقعے کی کوئی یادگار مناتے ہوں۔ اب یہ قاری کا کام ہے کہ وہ کوئی معروضی نتیجہ اخذ کرے۔

اس باب کے بغور مطالعے سے مندرجہ ذیل نکات واضح ہوتے ہیں:

- ۱۔ حضرت دلاؤد علیہ السلام کے دور میں 'قوموں کے خداوند کا کوئی گھر' پہلے سے موجود تھا۔
- ۲۔ یہ ایک مقدس حرم تھا اور دور و نزدیک سے بکثرت حجاج کرام اس کی زیارت کے لیے آیا کرتے تھے۔

۳۔ حضرت دلاؤد علیہ السلام اس جگہ ایک قابل لحاظ مدت تک کے لیے قیام پذیر رہے تھے۔

۴۔ یہ حرم مقدس وادی بکہ میں واقع تھا۔

۵۔ اپنے وطن واپس جانے کے بعد انھیں بعض اسباب کی بنا پر اس حرم مقدس کی زیارت کا موقع نصیب نہیں ہوا تھا۔

۶۔ انھوں نے اس حرم مقدس کی زیارت کے لیے اپنی شدید خواہش کا اظہار کیا۔

۷۔ وہ ان پرندوں پر رشک کا اظہار کرتے ہیں جو بے روک ٹوک اس حرم مقدس میں اپنے آشیانے بناتے اور وہاں رہتے ہیں۔

۸۔ انھیں خداوند کے اس گھر سے اتنی عقیدت ہے کہ اپنے وطن میں، جسے وہ اس حرم مقدس کے مقابلے میں برائی اور مکاری کی سرزمین قرار دیتے ہیں، رہنے کے مقابلے میں اس 'بیت اللہ' کی درباری کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔

۹۔ اُن کے خیال میں 'خداوند کے دربار' میں ایک دن بسر کرنا کسی اور جگہ ایک ہزار دن کے قیام سے بہتر ہے۔

۱۰۔ یہودیوں کا حرم مقدس (یعنی مکمل سلیمانی) اُس وقت تک معرض وجود ہی میں نہ آیا تھا۔

یہ تو اُن کی وفات کے بعد اُن کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کرایا تھا۔ اُس وقت تک صرف مکہ مکرمہ کا خانہ کعبہ ہی موجود تھا جو اُن کے بزرگ آبا ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام نے قریباً دس صدیاں پہلے تعمیر کیا تھا اور پورا سال لاکھوں عقیدت مند اس کی زیارت کے لیے آتے تھے۔

حواشی باب یازدہم

۱۔ جہاں تک اس مزمور کی تالیف کا تعلق ہے، اسے پورے اطمینان سے بذات خود حضرت داؤد علیہ السلام کی حقیقی تالیف قرار دیا جاسکتا ہے۔ ذیل میں بعض مستند علما کی آراء درج کی گئی ہیں۔ مٹھیو ہنری (Matthew Henry) پرانے اور نئے عہد نامے کی تفسیر (۳۲۴:۳) کے مقدمے میں رقم طراز ہے:

Though David's name be not in the title of this song, yet we have reasons to think he was the penman of it, because it breathes so much of his excellent spirit and is so much like the sixty-third psalm which was penned by him; (...), witness this psalm, which contains the pious breathing of a gracious soul after God and communion with him

اگرچہ اس مزمور کے عنوان میں داؤد کا نام نہیں ہے۔ پھر بھی ہم یہ سوچنے میں حق بجانب ہیں کہ وہی اس کے مصنف تھے، کیونکہ یہ ان کی عظیم الشان روح سے مطابقت رکھتا ہے اور بالکل ترسٹھویں مزمور سے مشابہ ہے جو اسی [حضرت داؤد علیہ السلام] کا لکھا ہوا ہے۔ (...) اس مزمور کو پڑھ کر یقین ہے۔ اس میں ایک کریم روح اور اتقویٰ کی آمیزش صاف جھلکتی ہے اور اپنے خداوند سے رخصت مہجودیت استوار کرنے کا جذبہ موجزن ہے۔

'سیون تھ ڈے ایڈونٹس تفسیر بائبل' میں (۸۲۷:۳) پر اس مزمور کے متعلق مقدمے میں تحریر ہے:

Ps 84 was composed by David, the Lord's "anointed" (...). It is a passionate lyrical expression of devotion and love for the house of Jehovah and His worship. The psalm seems to describe the blessedness of those who dwell in the sacred precincts (vs. 1-4, 9-11), the blessedness of those who make pilgrimages to the sanctuary (vs. 5-8).

مزمور ۸۴ خداوند کے مسوح داؤد کی تالیف ہے۔ (...) یہ اللہ تعالیٰ کے گھر اور اس کی عبادت کے لیے لگن اور محبت کا نظم کے انداز میں جذباتی اظہار ہے۔ اس مزمور سے ان لوگوں کے خوش نصیب اور بابرکت ہونے کے بیان کا اظہار ہوتا ہے جو اس کی مقدس حدود میں رہائش پذیر ہیں (آیات ۱-۹، ۱۱)۔ اس سے ان لوگوں کے بابرکت ہونے کا اظہار بھی ہوتا ہے جو اس حرم کی زیارت سرانجام دیتے ہیں (آیات ۵-۸)۔

پیک (Peake) کی تفسیر بائبل (صفحہ ۴۳۱) میں درج ہے:

The period of its composition is clearly that of the monarchy.

اس کی تالیف کا زمانہ واضح طور پر (متحدہ) شہنشاہیت کا دور ہے۔

ان چند اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ بائبل کے مفسرین اسے بذات خود حضرت داؤد علیہ السلام کی تحریر قرار دیتے ہیں۔

۲۔ یہاں لفظ 'مذبح' یا 'گروہوں' کا خداوند کے الفاظ سے مراد یہی ہو سکتی ہے کہ وہ صرف اسرائیل کا خداوند نہیں ہے، بلکہ تمام قوموں کا پروردگار ہے۔

۳۔ یہاں عبرانی کا جو اصل لفظ استعمال کیا گیا ہے، وہ ہے 'مشکان'، جو عربی کے لفظ 'مسکن' یعنی جگہ رہائش کا لفظ مترادف ہے۔ سرنوٹ کی جگہ کہا لاؤ کشنری (اندرج ۴۹۰۸، صفحہ ۴۷) کے مطابق اس کے معنی ہیں:

a residence; dwelling (place), habitation.

رہائش: (جگہ) رہائش، آبادی۔

اس طرح 'تیرانیمہ' عبادت اے رب الافواج کے لفظی معنی ہوں گے: 'اے قوموں کے خداوند تیرا گھر'۔ عربی میں اسے 'بیت اللہ' کہا جائے گا جو مکہ کا لکجہ ہے۔ اس حقیقت کی پیش نظر کہ یہ مکہ کی سلیمانی ابھی تک تعمیر نہیں ہوا تھا، اس بات میں کوئی شک نہیں رہتا کہ یہ صرف مکہ کے خانہ کعبہ سے متعلق ہے، کیونکہ اُس وقت تک روئے زمین پر اس کے علاوہ کوئی خداوند کا گھر موجود نہ تھا۔

یہ مگرے اینڈ ایڈمز کی تفسیر بائبل میں (۲: ۶۱۱ پر) وضاحت کی گئی ہے:

David says not, 'Oh how I long for my palace, my crown, my sceptre, my kingdom; but oh how I long to return to the house of God' [the word 'return' shows that King David had previously been to this place.]

داؤد یہ نہیں کہتے کہ 'میں اپنے محل، اپنے تاج و تخت، اپنے عصاے اقتدار، اپنی سلطنت کی آرزو میں کتنا بے تاب ہوں'۔ بلکہ وہ یہ کہتے ہیں: 'میں اپنے خداوند کے گھر میں واپس جانے کے شوق میں کتنا بے چین ہوں!' [لفظ 'واپس جانے' سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت داؤد پہلے بھی اس جگہ ہوئے تھے]۔

تاہم یہ بات قابل ملاحظہ ہے کہ یہ مکہ کی سلیمانی کی تعمیر ابھی شروع نہیں ہوئی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام

کے عہد تک صرف ایک ہی خانہ خدا موجود تھا جو مکہ میں [اس وقت مکہ کا نام مکہ ہی تھا]، ان کے آباؤ اجداد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔

۵ 'بیونہ ڈے ایڈونٹس' تفسیر بائبل (۸۲۸:۳) پر اس آیت کی ان الفاظ میں وضاحت کی گئی ہے:

The general meaning of the verse, whose conclusion the poet only implies, is that even the birds have free access to the sacred precincts of the sanctuary, they make their homes there undisturbed, while the psalmist is exiled from the source of his joy, is denied the privilege of worshipping within the sacred enclosure. The nostalgic appeal of this verse is one of the most delicately beautiful expressions of homesickness in the whole realm of literature

اس آیت کے، جس کا انجام شاعر محض منمائی بیان کرتا ہے، عمومی معنی یہ ہیں کہ اس حرم مقدس کی حدود میں پرندے تک رسائی رکھتے ہیں اور وہ بغیر کسی ظلم کے اپنے گھر بناتے ہیں، جبکہ معصوب زبور اپنے سر پر شہ مسرت سے خارج البلد ہے اور وہ اس مقدس چار دیواری کی حدود میں عبادت کے استحقاق و اعزاز سے محروم ہے۔ اس آیت کی حسرت بھری آرزو عالمی ادب میں اپنے گھر سے دوری اور مہجوری کے انتہائی حسین و نازک طرزِ اظہار کی ایک بہترین مثال ہے۔

۶ 'نیو کسٹراڈائیونٹس' بائبل (NOAB) میں صفحہ ۷۴ پر آیات ۳-۴ کے سلسلے میں ایک خوبصورت حاشیہ درج ہے:

Envy of the birds and servants [a male servant] who live there.

پرندوں اور ان خادموں پر رشک جو وہاں رہتے تھے۔

'کالج' و تفسیر بائبل، صفحہ ۷۷ میں ان آیات ۳-۴ کی جو تشریح کی گئی ہے، وہ بھی قابلِ ملاحظہ ہے:

All living things are safe from threat in the presence of the Lord.

خداوند کے حضور میں تمام زندہ چیزیں دھمکی یا خطرے سے محفوظ ہیں۔

۷ مضمیمہ ہنری کی 'عہد نامہ قدیم و جدید کی تفسیر' (۳۲۳:۴-۳۲۵) نے اس نکتے کی مندرجہ ذیل وضاحت کی ہے:

He would rather live in a bird's nest nigh God's altars than in a palace at a distance from them. It is better to be serving God in solitude than serving sin with a multitude. (...) Observe, David envies the happiness not of those birds that flew over the altars, and had only transient view of God's courts, but of those that had

rests for themselves there. David will not think it enough to sojourn in God's house as a way-faring man that turns aside to tarry for a night; but let this be his rest, his home; here he will dwell.

وہ اس بات کو زیادہ ترجیح دے گا کہ خداوند کی قربان گاہ کے قرب و جوار میں کسی گھونسلے میں رہائش اختیار کر لے، بد نسبت اس کے کہ اس سے دور ہو کر کسی محل میں رہے۔ یہ بہتر ہے کہ تنہائی میں رہ کر خدا کی عبادت کی جائے۔ بد نسبت اس کے کہ ہجوم میں رہ کر گناہ کی خدمت بجالائی جائے۔ (...)۔ ملاحظہ کیجیے کہ داؤدان پرندوں کی مسرت پر رشک نہیں کرتے جو قربان گاہوں کے اوپر سے ہو کر گزر جائیں اور خداوند کے ایوانوں کی صرف ایک جھلک ہی دیکھ جائیں، بلکہ ان پرندوں کی مسرت پر رشک کرتے ہیں جو وہاں اپنے لیے مستقل آشیانے بنا کر ان میں رہتے ہیں۔ داؤد کے لیے صرف یہ کافی نہیں ہے کہ خانہ خدا میں ایک ایسے راہ گیر انسان کی طرح تھوڑی دیر قیام کر لیں جو شب بھر کی کے لیے راست چھوڑ کر آرام کرتا ہے، بلکہ خانہ خدا کو اس کا مستقر اور مستقل ٹھکانا بنانا چاہیے جہاں وہ رہائش اختیار کرے۔

۸ انگریزی 'لنگ جھروشن' میں اصل عبارت یہ ہے: 'They will be "still" praising thee.'

گرے اور آدم کی تفسیر بائبل (۶۱:۲) کے مطابق یہاں 'still' کے معنی 'All the Day long' یعنی 'سارا دن' ہیں۔

۹ NIV صفحہ ۶۲۱ میں اس کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے: 'they are ever praising you' یعنی 'وہ ہمیشہ تمہاری حمد بیان کر رہے ہیں'۔ بجائے اس کے کہ یہ ترجمہ کیا جائے: 'they will be still praising'۔

'thee' یعنی 'وہ ابھی تک تیری تعریف کر رہے ہوں گے'۔

۱۰ 'نیو کیٹھولک کومنٹری' (صفحہ ۴۷۳) میں اس آیت کا ترجمہ ہے:

Blessed [be] those who dwell in thy house, still they praise thee.

مبارک ہیں وہ جو تیرے گھر میں رہائش پذیر ہیں۔ وہ ابھی تک تیری تعریف بیان کرتے ہیں۔

اس میں مزید درج ہے:

Yet the idea of "They are pilgrims at heart" is consistent with the theme of the psalm.

پھر بھی 'وہ دل سے زیارت کے لیے آئے ہیں' کا نظریہ مزمور کے مضمون سے مناسبت رکھتا ہے۔

۱۱ NIV صفحہ ۶۲۱ نے اس کا نہایت عمدہ ترجمہ کیا ہے: 'who have set their hearts on pilgrimage'۔

'جنہوں نے اپنے دل میں حج و زیارت کی لو لگائی ہے، بجائے اس ترجمے کے کہ 'in whose heart are the ways of them' یعنی 'جن کے دل میں ان کی راہیں ہیں'۔

۲ 'سینتھ ڈے ایڈونٹس تفسیر بائبل' (۸۲۸:۳) پر اس آیت کی یہ تشریح کی گئی ہے:

The second blessing is bestowed on those who hold God in their hearts as they make the pilgrimage.

دوسری برکت ان کو عطا کی گئی ہے جو حج کی ادائیگی کے وقت خداوند کو اپنے دل میں جگہ دیتے ہیں۔

واضح رہے کہ یہاں اردو ترجمے میں جو لفظ 'صیون' لکھا ہے (نیز بعض انگریزی تراجم میں بھی، مثلاً

'نیوا کسٹرا اینونٹید بائبل' ایڈیشن سوم نے صفحہ ۸۴۹ پر اور *Praise Songs of Israel: Rendering of*

the Book of Psalms: 26 Translations of the OT Books of Poetry نے صفحہ ۳۳۲ پر لکھا ہے:

In whose heart are the highways to Zion. یعنی 'جن کے دل میں صیہون کی شاہراہیں ہیں' لیکن

نیچے حاشیے میں یہ بھی لکھ دیا ہے: 'Heb. lacks to Zion' تو اکثر ویش تراجم میں یہ موجود

نہیں ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اصل عبرانی عبارت میں بھی اس کا کوئی وجود نہیں حتیٰ کہ کیتھولک

اردو بائبل 'کلام مقدس' میں بھی نہیں۔ اس کے برعکس اس میں حج کا مفہوم موجود ہے۔ لکھا ہے: 'جب

اس کے دل میں زیارت کا خیال ہے' (کلام مقدس، روما ۱۹۵۸ء، صفحہ ۷۳۹)۔ اسی طرح 'دی ہولی

بائبل مشنل برعہد نامہ قدیم و جدید، این امپر دوڈ ایڈیشن' (امیریکن بپٹسٹ پبلیکیشنز سوسائٹی، بحوالہ

'The OT Books of Poetry from 26 Translations, 1973, p.334') میں ترجمہ ہے:

In their heart the pilgrim-ways.

یعنی 'ان کے دل میں ہیں حج کی راہیں'۔ نیوا انگلش بائبل میں ہے (صفحہ ۴۴):

whose hearts are: set on the pilgrim-ways! یعنی 'جن کی نظریں حج کی راہوں پر لگی ہیں'۔ اے نیو انٹرنیشنل آف دی

بائبل James Moffatt, A New Translation of the Bible (London: Hadder and Stoughton, 1941) میں صفحہ ۳۳۲ پر ہے:

Set out on pilgrimage. یعنی 'حج کے لیے

چل پڑے ہیں'۔ نیو انٹرنیشنل ورژن (NIV) میں ہے:

Who have set their hearts on pilgrimage. یعنی 'جنہوں نے اپنے دلوں میں حج کی لو لگائی ہے' اس سے صاف ظاہر ہے کہ مزمور ۸۴ کا اصل

موضوع 'حج' ہی ہے۔

کنٹریری انگلش ورژن (CEV) نے صفحہ ۷۰ پر اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

You bless all who depend on you for their strength and all who deeply desire to visit your temple.

تم ان سب پر برکت نازل کرتے ہو جو اپنی قوت کے لیے تم پر بھروسہ کرتے ہیں اور جو تمہارے ٹیمپل کی زیارت کی شدید آرزو رکھتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس جگہ بھی 'حج' ہی کا ذکر ہے۔ اور 'صیہون' کا لفظ یہاں سراسر غلط بحث ہے۔
۱۲۔ 'صیہون' بھری کی تفسیر (۳۲:۴) نے اس جگہ اس راے کا اظہار کیا ہے:

Our way to heaven lies through a valley of Baca, but even that may be made a well if we make due improvement of the comforts God has provided for the pilgrims of the heavenly city.

ہمارا جنت کا راستہ ایک وادی بکا میں سے ہو کر گزرتا ہے، لیکن وہاں بھی ایک کنواں بنایا جاسکتا ہے، بشرطیکہ ہم ان آسائشوں کی ترقی کا فریضہ سرانجام دیں جو خداوند نے اس شہر جنت کے زائرین (حاجیوں) کے لیے فراہم کی ہیں۔

۱۳۔ 'گرے اور آدم کی تفسیر' ۱۱۳:۲ پر وضاحت کی گئی ہے:

To such a one, whose soul is athirst for God, the valley of Baca becomes a well, while the hot rock pours out its streams of blessing.

جب گرم اور سنگاخ چٹان سے اس کی برکت بھری ندی پھوٹ بہتی ہے تو وادی بکا ایسے شخص کے لیے، جس کی روح خداوند کی پیاسی ہے، ایک کنواں بن جاتی ہے۔
ان الفاظ میں زائرین کہہ کے ذہن کی مکمل عکاسی کی گئی ہے۔

۱۴۔ پشیتا (Peshitta) بائبل صفحہ ۶۲۸ میں ہے:

They have passed through the valley of weeping [the word 'weeping' shows that the actual word here was 'Baca', because its meaning, if not taken as a proper noun, is 'weeping'], and have made it a dwelling place; the Lawgiver shall cover it with blessings.

وہ روئے کی وادی میں سے گزر کر آئے ہیں [لفظ 'روتا' ظاہر کرتا ہے کہ یہاں اصل عبرانی لفظ 'بکا' ہے، کیونکہ اگر اسے اسم معرفہ قرار نہ دیا جائے تو اس کے معنی روتا ہی بنتے ہیں] اور اسے جاے رہائش بنالیا

ہے۔ شارع اسے برکت سے ڈھانپ دے گا۔

۱۶۔ بائبل میں اس مقام پر جو اصل عبرانی لفظ استعمال ہوا ہے، وہ ہے 'حایل'۔ 'سٹرڈنگزڈ کشنری' (اندراج ۲۴۲۸، صفحہ ۳۹) کے مطابق اس کے معنی ہیں: 'ایک فوج، قوت، آدمیوں کا دستہ، کمپنی'۔ اس کا مطلب ہوا: 'وہ جوق در جوق آتے ہیں، جیسا کہ کئے میں حجاج و زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔

۹۹ کے تحت اس کے معنی ہیں:

to Parch; concretely a desert; - barren, dry (land, place), wilderness, solitary place.

جبلہ، اعلیٰ طور پر ایک صحرا: بنجر، خشک (علاقہ یا جگہ)، صحرا و بیابان، ویران اور غیر آباد جگہ۔

اس لحاظ سے اس کا اطلاق کسی چٹائی، کوئی بنجر، خشک جگہ یا صحرا ہی پر ہو سکتا ہے، جیسا کہ مکہ ہے۔ یہوشلم جیسی کسی سرسبز و شاداب جگہ پر اس کا اطلاق درست نہیں۔

The Hebrew and Aramaic Lexicon of the O.T. (۱۰۲۲:۲) پر 'صیون' کے معنی ہیں: 'Barren

place, bare hill'۔ اردو میں اس کا مطلب ہے: بنجر جگہ، بے آب و گیاہ پہاڑی۔

'انسائیکلو پیڈیا بلیکا' (۵۴۲۱:۴) میں 'صیون' کے ضمن میں درج ہے:

Gesenius and Lagarde derive from [a Hebrew word which means] 'to be dry'. (....) It may be better however, to add zion to group Zin, Zenan, and Zoan, and to suppose Zion to be a descendent of the race-name 'Ishmael' through the intermediated form Zibeon.

جینیئس اور لیگارڈے اسے ایک عبرانی لفظ سے ماخوذ قرار دیتے ہیں جس کے معنی ہیں: 'خشک ہونا'۔ (....) تاہم بہتر یہ ہوگا کہ صیون کو زین، زینان اور زوان کے گروپ میں شامل کیا جائے اور یہ فرض کر لیا جائے کہ صیون 'زیون' کی درمیانی حالت کے واسطے سے نسلی نام 'اسماعیل' کی اولاد سے متعلق ہے۔

نیز ملاحظہ کیجیے اوپر حاشیہ ۱۲۔

۱۸۔ 'مگرے اور آدم کی تفسیر' (۶۱۴:۲) میں وضاحت کی گئی ہے:

The poet would rather be the humblest of the guests of Jehovah than dwell at

case among the heathen.

شاعر کہتا ہے کہ وہ مشرکوں کے ساتھ عیش کی زندگی گزارنے پر اس بات کو ترجیح دے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ایک حقیر ترین مہمان بن کے زندگی گزارے۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر (حضرت داؤد علیہ السلام) 'خانہ خدا' کو کس قدر عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

۱۹ پشیتا (Peshitta) میں صفحہ ۶۲۸ پر اس جگہ مندرجہ ذیل الفاظ استعمال کیے گئے ہیں:

For the Lord God is our supply and our helper;

کیونکہ خداوند خدا ہمارا دھار دہکار اور ہمیں وسائل مہیا کرنے والا ہے۔

۲۰ کتاب مقدس، زبور، ۸۲۔

۲۱ کلام مقدس، مطبوعہ سوسائٹی آف سینٹ پال، روما، ۱۹۵۸ء، صفحہ ۷۳۹۔

۲۲ انگریزی میں یہاں 'Servitor' کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں 'مرد ملازم' (جیمبرز انگلش ڈکشنری، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۳۳۵)

23. The 7th Day Adventist Bible Com., 3:828.

24. Smith's Bible Dictionary, p.138.

25. The Bible: KJV-I Sam, 25:1.

۲۶ کتاب مقدس، کتاب پیدائش ۲۱:۱۷-۲۱۔

27. 'From the Psalms in the Book of Common Prayer of the Anglican Church' (as quoted by OT Poetry 26 Translations, p. 334).

28. James Moffatt, A New Trans. of the Bible, quoted in OT Poetry 26 Tr. p. 334).

29. New English Bible, p. 441.

۳۰ 'ہفتادہ' (Septuagint or 'LXX') جس کے معنی ہیں ستر کا ترجمہ۔ ستر اُن علماء کی تعداد ہے جنہوں نے ترجمے کا یہ کام سرانجام دیا تھا۔ یہ بائبل کے مسوراتی متن (MT, i.e., Massoretic Text) کا یونانی ترجمہ ہے، جو تیسری اور دوسری صدی قبل مسیح کے دوران میں اسکندریہ میں کیا گیا تھا۔

۳۱ 'ولگیٹ' (Vulgate) کا مطلب ہے عام۔ یہ بائبل کے اس لاطینی ترجمے کا نام ہے جو سینٹ جیرم

(St Jerome) نے کیا تھا۔ یہ قریباً ۴۵۰ء میں پایہ تکمیل کو پہنچا تھا۔ اسے 'ولکیٹ' اس لیے کہا جاتا ہے کہ اسے قبولیت عامہ حاصل ہو گئی تھی۔

32. The 7th Day Adventist Bible Cam., 3:828.

33. 7th Day Adventist Bible Dic. Revised. Ed., p. 114.

34. Harper's Bible Dic., p. 89.

35. William Smith, A Dic. of the Bible, p. 73.

36. Rev. James L. Dow, Collins Gem Dic. of the Bible, p. 54.

37. J. Hasting's Dictionary of the Bible Revised One Vol. Edn., p. 84.

38. J. Hastings, A Dictionary of the Bible, 1:230.

39. Interpreter's Dic. of Bible, 1:338.

40. Jewish Encyclopaedia 2:415.

41. A New Commentary on Holy Scripture, p. 364.

42. Peake's Com. of Bible, p. 431.

43. Strong's Dic. of the Hebrew Bible, p. 21, entry No. 1056.

44. Strong's Dic. of the Hebrew Bible, p. 21, entry No. 1057.

45. Strong's Dic. of the Hebrew Bible, p. 21, entry No. 1058.

۴۶ ملاحظہ کیجئے آگے حاشیہ ۵۷-۵۸۔

۴۷ ابن منظور، لسان العرب (بیروت: دار صادر، ۱۳۰۰ھ)، ۴:۱۰۰۔

۴۸ ابو منصور محمد بن احمد لازہری، 'تہذیب اللغة' (القاهرة: الدار المصرية للتألیف والترجمہ، بن نادر)، ۳۶۳:۹-۳۶۴۔

۴۹ 'المعجم الوسیط' (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۹۷۲ء)، ۱:۶۷۔

۵۰ اسماعیل بن حماد الجوزہری، 'ناج اللغة وصحاح العربیہ' (بیروت: دار العلم للملایین، ۱۹۸۳ء)، ۱۵۷:۴۔

۵۱ الاستاذ الطاهر احمد الراؤی، 'ترتیب القاموس المحيط علی طريقة المصباح المیر' (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۷۹ء)، ۱:۳۰۸۔

۵۲ المعلم بطروس البستانی، 'محیط المحيط' (بیروت، مکتبہ لبنان ناشرون، ۱۹۹۳ء)، صفحہ ۵۰۔

۵۳۔ احمد بن فارس، 'معجم مقاییس اللغة' (بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۲۰۰۱ء)، صفحہ ۹۲۔

۵۴۔ الخلیل بن احمد، 'کتاب العین' (بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۲۰۰۱ء)، صفحہ ۸۳۔

۵۵۔ الامام ابی عبد اللہ محمد بن اسحاق الفاضل، 'انصار مکہ فی قدیم الدهر و حدیثہ'، (مکہ، مکتبہ الشہیدۃ الحدیث، ۱۹۸۷ء)، ۲: ۲۸۲ و بعد۔

۵۶۔ 'انصار مکہ فی قدیم الدهر و حدیثہ'، ایضاً، صفحہ ۲۹۳۔

۵۷۔ قرآن کریم، سورۃ آل عمران ۹۶: ۳ و بعد۔

۵۸۔ قرآن کریم، سورۃ الفتح ۲۸: ۲۴۔

59. Enc. Biblica, 4:5421.

60. The Interpreter's Dic. of Bible, 4:959.

بیر سبع

(سات کانواں یا زم زم)

کتاب کے متن میں بیر سبع کا متعدد مرتبہ حوالہ دیا گیا ہے۔ یہ موضوع ایک تفصیلی مطالعہ کا متقاضی تھا، لیکن متن کتاب میں اس کی تجاویز نہیں۔ چنانچہ اس ضمیمے میں اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ اشخاص و اماکن کے ناموں کے سچے بالعموم وہی نقل کیے گئے ہیں جو بائبل یا متعلقہ مآخذ میں درج ہیں۔ اقتباسات میں سچے اور حرکاتی علامات کی وہ اسکیم اختیار نہیں کی گئی ہے جو کتاب کے شروع میں منسلک ہے، بلکہ عام طور پر وہی اسکیم اختیار کی گئی ہے جو اصل اقتباسات میں اختیار کی ہوئی تھی۔ اس ضمیمے کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ان کی والدہ حضرت ہاجرہ سمیت اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت 'بیر سبع' کے بیابان، 'فاران' کے بیابان، یا 'موریا' (زم زم، الحجاز، الروہ) میں آباد کیا تھا، لیکن اس میں حضرت سارہ کے کسی حسد یا حضرت ہاجرہ اور سارہ کے درمیان کسی تنازعے کا کوئی دخل نہ تھا۔

(۲) حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ کی بیر سبع کے مقام پر آباد کاری کا واقعہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بچپن میں اس وقت رونما ہوا تھا، جبکہ ابھی تک حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ دودھ چھڑانے والی ضیافت اور حضرت سارہ کا نام نہاد حسد اور ان کے حضرت ہاجرہ پر نام نہاد شرم ناک مظالم محض ایک افسانہ ہے۔

(۳) یہ بات ہرگز قرآن میں قیاس نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دروازے سے باہر دھکا دے کر بغیر کسی راہنمائی کے کس پہری کی حالت میں نکال باہر کیا ہو۔ ایسی ظالمانہ حرکت کی توقع تو کسی علم شریف آدمی سے بھی نہیں کی جاسکتی، کجا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے جلیل القدر رسول پر یہ تہمت لگائی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ منزل مقصود پر اپنے ساتھ خود چھوڑ کر آئے تھے۔

(۴) ہیر سبع ایک بامعنی لفظ ہے اور اس کے دو معنی ہیں: (۱) سات کا کنواں اور (۲) عہد یا حلف کا کنواں۔

(۵) بائبل کے ریکارڈ کے مطابق ہیر سبع کا محل وقوع ایک سے زیادہ مقامات پر ہونا چاہیے۔ بائبل میں یہ لفظ چونتیس مقامات پر آیا ہے، لیکن اس کے شروع میں 'بیابان' کا وصف صرف ایک ہی مقام پر درج ہے۔

(۶) ہیر سبع سے پہلے 'بیابان' کے وصف کا یہ واحد استعمال، 'سات' کے کنوئیں والے ہیر سبع' کو، باقی ماندہ ہیر سبعوں سے بالکل متماثل کر دیتا ہے۔ اس سے 'سات' کے کنوئیں' کا محل وقوع ٹھیک ملنے کا علاقہ قرار پاتا ہے۔

(۷) اس سیاق و سباق میں ہیر سبع صریحاً اس وحشے کی دلالت کرتا ہے جو حضرت ہاجرہ کے پانی کی تلاش میں صفا اور مردہ کی پہاڑیوں کے درمیان سات چکروں کے نتیجے میں انھیں [ہاجرہ کو] عنایت فرمایا گیا تھا۔

(۸) اس طرح یہ 'ہیر سبع' ملنے کا چاہو زم زم ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔

(۹) یہ 'ہیر سبع' 'سات' چکروں کے نتیجے میں ملنے والا چاہو زم زم) اس 'ہیر سبع' یعنی حلف کے کنوئیں سے بالکل مختلف ہے جو کنعان کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔

(۱۰) اس سلسلے میں بائبل میں جو قصہ بیان ہوا ہے، وہ مختلف روایتوں کا مجموعہ ہے اور اس میں بڑی مقدار میں قابل اعتراض اور متناقض مواد شامل ہے، اس لیے اس کا کوئی بیان بھی محتاط تنقیدی جائزے کے بغیر قبول نہیں کیا جاسکتا۔

بیابان میر سبع، جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ کو چھوڑ کر چلے گئے تھے اور جہاں ان کے چھوڑ کر چلے جانے کے بعد حضرت ہاجرہ اپنے بیچ اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ گھومتی رہیں، اس کا 'کتاب مقدس' میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے (اس عبارت سے متعلق بیش تر اہم نکات کی موقع ہی پر ذیلی حواشی میں قدرے تفصیلی وضاحت کر دی گئی ہے۔ اس مضمون کے متن میں ان نکات پر دوبارہ کسی تفصیلی بحث کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی، اس لیے ان ذیلی حواشی کو بائبل کے متن کے ساتھ موقع ہی پر توجہ سے دیکھ لیا جائے):

اور وہ لڑکا بلوھا اور اُس کا دودھ پٹھوایا گیا اور اسحاق کے دودھ چھڑانے کے دن ابرہام نے بڑی ضیافت کی۔ اور سارہ نے دیکھا کہ ہاجرہ مصری کا بیٹا جو اُس کے ابرہام سے ہوا تھا خضے مارتا ہے۔^۵ تب اُس نے ابرہام سے کہا ایں لوٹو^۶ اُن کو اور اِس کے بیٹے کو نکال دے،^۷ کیونکہ اس لوٹنی کا بیٹا میرے بیٹے اسحاق کے ساتھ وارث نہ ہوگا۔ پر ابرہام کو اُس کے بیٹے کے باعث یہ بات نہایت بُری معلوم ہوئی۔ اور خدا نے ابرہام سے کہا کہ تجھے اس لڑکے اور اپنی لوٹنی کے باعث برا نہ لگے۔ جو کچھ سارہ تجھ سے کہتی ہے، تُو اُس کی بات مان، کیونکہ اسحاق سے تیری نسل کا نام چلے گا۔ اور اس لوٹنی کے بیٹے سے بھی میں ایک [عظیم] قوم پیدا کروں گا، اِس لیے کہ وہ تیری نسل ہے۔ تب ابرہام نے صبح سویرے اُنھ کو روٹی اور پانی کی ایک مشک^۸ لی اور اُسے ہاجرہ کو دیا، بلکہ اُسے اُس کے کندھے پر دھردیا اور لڑکے کو بھی اُس [ہاجرہ]^۹ کے حوالے کر کے اُسے رخصت کر دیا۔ سو وہ چلی گئی، اور میر سبع کے بیابان میں آوارہ پھرنے لگی۔ اور جب مشک کا پانی ختم ہو گیا تو اُس نے لڑکے کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا۔ اور آپ اُس کے مقابل ایک تیر کے پے پر زور جاتی تھی اور کہنے لگی کہ میں اس لڑکے کا مرنا تو نہ دیکھوں۔ سو وہ اُس کے مقابل بیٹھ گئی اور چلا چلا کر رونے لگی۔ اور خدا نے اُس لڑکے کی آواز سنی اور خدا کے فرشتے^{۱۰} نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا اور اُسے کہا اے ہاجرہ تجھ کو کیا ہوا؟^{۱۱} مت ڈر کیونکہ خدا نے اُس جگہ سے جہاں لڑکا پڑا ہے اُس کی آواز سن لی ہے۔ اُنھ اور لڑکے کو اُنھا اور اُسے اپنے ہاتھ سے سنبھال،^{۱۲} کیونکہ میں اُس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا۔ پھر خدا نے اُس کی آنکھیں

کھولیں اور اُس نے پانی کا ایک کنواں دیکھا اور جا کر مٹک کو پانی سے بھر لیا اور لڑکے کو پلایا۔^{۲۹} اور خدا اُس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑا ہوا اور بیابان میں رہنے لگا اور تیر انداز بنا۔ اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا اور اُس کی ماں نے ملک مصر سے اُس کے لیے بیوی لی۔^{۳۰}

اس بیابان ہیرسج سے متعلق کچھ اہم نکات کی تشریح ذیل میں دی گئی ہے:

(الف) بیابان ہیرسج کا محل وقوع متعین کرنے کے سلسلے میں یہ بات قابل توجہ ہے کہ بائبل کی کتاب پیدائش کا باب ۲۱، جس سے مندرجہ بالا بیان ماخوذ ہے، تین مختلف روایات و ماخذ (Yahwistic, Priestly, and Elohist) کا ایک پیچیدہ سا آمیزہ ہے۔^{۳۱}

(ب) جہاں تک مذکورہ بالا عبارت (کتاب پیدائش ۲۱: ۸-۲۱) کا تعلق ہے، یہ ساری کی ساری الوہست (Elohist) روایت سے تعلق رکھتی ہے۔^{۳۲} یہ بنیادی طور پر حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قصے کا بیان ہے جو آیت ۲۱ پر ختم ہو جاتا ہے۔ آیت ۲۲ سے باب کے اخیر تک ایک دوسرا قصہ ہے، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور شاہ ابی ملک کے درمیان کسی دوسرے ہیرسج [حلف کا کنواں] کے بارے میں کسی معاہدے سے متعلق ہے۔ یہ بالکل ایک الگ بیان ہے اور اس کا حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اس واقعے سے کوئی تعلق نہیں جو (مات کے کنوئیں والے) ہیرسج کے نزدیک رونما ہوا تھا۔ علمائے بائبل کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا یہ الوہست (Elohist) روایت سے متعلق ہے یا یہوہست (Yahwist) روایت سے۔^{۳۳}

(ج) ہیرسج کا لفظ بائبل میں چونتیس مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ پوری بائبل میں صرف ایک مقام ایسا ہے جہاں اس سے پہلے بیابان کا وصف لگایا گیا ہے (کتاب پیدائش ۲۱: ۱۳)۔ بائبل کے مطابق یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ اور اس کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو آباد کیا تھا اور یہ پہلا مقام ہے جہاں لفظ ہیرسج پوری بائبل میں پہلی دفعہ متعارف ہوا ہے۔ اسی طرح پوری بائبل میں یہ وہ واحد مقام ہے جہاں ہیرسج کا لفظ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام دونوں کے حوالے سے آیا ہے۔ وہ ہیرسج جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور شاہ ابی ملک کے درمیان

معابد سے متعلق ہے، اس سے ایک بالکل مختلف مقام ہے۔ جو اس سے سینکڑوں میل کے فاصلے پر واقع ہے اور جس کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

(د) 'بیابان' کا مطلب ہے: 'غیر مزرودہ، بنجر، ناموار اور پہاڑی سرزمین یا صحرا'۔ یہ لفظ بائبل میں مجازاً 'غیر آباد' کے مفہوم میں بھی استعمال ہوا ہے، اگرچہ یہ اس کے لغوی معنی نہیں ہیں۔ بائبل میں بیابان کے لیے جو اصل عبرانی لفظ استعمال ہوا ہے، وہ 'مدبار' ہے۔ انگریزی بائبل میں اس عبرانی لفظ مدبار کا ترجمہ یا تو لفظ 'Wilderness' (بیابان) سے کیا گیا ہے اور یا لفظ 'Desert' (صحرا) سے۔ بائبل میں اس لفظ مدبار کا 'غیر مزرودہ اور غیر آباد مقام' کے مفہوم میں استعمال کتاب یسعیاہ کے اس جملے سے ظاہر ہے:

Yet the defenced city shall be desolate, and left like a wilderness [in Hebrew 'midbar']

'تاہم قلعہ بند اور محفوظ شہر اجاڑ ہوگا اور ایک بیابان کی طرح چھوڑا ہوا۔'

بائبل میں یہ لفظ کچھ دوسرے مفہوم ادا کرنے کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ نیچے اے کک (Stanley A. Cook) انسائیکلو پیڈیا بلیکا میں واضح کرتا ہے:

The English word 'desert' ordinarily means a sterile sandy plain without vegetation and water—a 'sea of sand' such as, e.g., parts of the Sahara. This is not the meaning of the Hebrew word. No desert of this kind was known to Israel either before or after the occupation of Canaan. (...) midbar; AV 'desert,' RV 'wilderness': (...). It is commonly employed to denote the wilderness of wanderings, which itself is a mountainous region. (...). The most prominent is that which was the scene of the wandering of Israel. It is commonly called ham-Midbar; (...), and with this agrees the circumstance that it is only in the later writings that the horror and lonesomeness of the 'wilderness' is referred to (e.g., Dt. 8:15).³⁸

انگریزی زبان کے لفظ 'ڈیزرٹ' کے معنی بالعموم ایک بنجر، ریتلے میدان کے ہوتے ہیں جہاں نہ کوئی سبزہ ہو اور نہ پانی۔ ایک ریت کا سمندر، جیسے مثلاً صحرا [صحراء اعظم] کے بعض حصے۔ اصلی عبرانی لفظ کے یہ معنی نہیں ہیں۔ بنی اسرائیل اس طرح کے کسی صحرا سے نہ کنعان پر قبضہ سے پہلے آشنا تھے نہ اس کے بعد۔ (...)۔ مدبار کے لیے AV (کنگ جیمز ورژن) میں 'صحرا' کا لفظ ہے اور

R.V (نظر ثانی شدہ ورژن) میں 'بیابان' کا۔ (...)۔ عام طور پر اس کا اطلاق بنی اسرائیل کی صحرا انوردی پر کیا جاتا ہے، جو بذات خود ایک پہاڑی علاقہ ہے۔ (...)۔ بنی اسرائیل کی صحرا انوردی سے متعلق مد بار بہت اہم ہے جسے عام طور پر حام مد بار کہا جاتا ہے۔ (...)، اور یہ صورت بھی اس سے مطابقت رکھتی ہے کہ یہ محض بعد والی تحریریں ہی ہیں جن میں بیابان کی خوفناکی اور تنہائی کا حوالہ ہے (مثلاً کتاب استنشا: ۱۵)۔

عہد نامہ قدیم میں (کنگ، جیمز اور نظر ثانی شدہ انگریزی تراجم کے مطابق) انگریزی لفظ 'Wilderness' دو سو سے (۲۷۰) مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ اس میں سے '۲۵۶' مرتبہ یہ لفظ 'مد بار' کے ترجمے کے طور پر آیا ہے۔ عبرانی بائبل (عہد نامہ قدیم) میں اس مفہوم کے لیے مختلف الفاظ ہیں (مثلاً مد بار، عربہ، لشی مون، تو ہو، خما، سہراب وغیرہ)۔ بیابان اور صحرا کے لیے جو لفظ سب سے زیادہ استعمال ہوتا ہے، وہ 'مد بار' ہی کا لفظ ہے اور اس مفہوم میں یہ عہد نامہ قدیم میں '۲۶۹' مرتبہ آیا ہے۔ (۲۵۶) مرتبہ بیابان کے معنی میں اور ۱۳ مرتبہ صحرا کے معنی میں)۔ بیابان کے لیے ایک اور عبرانی لفظ 'عربہ' ہے، جو مختلف معانی میں '۵۹' مرتبہ استعمال ہوا ہے (۵ مرتبہ بیابان کے معنی میں اور ۸ مرتبہ صحرا کے معنی میں وغیرہ)۔ 'عربہ' کا یہ لفظ ایک بنجر اور غیر زرخیز زمین کا مفہوم دیتا ہے۔ ملک عرب کا نام پڑنے کی بھی یہی وجہ ہے۔ اس لفظ بیابان کے لیے متعدد مرتبہ دوسرے عبرانی الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں (مثلاً تو ہو، لشی مون وغیرہ)۔ یہاں اس عبارت میں جو لفظ استعمال ہوا ہے، وہ 'مد بار' ہے۔

اس کی تشریح شریا ہوتا لمون (shemaryahu Talmun) پروفیسر بائبل اسٹڈیز اور ڈین فیلڈی آف ہونینٹیز، عبرانی یونیورسٹی، یروشلیم نے اپنے مقالے 'Wilderness' میں کی ہے۔ اُن کے مطابق اس کا مفہوم یہ ہے:

(...) to arid or semiarid areas which are not suited for permanent settlement but in part can be utilized as pasture lands for small stock. (...). In the majority of occurrences, 'wilderness' carries negative overtones, referring to parched, inhospitable, and dangerous places. (...). No trees or

other vegetation grow in this barren void, and no husbanded animals or civilized men live there. Anyone who ventures into this wilderness suffers hunger and thirst. (...). This wilderness is synonymous with utter distress, a place cut off from life. (...). The Mesopotamian, for which Arabian desert lay to the W, where the sun sets, identified the wilderness as the area which leads to the nether [in a lower place or position] world. This idea appears to be reflected in scriptures in which midhbar, `arabha, semama contrast with the Garden of Eden, the source of life and abundant growth.³⁹

(اس کا تعلق) خشک یا نیم خشک علاقوں سے ہے جو مستقل رہائش کے لیے موزوں نہیں ہوتے، لیکن چھوٹے چھوٹے ریوڑوں کے لیے چراگاہ کے طور پر استعمال ہو سکتے ہیں۔ (...)۔ اکثر صورتوں میں، بیابان منفی مفہوم کا حامل ہوتا ہے اور اس سے مراد جیسے ہوئے ناخوش گوار اور خطرناک مقامات ہوتے ہیں۔ (...)۔ ایسے بچہ و بچہ اور ان خطے میں نہ تو درخت یا دوسری بنزیاں اگتی ہیں اور نہ پالتو جانوروں کے ریوڑ یا مہذب انسان یہاں رہائش اختیار کر سکتے ہیں۔ جو کوئی اس بیابان میں جانے کی جرأت کرے، اسے بھوک اور پیاس کی سختی جھیلنا پڑے گی۔ (...)۔ یہ بیابان مکمل تباہی کے مترادف ہے اور یہ ایک ایسی جگہ ہے جو زندگی سے بالکل کٹی ہوئی ہے۔ (...)۔ میسوپوٹیمیا کے لوگ، جن کے لیے صحرا عرب مغرب میں واقع ہے جہاں سورج غروب ہوتا ہے، اس بیابان کو ایک ایسا خطرہ قرار دیتے تھے جو نشی (ادنیٰ) دنیا سے تعلق رکھتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نظریہ کی صحائف میں بھی عکاسی موجود ہے جہاں مدبار، عربہ اور شامہ بارغ عدن کے مقابلے میں پیش کیا گیا ہے جو زندگی اور فراوانی و ثروت اور پیداوار کا سرچشمہ ہے۔

اسی لغت بائبل میں ڈبلیو۔ ایل ریڈ (W.L. Reed) کہتا ہے:

The translation of several different words [he has written here in Heb. script. Midbar, Yasheemon, `arabah, etc.]; often used interchangeably with "DESERT." An accurate translation is difficult, because the so-called wilderness regions included arid and semiarid territory as well as sandy desert, rocky plateaus, pasture lands, and desolate mountain terrain. Such regions existed in Canaan and beyond its E and S borders.⁴⁰

بہت سے مختلف الفاظ کا ترجمہ [یہاں اس نے مدبار، یاشی مون، عربہ وغیرہ کے الفاظ عبرانی رسم الخط میں لکھے ہیں]: اکثر لفظ 'صحرا' [Desert] کے ساتھ ادل بدل کر استعمال ہوا ہے۔ بالکل

درست ترجمہ بہت مشکل ہے، کیونکہ یہ نام نہاد بیابانی علاقے خشک اور نیم خشک خطوں، ریتلے صحرا، چٹانی سطح مرتفع، چراگاہوں اور بے آباد پہاڑی پٹی پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ایسے خطے کنعان میں اور اس کی مشرقی اور جنوبی سرحدوں سے پرے موجود تھے۔

سمتھ (Smith) کی لغت بائبل میں ہے:

MIDBAR, (...). It is most frequently used for those tracts of waste land which lie beyond the cultivated ground, ^۱

میدبار (...): یہ لفظ عام طور پر بے آباد زمین کے ان ٹکڑوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو مزرعہ زمین سے ہٹ کر واقع ہوں۔

ہمارے پرکھی لغت بائبل میں وضاحت کی گئی ہے:

Wilderness, a desolate or deserted area devoid of civilization. One Hebrew word above all others is used for "wilderness," or "desert," in the OT: midbar, indicating both "that which is desolate and deserted" and "that which is beyond," i.e., beyond the limits of settlement and therefore of government control, perceived by both city dwellers and villagers as being essentially disorderly and dangerous, the home of wild beasts and savage wandering tribes. In time of war or repression refugees would flee to the midbar; (...). Midbar was for them, as "wilderness" was originally in English, the wild, alarming wasteland, where men and women find themselves bewildered and disoriented. ^۲

بیابان [Wilderness] ایک بے آباد اور ویران خطہ، جہاں تہذیب کا کوئی نام و نشان نہ ہو۔ عہد نامہ قدیم میں بیابان یا صحرا کے لیے ایک عبرانی لفظ اس مفہوم کے دوسرے سب الفاظ سے زیادہ استعمال ہوتا ہے: اور وہ ہے: 'میدبار'۔ یہ لفظ وہ جو بے آباد اور اجاڑ ہے اور وہ جو پرے ہے، یعنی آبادی کی حدود سے پرے اور اس لیے حکومت کے کنٹرول سے بھی بالا ہے، ان دونوں معانی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ شہری اور دیہاتی باشندے، دونوں ہی اسے بد نظمی کا شکار اور خطرناک سمجھتے ہیں جو وحشی جانوروں اور جنگلی آوارہ قبائل کا مسکن ہو۔ جنگ یا ظالمانہ اقتدار کے دنوں میں پناہ گزین اس میدان کی طرف فرار ہو جاتے ہیں۔ (...)۔ جس طرح انگریزی کا لفظ 'Wilderness' بنیادی طور پر ایسی وحشی اور خطرناک اجاڑ زمین کے لیے آتا ہے جہاں مرد اور عورتیں اپنے آپ کو حیران و پریشان

اور بھنکا ہوا محسوس کریں، اسی طرح ان (یہود) کے لیے مدبار کا لفظ تھا۔

اس کا مطلب ہے کہ لفظ 'مدبار' جو بائبل میں 'اُجاڑیا بان' کے لیے استعمال کیا گیا ہے، اس سے مراد ایک پہاڑی، ریتلا، بے آباد، ناقابل کاشت مقام ہے جو بیابانِ یرسبع اور فاران سے کبھی مشابہت رکھتا ہے۔

(۵) 'یرسبع' ایک با معنی لفظ ہے، اس کے لغوی طور پر دو الگ الگ معنی ہیں: (۱) 'سات کا کنواں'

اور (۲) 'حلف یا عہد کا کنواں'۔ وہ یرسبع جو حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قصے سے آگے اس باب کی آیت ۲۲ میں شروع ہوتا ہے اور جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور شاہِ ابلی ملک کے حلف سے متعلق ہے، وہ 'حلف کا کنواں' ہے اور اسی وجہ سے اس کا یہ نام پڑا ہے۔

(۶) اس پیراگراف میں 'عہد کے کنوئیں' سے متعلق یرسبع کا مطالعہ مقصود ہے۔ ذیل میں چند اہم اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں جن سے یہ دوسرے معنی ثابت ہوتے ہیں۔ یہ ہسٹنڈی کی نظر ثانی شدہ ایک جلد والی بائبل ڈکشنری میں وضاحت کی گئی ہے کہ یہ ایک ایسا مقام تھا:

Where he [Abraham] made a covenant with Abimelech, from which the place is alleged to take its name ('well of the covenant,' according to one interpretation).⁴⁷

جہاں اس [حضرت ابراہیم] نے شاہِ ابلی ملک سے ایک معاہدہ کیا تھا، جس سے، کہا جاتا ہے کہ، اس کا یہ نام پڑا۔ (عہد کا کنواں)

'جے ہسٹنڈی ڈکشنری آف بائبل' میں بیان کیا گیا ہے:

It (...) received its name ('Well of the oath') as having been the place, marked by a well, where Abraham entered into covenant with Abimelech, king of Gerar (Gn 21:31 E).⁴⁸

اس کا (...) یہ نام (حلف کا کنواں) اس لیے پڑ گیا، کیونکہ یہ ایک ایسی جگہ تھی جس کی نمایاں بات ایک کنواں تھا جہاں [حضرت] ابراہیم نے جزار کے بادشاہِ ابلی ملک کے ساتھ ایک معاہدہ کیا تھا (پیدائش ۲۱:۳۱-اے)۔

میکنزی کے مطابق:

about 28 mi S [according to the Interpreter's Dic. of the Bible "SW" (1:375)] of Hebron;⁴⁹

یہ حمرن سے تقریباً اٹھائیس میل جنوب [انٹر پریٹرز ڈکشنری کے مطابق جنوب مغرب] میں واقع ہے۔

حمرن (جسے اب تحلیل کہا جاتا ہے) یروشلم کے جنوب میں بیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ حمرن وہ جگہ ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی پہلی بیوی سارہ کے ساتھ مستقل رہائش اختیار کی تھی، لیکن وہ اپنا اکثر وقت اپنے کثیر التعداد ریوڑوں کے ساتھ بیر سبع میں اپنی اس زمین پر صرف کیا کرتے تھے جو انھیں اپنی ملک نے پیش کی تھی (کتاب پیدائش ۱۵:۲۰)۔ بائبل کی ڈکشنریوں میں یہ بات تحریر ہے کہ یہ ریوڑوں کے لیے ایک بڑی مناسب چراگاہ تھی۔ مثلاً ہارپر کی بائبل ڈکشنری میں ہے:

The Beer-sheba plain with its ample winter pasturage is well suited for seminomadic living; thus it served as the principal homestead of Israel's patriarchs.⁵¹

اپنی وسیع سرمائی چراگاہوں کی وجہ سے بیر سبع کا میدان نیم خانہ بدوشانہ زندگی کے لیے نہایت موزوں ہے، اس طرح اسرائیل کے بزرگ آبا کے لیے یہ ایک بڑے اہم زراعتی فارم کا کام دیتا تھا۔

ایف۔ ایف بروس کہتا ہے کہ یہ ایک سرسبز و شاداب وادی تھی جس میں گھاس بافراط تھا۔ اس میں چوتھا ہزارہ قبل مسیح میں بھی انسانوں کی آبادیاں موجود تھیں:

On both sides of the Beer-sheba valley, in the Negeb, there is evidence of human settlement going back to the Chacolithic Age (later fourth millennium BC). (...). The Beer-sheba valley and its neighborhood were frequented by pastoralists like Abraham because the water-table was sufficiently high to be tapped by the digging of wells.⁵²

نجب میں وادی بیر سبع کے دونوں طرف تانبے کے عہد [Chacolithic Age] (چوتھا ہزارہ ق م کا آخری دور)، جیسے قدیم زمانے میں بھی انسانی آبادیوں کی شہادت موجود ہے۔ (...)- وادی

بیر سبع اور اس کے قرب وجوار میں ابراہیم جیسے چرواہے اکثر آیا کرتے تھے، کیونکہ یہاں پانی کی سطح اتنی کافی حد تک بلند تھی کہ کنوئیں کھود کر پانی بآسانی نکالا جاسکتا تھا۔

ہیسٹنگز ڈکشنری آف بائبل میں ای مل (E. Hull) اس کی موجودہ حالت بھی اسی انداز

میں بیان کرتا ہے:

The soil in the valleys where there is some moisture is exceedingly rich, and is rudely cultivated by the fellahin, who succeed in producing fine crops of wheat and barley. In the tracts around Beer-sheba the Bedawin find ample pasturage for their flocks and herds, which towards evening assemble in crowds around the wells as they did three thousand years ago.

جہاں کہیں کچھ نمی موجود ہے، وہاں اس وادی کی مٹی بہت زرخیز ہے اور کسان لوگ انتہائی سادہ انداز میں کاشت کرتے ہیں اور گندم اور جو کی بڑی عمدہ فصلیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ بیر سبع کے ارد گرد کے علاقوں میں بدوی لوگوں کو اپنے ریوڑوں کے لیے وسیع چراگاہیں مل جاتی ہیں جو شام کے وقت اس طرح کنوؤں کے گرد ہجوم کی صورت میں اکٹھے ہو جاتے ہیں جس طرح وہ تین ہزار سال پہلے ہوا کرتے تھے۔

یہ اس بیابان بیر سبع ہے، جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو آباد کیا تھا، بالکل مختلف جگہ تھی۔

(ز) جس بیابان بیر سبع کا تعلق حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہے، اس کے

متعلق تو ایک تفصیلی بیان اگلے پیرا گراف میں درج ہے اور حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں یہ بیر سبع حقیقی معنی میں ایک بیابان تھا، کیونکہ یہ ایک ویران، پہاڑی، ریتیلی، بنجر، ناموہار اور غیر مزروعہ زمین تھی۔ موجودہ پیرا گراف میں 'حلف کانوائ' سے متعلق چند باتیں مختصراً درج ہیں۔ یہ حلف کانوائ ایک خوب صورت وادی میں واقع تھا، جس میں گھنی سرسبز چراگاہیں تھیں۔ ماہرین آثار قدیمہ نے اس جگہ چار ہزار سال قبل مسیح کی انسانی آبادیوں کی نشان دہی کی ہے۔ بائبل کے مطابق یہاں حضرت اسحاق علیہ السلام کے زمانے میں ایک شہر موجود تھا (کتاب پیدائش ۲۶:۳۳)۔ اس طرح یہ وہ

جگہ نہیں ہو سکتی جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو آباد کیا تھا اور جو ایک سد بار یعنی بے آباد پہاڑی، ریتیلی، ناہموار، غیر مزدورہ اور حقیقی معنی میں ایک بخر بیابان تھی۔

(ج) پہلے مفہوم والے اس بیر سبع (سات کا کنواں) کا، جو حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ سے متعلق ہے، اس پیرا گراف میں ذکر کیا گیا ہے۔ قدیم زمانے میں کسی مقام کا نام یا تو وہاں کسی قبیلے کے آباد ہونے کی وجہ سے اس قبیلے کے نام پر رکھ دیا جاتا تھا، یا کسی ایسے اہم واقعے کے نام پر رکھ دیا جاتا تھا جو وہاں رونما ہوا ہو، یا اس مقام اور اس کے ارد گرد کی بعض نمایاں خصوصیات کی بنا پر رکھ دیا جاتا تھا۔ ان دونوں بیر سبعوں کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ ان دونوں مقامات کا، جنہیں بعد میں بیر سبع کا نام دیا گیا تھا، پہلے سے کوئی متعین نام نہ تھا۔ ان کا یہ نام وہاں رونما ہونے والے واقعات کی وجہ سے رکھا گیا۔ پہلے مقام کو بیر سبع (ایک حلف یا ایک عہد کا کنواں) اس لیے کہا گیا کیونکہ اس مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بادشاہ ابلی ملک کے درمیان ایک حلف یا عہد و پیمان منعقد ہوا تھا۔ دوسرے مقام کو بیر سبع (سات کا کنواں) کا نام حضرت ہاجرہ کے صفا و مروہ کے درمیان سات مرتبہ سعی کرنے کی بنا پر دیا گیا تھا، کیونکہ ان کی سعی کے ان سات چکروں کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتے کے ذریعے سے ان پر یہ چشمہ نمودار کروایا تھا۔ اس کنوئیں کو عرب کے لوگ عام طور پر زم زم کے نام سے لکارتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس سات کے کنوئیں کے ارد گرد والے غیر مزدورہ غیر آباد علاقے کو بیر سبع کے بیابان کا نام دیا گیا۔

’شارڈز انسائیکلو پیڈیا آف اسلام‘ میں تحریر ہے:

Hadjar, cast off by Abraham and seeing Ishma'el perishing of thirst, ran in despair seven times from one hill to the other; ۵۶

ہاجرہ، جنہیں ابراہیم چھوڑ گئے تھے، نے [اپنے بیٹے حضرت] اسماعیل کو پیاس سے لہکان ہوتے دیکھا تو اُس نے مایوسی میں ایک پہاڑی سے دوسری پہاڑی تک دوڑ کر سات چکر لگائے۔

ڈیوڈ کر (David Kerr) وضاحت کرتا ہے:

This [the circumambulation around the Ka'bah] is followed by running seven times between two small hills [al-Safa and al-Marwah], recalling the

plight of Hagar and her son Ishmael who, in Islamic, Jewish and Christian tradition, were saved from certain death by a spring of water which God caused to break through the desert sands. This well is named in Islamic tradition as Zamzam،⁷

اس [خانہ کعبہ کے گرد طواف] کے بعد دو چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں [الصفا اور المردہ] کے درمیان سات مرتبہ دوڑا جاتا ہے (یعنی سعی کی جاتی ہے)۔ یہ اس مصیبت کی یادگار ہے جو یہودی، مسیحی اور اسلامی روایت میں حضرت ہاجرہ اور ان کے بیٹے اسماعیل کو اٹھائی پڑی تھی اور جنہیں پانی کے ایک چشمے کے ذریعے سے یقینی موت سے نجات نصیب ہوئی تھی جو اللہ تعالیٰ نے صحرا کی ریت میں سے ان کے لیے جاری کیا تھا۔ اسلامی روایات کے مطابق اس کنوئیں کا نام زم زم ہے۔

چاہے زم زم کے متعلق عربی و اسلامی لٹریچر اور بائبل میں بیان کردہ واقعات کے تفصیلی مطالعے کے بعد اس قصہ کا خلاصہ کچھ یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو آلے ہیر سبغ کے مقام پر ایک غیر معمولی واقعہ رونما ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور ان سے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہیر سبغ (سات کے کنوئیں) کے پہاڑی، غیر مزدور و ریتلے بیابان میں چھوڑ کر ہیر سبغ (حلف کا کنواں) میں اپنے ریوڑوں اور جہروں میں اپنی جائے رہائش کی طرف لوٹ گئے۔ حضرت ہاجرہ کے پاس حضرت ابراہیم علیہ السلام جو کھانا اور پانی چھوڑ گئے تھے، وہ چند دن میں ختم ہو گیا۔ وہ (حضرت ہاجرہ) بہت پریشان ہوئیں۔ قریب ہی صفا اور مردہ کی پہاڑیاں تھیں۔ وہ کچھ خوراک اور پانی یا کسی مددگار کی تلاش میں ایک پہاڑی سے دوسری پہاڑی کی طرف دوڑنے لگیں، لیکن یہ سب ایک سعی لا حاصل تھی۔ صفا اور مردہ کے درمیان سعی کے سات چکر لگانے کے بعد ہاجرہ اور ان کے بیٹے کے لیے ایک عجیب اور غیر معمولی انداز میں پانی کا ایک چشمہ فراہم ہو گیا۔ اس طرح اس جگہ کا نام 'ہیر سبغ' یا 'سات کا کنواں' یعنی صفا اور مردہ کے درمیان سات چکر لگانے کے نتیجے میں نمودار ہونے والا کنواں، پڑ گیا۔ قریب ہی حرم کعبہ (بیت اللہ یعنی اللہ کا گھر جسے عربی میں بیت ایل

کہتے ہیں) کے باقیات اور کھنڈر کھڑے تھے جن پر مستقبل قریب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عمارت اٹھائی تھی۔

قبل اسلام کے پرانے زمانے سے اہل عرب کے درمیان یہ ایک مسئلہ اور مشہور روایت چلی آرہی تھی کہ خانہ کعبہ کا حج کرتے وقت لوگ صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگایا کرتے تھے۔ اسے اسلامی حج کی اصطلاح میں 'سعی' کہتے ہیں۔ اسلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے کی اس روایت کو برقرار رکھا تاکہ اہل ایمان کے دل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مضبوط ایمان اور اللہ تعالیٰ کی کئی اطاعت اور حضرت ہاجرہ کے اپنے مالک پر مکمل اعتماد کی یاد تازہ رہے اور ان میں اس واقعہ کی روح کی پیروی کا جذبہ پیدا ہو۔ بخاری نے اس واقعے کو تفصیل سے نقل کیا ہے:

ثم جاء بها ابراهيمُ وبانها اسماعيلُ وهي تُرضعُه حتى وصمهما عبد البيت عند دوحه فوق رممٍ في أعلى المسجد وليس بمكة يومئذٍ ولسي بها ماءٌ فوصمهما هناك ووضع عندهما حرابيهنَّ وسقاءً فيه ماءٌ ثم قضى ابراهيمُ منطلقاً فتنه اُمُّ اسماعيلَ فقالت يا ابراهيمُ اين تذهب وتتركنا بهذا الوادي الذي ليس فيه نيسٌ ولا شيءٌ فقالت له ذلك مراراً وجعل لا ينفثُ اليها فقالت له اللهُ الذي امرك بهذا قال نعم، قالت اذن لا يصيُئنا ثم رجعت فاطلقت ابراهيمَ حتى اذا كان عند الشيبة حيث لا يروونه استقبل بوجهه البيتَ ثم دعا بهؤلاء الكلمات ورفع يده فقال وثَّ بِرَبِّنا اِنَّ اَسْكَنْتَ مِن قُورَيْشٍ بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَفَاعْلَمْ أَنِّيْدَعُ مِنَ النَّاسِ قُحُورًا لِلَّهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ (ابراہیم ۱۲: ۳۷) و جعلت اُمُّ اسماعيلَ تُرضع اسماعيلَ وتُشربُ من ذلك الماء حتى اذا بقى ما في السقاء عطشت وعطش ابنها وجعلت تنظر اليه بتلوى أو قال يتلبط فانطلقت كراهية أن تنظر اليه فوجدت الصفا أقربَ جبلٍ في الأرضَ يليها فقامت عليه ثم استقلت الوادي تنظر هل ترى أحداً فلم تر أحداً فهبطت من الصفا حتى اذا بلغت الوادي رفعت طرفَ جوعها ثم سعت سعيَ الانسان المحجور حتى جاورت الوادي ثم أتت المروة فقامت عليها ونظرت هل ترى أحداً فلم تر أحداً ففعلت ذلك سبعَ مراتٍ قال ابن عباسٍ قال النبي ﷺ فذلك سعيُ الناسَ بينهما فلما أشرفت على المروة سمعت صوتاً فقالت صه تريد لنفسها ثم سمعت فسمعت أيضاً فقالت قد أسمعُت ان كان عندك غواثٌ فاذا هي بالملك عند موضع زمزم فبحث بقرعهِ أو قال بحناحه حتى ظهر

الماء فجعلت نُحُوضُهُ ونقول بيدها هكذا وجعلت تعرف من الماء في سقايتها وهو يُقَوِّرُ بعد ما
تُعرف قال ابن عباس قال النبي ﷺ يرحم الله أم اسماعيل لو تركت زمزم أو قال لو لم تعرف من الماء
لكانت زمزم عينا مينا قال فشربت وأرصعت ولدها فقال لها الملك لا تحافوا الصبيعة فإن ها هنا بيت
الله يسي هذا الغلام وأبوه وإن الله لا يضيع أهله وكان البيت مرتفعا من الأرض كالراية تأتيه السيول
فناخذ عن يمينه وشماله فكانت كذلك حتى مرت بهم رفقة من خزهم أو أهل بيت من جرهم مُقبلين
من طريق نجداء فنزلوا في أسفل مكة فرأوا طائرا عاثفا فقالوا إن هذا الطائر ليدور على ماء لمهدنا بهذا
السوادي وما فيه ماء فارسلوا حترقا أو حريصا فاداهم بالماء فرجعوا فأخبروهم بالماء فأقبلوا قال وأم
اسماعيل عند الماء فقالوا أتأذنين لنا أن ننزل عندك فقالت نعم ولكن لا حق لكم في الماء قالوا نعم
قال ابن عباس قال النبي ﷺ قالني ذلك أم اسماعيل وهي تحب الانس فنزلوا وأرسلوا الي أهليهم
فنزلوا معهم حتى إذا كان بها أهل أهابت منهم وشب الغلام وتعلم العربية منهم وأنفسهم وأعجبهم
حين شب فلما أدرك زوجوه امرأة منهم وماتت أم اسماعيل ٥٨

ابن عباسؓ سے روایت ہے: پھر [حضرت] ابراہیم علیہ السلام انھیں (ہاجرہ کو) اور ان کے بیٹے
حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے آئے اور ہاجرہ [ابھی] حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پلاتی تھیں۔ دونوں
کو بیت اللہ کے پاس ایک بڑے درخت کے قریب زم زم کے اوپر مسجد کی بلند جانب بٹھایا اور کے
میں اس وقت کوئی نہ تھا اور نہ وہاں پانی تھا۔ دونوں کو وہاں بٹھایا اور دونوں کے پاس ایک تھیلی چھوڑی،
جس میں کھجوریں تھیں، اور ایک مشکیزہ، جس میں پانی تھا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس روانہ ہوئے
تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ بھی ان کے پیچھے پیچھے آئیں اور کہنے لگیں: اے ابراہیم! میں اس
وادئ میں، جس میں نہ کوئی آدم زاد ہے اور نہ کوئی اور چیز، چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟ حضرت ہاجرہ نے
یہ بات ان سے کئی مرتبہ کہی۔ [لیکن] انھوں [ابراہیم] نے ان کی طرف کوئی التفات نہ کیا اور پیچھے مز
کر نہ دیکھا تو انھوں [ہاجرہ] نے ان سے کہا: کیا اللہ تعالیٰ ہی نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ انھوں
نے کہا: ہاں۔ وہ (ہاجرہ) کہنے لگیں: تو پھر وہ ہمیں ضائع نہ ہونے دے گا۔ یہ کہہ کر وہ واپس چلی
گئیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام چلتے رہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اس گھاٹی کے پاس پہنچے جہاں وہ
لوگ انھیں [ابراہیم] کو دیکھ نہ سکتے تھے، تو انھوں نے بیت اللہ کی طرف منہ کیا اور اپنے دونوں ہاتھ

اٹھا کر ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

پروردگار میں نے ایک بے آب و گیاہ وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصے کو تیرے محترم گھر کے پاس لایا ہے۔ پروردگار، یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ یہ لوگ یہاں نماز قائم کریں۔ لہذا تو لوگوں کے دلوں کو ان کا مشتاق بنا اور انھیں کھانے کو پھل دے، شاید کہ یہ شکر گزار بنیں (ابراہیم ۱۳: ۳۷)۔

اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ انھیں دودھ پلاتی رہیں اور پانی کا جو مشکیزہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اُن کے پاس چھوڑ گئے تھے، اس میں سے پیتی رہیں۔ جب مشکیزے کا پانی ختم ہو گیا تو انھیں پیاس ستانے لگی اور اُن کا بیٹا بھی پیاس سے بگڑنے لگا۔ وہ اس کی طرف دیکھتی تھیں کہ وہ تڑپ رہا ہے۔ [انھیں یہ بہت ناگوار گزرا]۔ وہ وہاں سے ہٹ گئیں، کیونکہ انھیں یہ بات پسند نہ تھی کہ وہ اپنے بیٹے کو (اس حالت میں) دیکھیں۔ اُس [ہاجرہ] نے محسوس کیا کہ زمین پر صفائی پہاڑی اس کے سب سے قریب ہے۔ وہ اُس پر کھڑی ہو گئیں پھر اُس نے وادی کی طرف منہ کیا تا کہ دیکھیں کہ کوئی شخص نظر آئے، مگر انھیں کوئی دکھائی نہ دیا۔ وہ صفا سے اُتریں، یہاں تک کہ جب وہ نیچے وادی میں پہنچیں تو اپنے گرتے کے دامن کو اٹھالیا اور اس طرح دوڑنے لگیں جیسے کوئی مصیبت زدہ انسان دوڑتا ہے۔ یہاں تک کہ وادی سے گزر گئیں۔ پھر مر وہ پہنچیں اور اُس کے اوپر کھڑی ہو گئیں۔ انھوں نے نظر دوڑائی کہ شاید کوئی نظر آجائے۔ انھوں نے سات مرتبہ ایسا کیا۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: 'یہی وہ سعی ہے جو لوگ ان دونوں [صفا اور مرہ] کے درمیان کرتے ہیں۔ پھر جب وہ [ساتویں مرتبہ] مرہ پر چڑھیں تو انھوں نے ایک آواز سنی۔ اس پر انھوں نے اپنے آپ سے کہا 'خاموش! اور پھر انھوں نے توجہ سے سنا تو وہی آواز آئی۔ انھوں نے کہا: 'ٹوٹنے لپٹی آواز تو سنا دی [لیکن] کیا تیرے پاس میرے لیے کوئی مدد بھی ہے؟ اب جو انھوں نے نظر ڈالی تو دیکھا کہ زم زم کی جگہ پر ایک فرشتہ ہے۔ اُس نے اپنی ایڑی یا اپنے پر سے زمین کھودی۔ یہاں تک کہ پانی نکل آیا۔ وہ حوض بنا کر یہ پانی اُس میں جمع کرنے لگیں اور اپنے ہاتھوں کو اس طرح استعمال کرتے ہوئے پانی سے چلو بھر کر اپنے مشکیزے میں ڈالنے لگیں اور یہ [پانی] ان کے خنکو بھر کر لینے کے بعد اور بھی جوش سے نکلنے لگا۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ اسماعیل کی ماں پر رحم

فرمائے اگر وہ زم زم کو [اپنے حال پر] چھوڑ دیتیں، یا فرمایا: 'اگر وہ پانی سے چٹو چٹو نہ بھرتیں تو زم زم ایک چشمہ جاریہ ہوتا۔' پس انھوں نے پانی پیا اور اپنے لڑکے کو دودھ پلایا۔ پس فرشتے نے کہا: 'ضائع [ہلاک] ہونے کا خوف نہ کرو۔ یہاں اللہ کا گھر ہے۔ یہ لڑکا اور اُس کا باپ اُسے تعمیر کریں گے اور اللہ اپنے لوگوں کو ضائع نہیں کرتا۔' اور خانہ کعبہ اُس وقت ایک ٹیلے کی طرح زمین سے اونچا تھا۔ اس پر سیلاب آتے تو اس کے دائیں بائیں سے گزر جاتے۔ حضرت ہاجرہ اس حال میں رہیں۔ یہاں تک کہ قبیلہ جرہم کے کچھ لوگ یا جرہم کے گھر والوں میں سے کچھ لوگ اُن کے پاس سے گزرے۔ وہ لکڑی کی طرف سے آ رہے تھے اور میلے کے نشیب میں اترے۔ انھوں نے [آسمان میں] چکر لگاتا ہوا ایک پرندہ دیکھا تو کہا یہ پرندہ تو پانی کے اوپر پھرنے لگا کرتا ہے۔ ہم ایک مدت سے اس وادی سے واقف ہیں۔ اُس میں تو کبھی پانی نہ تھا۔ پھر انھوں نے ایک دو آدمی [پتہ کرنے کے لیے] بھیجے، جنھوں نے وہاں پانی دیکھا۔ وہ واپس لوٹے اور ان لوگوں کو پانی کے متعلق خبر دی۔ وہ اس طرف آئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ پانی کے پاس تھیں۔ انھوں نے کہا: 'کیا آپ ہمیں اس بات کی اجازت دیتی ہیں کہ ہم آپ کے پاس قیام کر لیں۔' حضرت ہاجرہ نے کہا: 'ہاں، لیکن پانی [کی ملکیت] پر تمہارا کوئی حق نہ ہوگا۔' انھوں نے اس سے اتفاق کیا۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: یہ بات [حضرت اسماعیل کی والدہ کو پسند آئی۔ وہ تو خود یہی چاہتی تھیں] کہ وہاں کچھ انسان آباد ہوں۔ وہ لوگ اتر پڑے اور اپنے گھر والوں کو پیغام بھجو کر بلالیا اور وہ بھی آکر ان کے ساتھ قیام پذیر ہو گئے۔ اُن کے کئی گھر وہاں آباد ہو گئے۔ وہ لڑکا [حضرت اسماعیل علیہ السلام] جوان ہو گیا۔ اُس نے اُن (بنو جرہم) سے عربی زبان سیکھی۔ جب یہ جوان ہوا تو انھیں نفس معلوم ہوا اور انھیں پسند آیا۔ جب وہ بالغ ہو گیا تو انھوں نے اپنی کسی عورت سے اُس کی شادی کر دی۔ اس کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ [ہاجرہ] کا انتقال ہو گیا۔

یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اس روایت میں واقعہ کا بیان کس قدر صاف مختصر، مربوط، بر ملا، بے عیب اور منطقی ہے۔

(ط) اُد پر یہ بات آچکی ہے کہ حلف کے کنوئیں والے 'بیر سبع' کے مقام پر پہلے سے ایک

کنواں موجود تھا اور وہ بالکل سامنے نظر آتا تھا۔ اسی جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور شاہ ابی ملک کے درمیان عہد و اقرار ہوا تھا، لیکن اس کا پہلے سے کوئی نام نہ تھا۔ اس کا نام 'ہیر سبغ' یا حلف کا کنواں اُس عہد و اقرار کے بعد رکھا گیا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور شاہ ابی ملک کے درمیان منعقد ہوا تھا، جبکہ سات کے کنوئیں والے 'ہیر سبغ' کے بیابان کے مقام پر پہلے سے کوئی کنواں موجود نہ تھا۔ اور یہ کنواں بعد میں اس وقت ایک غیر معمولی طریقے پر مہیا کیا گیا تھا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت باجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو 'ہیر سبغ' اور فاران کے بیابان میں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سات کے کنوئیں والا 'ہیر سبغ' اور حلف کے کنوئیں والا 'ہیر سبغ' بالکل الگ الگ مقامات ہیں۔

(ی) بائبل میں ایک تیسرے 'ہیر سبغ' کا بھی ذکر ہے:

تب ابی ملک اپنے دوست اخوزت اور اپنے چھ سالار فیصل کو ساتھ لے کر جرار سے اُس کے پاس گیا۔ اسحاق نے اُن سے کہا کہ تم میرے پاس کیوں کر آئے حالانکہ مجھ سے کینہ رکھتے ہو اور مجھ کو اپنے پاس سے نکال دیا؟ انھوں نے کہا ہم نے خوب صفائی سے دیکھا کہ خداوند تیرے ساتھ ہے، سو ہم نے کہا کہ ہمارے اور تیرے درمیان قسم ہو جائے اور ہم تیرے ساتھ عہد کریں۔ کہ جیسے ہم نے تجھے چھو اس تک نہیں اور سوائسکی کے تجھ سے اور کچھ نہیں کیا اور تجھ کو سلامت رخصت کیا تو بھی ہم سے کوئی بدی نہ کرے گا، کیونکہ تُو اب خداوند کی طرف سے مبارک ہے۔ تب اُس نے اُن کے لیے ضیافت تیار کی اور انھوں نے کھایا پیا۔ اور وہ صبح سویرے اُٹھے اور آپس میں قسم کھائی اور اسحاق نے اُن کو رخصت کیا اور وہ اُس کے پاس سے سلامت چلے گئے۔ اُسی روز اسحاق کے نوکروں نے آ کر اُس سے اُس کنوئیں کا ذکر کیا جسے انھوں نے کھودا تھا اور کہا کہ ہم کو پانی مل گیا۔ سو اُس نے اُس کا نام سبغ رکھا، اسی لیے وہ شہر آج تک 'ہیر سبغ' کہلاتا ہے۔

بائبل کے زیادہ تر مفسرین اور لغت نگاروں کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام سے متعلق 'ہیر سبغ' اور حضرت اسحاق علیہ السلام سے متعلق 'ہیر سبغ' حقیقت میں ایک ہی ہیں۔ کچھ دوسرے لوگ ایسے ہیں

جو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دو الگ الگ مقامات ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی ہیں جن کا خیال ہے کہ یہ قصبہ بائبل کے مؤلفین کی اختراع ہے۔ صورت حال جو بھی ہو، ایک بات یہاں انتہائی قابل فکر ہے: حضرت اسحاق علیہ السلام کی نہ تو وہاں حضرت ہاجرہ سے کوئی ملاقات ہوئی اور نہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے خاندان کے کسی فرد سے کوئی سامنا ہوا۔ اگر یہ وہی پیر سبع [سات کا کنواں] ہوتا جس کا حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قصے سے تعلق ہے تو:

(۱) یہ وہاں لازماً پہلے سے موجود ہونا چاہیے تھا۔

(۲) یہ کنواں چونکہ ہر لحاظ سے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ملکیت تھا، اس لیے انھیں وہاں لازماً عملی طور پر موجود ہونا چاہیے تھا اور

(۳) چونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ایک مہمان نواز شخص تھے، اس لیے انھوں نے وہاں اپنے بھائی حضرت اسحاق علیہ السلام کی لازماً خوب خاطر تواضع کی ہوتی۔

لیکن اس کتاب کے مصنف کے لیے بھی اور قارئین کے لیے بھی یہ بات انتہائی مایوس کن ہے کہ اُس جگہ اس طرح کا کوئی معاملہ پیش نہ آیا۔ اس واقعہ سے پہلے وہاں کوئی کنواں موجود نہ تھا۔ یہ تو وہاں حضرت اسحاق علیہ السلام کے غلاموں نے کھود کر نکالا تھا۔ پھر نہ تو وہاں حضرت ہاجرہ موجود تھیں اور نہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے خاندان کا کوئی فرد وہاں دیکھا گیا۔ اسی طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرف سے حضرت اسحاق علیہ السلام کی ضیافت اور خاطر تواضع کا بھی کوئی واقعہ پیش نہ آیا۔ پھر بائبل کے مطابق یہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہی تھے جنھوں نے اُس کنوئیں کا نام شیبہ کا کنواں رکھا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ ایک ایسا کنواں تھا جو حضرت اسحاق علیہ السلام کے غلاموں کے کھودنے کے نتیجے میں معرض وجود میں آیا تھا۔ اور یہ وہ کنواں نہ تھا جو حضرت ہاجرہ کو کسی غیر معمولی طریقے سے دکھایا اور مہیا کیا گیا ہو۔

مندرجہ بالا مواد سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہے کہ بائبل کی مندرجہ بالا عبارت میں بیان کردہ 'پیر سبع' کے بیابان کا تعلق مکہ کی ایک ناقابل کاشت، پہاڑی، ریتی، بنجر اور بے آباد زمین

اور چارہ زم زم سے ہے۔ اس کا اُس قابل کاشت 'حلف کے کنوئیں والے سیر سبع' سے کوئی تعلق نہیں جو کنعان کی جنوبی سرحد کے قریب واقع ہے اور جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اُن ریوزوں کی دیکھ بھال کے لیے اکثر جایا کرتے تھے جو انھوں نے وہاں رکھے ہوئے تھے۔

مندرجہ بالا سارے مضمون کے اعادے اور خلاصے کے طور پر ذیل میں چند اہم نکات پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) مذکورہ بالا عبادت میں بہت سی تحریفیں، اضافے، حذف اور تبدیلیاں موجود ہیں، جس سے یہ پوری کہانی قدر کے مشتبہ ہو جاتی ہے، اس لیے اس میں سے جو بات بھی لی جائے اُسے اچھی طرح تنقیدی مطالعے کے بعد قبول کرنا چاہیے۔

(۲) اس کہانی میں حضرت سارہ کو ایک عاصد، متمم مزاج، کینہ پرور، تیز مزاج، گھٹیا ذہنیت والی، اور اذیت پسند عورت کے طور پر دکھایا گیا ہے۔ یہ بات حضرت سارہ جیسے مرتبے کی ایک خدا ترس اور شریف خاتون کے متعلق کسی طرح بھی قابل اعتماد اور شایان شان نہیں۔ اس طرح قصے کا یہ سارا حصہ بالکل جعلی اور جھوٹا معلوم ہوتا ہے۔

(۳) حضرت ہاجرہ مصر کے بادشاہ کی بیٹی تھیں۔ اس طرح وہ ایک شہزادی تھیں۔ انھیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ کے سپرد اسی غرض سے کیا گیا تھا تا کہ وہ اُن کے علم و تربیت حاصل کریں۔ اور نیک اور شریفانہ آداب سیکھیں اور اُس خاندان کی خدمت کریں۔ شاہ مصر نے یہ کام اُس خاندان کی نیکی اور تقویٰ کے اعتراف کے طور پر کیا تھا۔ حضرت ہاجرہ کوئی باندی نہ تھیں جنھیں اُن کے باپ نے، جو مصر کا بادشاہ تھا، کسی مجبوری کے تحت فروخت کیا ہو۔ اس طرح وہ تمام قصے جن میں حضرت سارہ کی حضرت ہاجرہ سے بدسلوکی کا ذکر ہے، بالکل مبنی بر افتراء اور جھوٹ کا پلندہ ہیں، بلکہ اگر حضرت ہاجرہ کنیز ہوتیں تب بھی یہ بات حضرت سارہ جیسی نیک سرشت خاتون کے ہرگز شایان شان نہ تھی کہ وہ ان کے ساتھ ایسا ظالمانہ سلوک کرتیں اور انھیں لوٹڈی پکا کر ان کی عزت سے نفس کو مجروح کرتیں۔

(۴) جب حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بیر سبع (چاہ زم زم) کے قریب آباد کیا گیا تھا، اُس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام ایک کم سن بچہ تھے۔ یہ بات مندرجہ ذیل عبارات سے صاف ظاہر ہے: 'حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کچھ روٹی اور پانی کا ایک مشکیزہ لیا، اور یہ چیزیں حضرت ہاجرہ کو دے کر بچے کو اُن کے کندھے پر رکھا اور حضرت ہاجرہ نے اس بچے کو ایک جھاڑی کے نیچے پھینک دیا اور یہ کہ خداوند کے فرشتے نے حضرت ہاجرہ سے کہا 'اِس لڑکے کو اٹھاؤ اور اِسے اپنے ہاتھوں میں تھام لو۔ دوسری طرف بائبل کا کہنا یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت اسحاق علیہ السلام کا دودھ چھڑانے کی ضیافت کے موقع پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حضرت اسحاق علیہ السلام کا مذاق اڑانے کے نتیجے میں رونما ہوا۔ دودھ چھڑانے کا یہ واقعہ اُس وقت رونما ہوا جب حضرت اسحاق علیہ السلام کی عمر دو یا تین سال کی تھی۔ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے عمر میں تیرہ چودہ سال چھوٹے تھے۔ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ ضیافت کے موقع پر حضرت اسماعیل علیہ السلام سولہ سترہ سال کے نوجوان تھے۔ اِس لحاظ سے حضرت ہاجرہ انھیں نہ تو اپنے کندھے پر ڈال سکتی تھیں نہ انھیں ایک جھاڑی کے نیچے پھینک سکتی تھیں اور نہ اِس لڑکے کو اٹھا کر اپنے ہاتھوں میں تھام سکتی تھیں۔ ان سب باتوں سے یہ چیز صاف ظاہر ہوتی ہے کہ دودھ چھڑانے کی ضیافت کا یہ واقعہ جس انداز میں بیان کیا گیا ہے، وہ قطعی غیر مربوط اور ناقابل اعتبار ہے اور معزز سارہ ظلم اور حسد کے تمام الزامات سے بری قرار پاتی ہیں اور اِس قصے کا یہ واقعہ بھی حقائق کے اعتبار سے مسترد قرار پاتا ہے۔

(۵) حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور اُن کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کے حکم کے تحت بیر سبع (چاہ زم زم) کے بیابان میں آباد ہونے کے لیے چھوڑ گئے تھے۔ جب وہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت سرانجام دے رہے تھے تو انھیں اِس کے بارے میں کسی طرح کی پریشانی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہ تھی، کیونکہ وہ بذات خود خوب اچھی طرح مشاہدہ کر چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس خاندان کا خودی محافظ اور نگران ہے۔

(۶) لفظ 'پیر سبع' بابل میں چونتیس جگہ استعمال ہوا ہے۔ صرف اس ایک مقام پر، جہاں یہ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہم السلام، دونوں کے بارے میں استعمال ہوا ہے، اس سے پہلے بیابان کا وصف لگایا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف یہی پیر سبع (چاہ زم زم) حقیقی معنوں میں بیابان قرار دیا جاسکتا ہے، جبکہ دوسرا پیر سبع (حلف کائنات) ایک سرسبز و شاداب اور زرخیز مقام ہے جہاں پانی کی بھی فراوانی ہے۔

(۷) 'پیر سبع' ایک بامعنی لفظ ہے، جس کے معنی ہیں: 'سات کائنات' یا 'صفا اور مردہ کی پہاڑیوں کے درمیان سات مرتبہ سعی کے چکر لگانے سے متعلق کائنات' یا 'وہ کائنات جو حضرت ہاجرہ کو ان کے صفا اور مردہ کے درمیان سعی کے سات چکر لگانے کے نتیجے کے طور پر دیا گیا تھا'۔

(۸) پیر سبع کے ایک اور معنی 'حلف کائنات' بھی ہیں جس کا تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام اور شاہ ابی ملک کے حلف سے ہے یا حضرت اسحاق علیہ السلام اور شاہ ابی ملک کے درمیان حلف سے ہے جو کنعان کے جنوب مغربی سرے پر عمل میں آیا تھا۔ اس کا ازل الذکر 'پیر سبع' یعنی سات کے کنوئیں سے کوئی تعلق نہیں۔

(۹) 'بیابان' عبرانی کے لفظ 'بد بار' کا انگریزی کا ترجمہ ہے جس کے معنی ہیں 'نا قابل کاشت، ناہموار، بنجر، ریتیلی اور پہاڑی زمین یا صحرا'۔ یہ اوصاف سات کے کنوئیں والے 'پیر سبع' یعنی مکہ اور اس کے ماحول سے تعلق رکھنے والے پیر سبع کے مکمل طور پر مطابقت رکھتے ہیں۔ جہاں تک 'حلف کے کنوئیں' والے پیر سبع کا تعلق ہے، ان اوصاف کا کسی طرح بھی اُس پر اطلاق ممکن نہیں۔

(۱۰) 'حلف کے کنوئیں' والا پیر سبع تو اُس مقام پر پہلے ہی موجود تھا جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور شاہ ابی ملک کے درمیان حلف منعقد ہوا تھا۔ (اور اگر اس سے حضرت اسحاق علیہ السلام اور شاہ ابی ملک والا کائنات مراد لیا جائے تو یہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے غلاموں نے باقاعدہ کھود کر نکالا تھا)، جبکہ 'سات کے کنوئیں' والے پیر سبع کے بیابان کے محل وقوع پر نہ تو کوئی کائنات پہلے

سے موجود تھا اور نہ اُسے کسی نے کھود کر نکالا تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ 'حلف کے کنوئیں والا بیر سبع' اور 'سات کے کنوئیں والا بیر سبع' قطعی طور پر دو مختلف اور الگ الگ مقامات ہیں۔ 'سات کے کنوئیں والا بیر سبع' چاہے زم زم ہے جو حضرت ہاجرہ کو ان کے پانی کی تلاش میں صفا و مردہ کی پہاڑیوں کے درمیان سات مرتبہ سعی کے چکر لگانے کے نتیجے میں دیا گیا تھا۔

حواشی ضمیمہ اول 'سبع'

۱. 'چیمبرز بائیوگرافیکل ڈکشنری' (Chambers Biographical Dictionary) میں تشریح کی گئی ہے (صفحہ ۱۶۳۳):

Sarah, whose name means 'princess' in Hebrew, was the wife of Abraham and mother of Isaac. She accompanied Abram from Ur to Canaan (Gen 12-23) and pretended to be Abram's sister before Pharaoh in Egypt and Abimelech in Gerar, since her beauty and their desire for her might have endangered Ab.'s life. Pharaoh took her as his wife, and Abram prospered, but when the truth was revealed, Pharaoh banished them both. Long barren, she eventually gave birth to Isaac in her old age, fulfilling God's promise that she would be the ancestor of nations (Gen 17.16). She died at the age of 127 in Kiriath-arba."

سارہ، جس کے نام کے معنی عبرانی میں شہزادی ہیں، ابراہام کی بیوی اور اسحاق کی ماں تھیں۔ وہ ابراہام کے ساتھ اُور سے کنعان آئیں تھیں (پیدائش ۱۲: ۲۳)۔ انھوں نے مصر میں فرعون اور جرار میں شاہ ابلی ملک کے سامنے یہ بہانہ بنایا تھا کہ وہ ابراہام کی بہن ہیں، کیونکہ اُن [سارہ] کے حسن اور اُن [بادشاہوں] کی حضرت سارہ کی طرف رغبت کی بنا پر ابراہیم کی زندگی خطرے میں تھی۔ فرعون نے انھیں اپنی بیوی بنالیا۔ اور ابراہام خوش حال ہو گئے، لیکن جب حقیقت ظاہر ہو گئی تو فرعون نے اُن دونوں کو نکال دیا۔ مدت تک بانجھ رہنے کے بعد انھوں نے بڑی دیر سے بڑھاپے کی عمر میں اسحاق کو جنم دیا۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ پورا ہوا کہ وہ قوموں کی ماں ہوگی (پیدائش ۱۶: ۱)۔ وہ ایک سو ستائیس سال کی عمر میں قریہ اربعہ کے مقام پر فوت ہوئیں۔

۲. 'نیوشارٹر اڈاکسٹر ڈائکشنری' ۱: ۳۴۵ میں کنعان کی اس طرح وضاحت کی گئی ہے:

Ancient name of western Palestine, promised in the OT and Hebrew Scriptures to the children of Israel (Exod. 3:17 etc.).

[کنعان] مغربی فلسطین کا قدیم نام ہے۔ عہد نامہ قدیم اور عبرانی صحیفوں میں اسے اولاد اسرائیل کے لیے [خصوص کر کے] وعدہ ہے (خروج ۳: ۱۷ وغیرہ)۔

۳۔ 'جیمیز انٹینشل انکلیش ڈکشنری'، ۱۹۹۸ء، صفحہ ۱۱۱۵ میں وضاحت ہے:

A mother weans her baby when she gradually stops feeding it with milk from her breast and gives it increasing amounts of other kinds of food.

ایک ماں اپنے بچے کا دودھ اُس وقت چھڑاتی ہے، جب وہ بتدریج اسے اپنی چھاتی سے دودھ پلانا بند کر کے دوسری قسموں کی خوراک کی زیادہ مقدار دینے لگتی ہے۔

آر جے کلنرڈ (R.J. Clifford) اور آری مرفی (R.E. Murphy) لکھتے ہیں:

The age of weaning was three years. (The New Jerome Biblical Commentary, ed. R.E. Brown, etc. Bangalore: TPI, 1994, p.24).

دودھ چھڑانے کی عمر تین سال تھی۔

تورات کی ایک یہودی تفسیر دی سوکینو قاش (Soncino Chumash) میں صفحہ ۱۰۳ پر ربی شلوموہ

یتشا کی (Rabbi Shelomoh Yitschaki) (۱۰۴۰ء - ۱۱۰۵ء) کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ

[دودھ چھڑانا] دو سال کی عمر میں منعقد ہوتا تھا۔

'یسسٹو بائبل ڈکشنری' میں (۲: ۷۷ پر) درج ہے:

We are told of the birth of Isaac (v v 1-7). On the occasion of the festival which was held perhaps two or three years later.

نہیں کتاب پیدائش باب ۲۱ میں اسحاق کی پیدائش کے متعلق بتایا گیا ہے (آیات ۱-۷)۔ اُس کی [دودھ چھڑانے کی] تقریب کے موقع پر جو شاید دو یا تین سال بعد منعقد ہوئی تھی۔

اس کی جلد اول میں ایچ اے وائٹ بتاتا ہے (صفحہ ۳۰۱)۔

It was not fully weaned for two or three years.

دو یا تین سال تک اسے مکمل طور پر دودھ نہیں چھڑایا گیا۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بچے کا دودھ دو یا تین سال کی عمر میں چھڑایا جاتا تھا۔ کتاب پیدائش

(۱۶: ۱۶) کے مطابق:

جب باجرہ نے ابراہیم کے لیے اسماعیل کو جنا تو ابراہیم چھ ماہ کی عمر کے تھے۔

کتاب پیدائش (۵: ۲۱) کے مطابق:

ابراہیم کی عمر اس وقت [سوسال تھی۔ جب اُن کے ہاں اُن کا بیٹا اسحاق پیدا ہوا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ دونوں بھائیوں کی عمروں کے درمیان چودہ سال کا فرق ہے۔ اور جب حضرت اسحاق علیہ السلام کے متعلق یہ بتایا جاتا ہے کہ اُن کا دودھ چھڑایا گیا تو اُن کے بڑے بھائی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر سولہ [۱۴+۲] سال کی ہوئی چاہیے، کیونکہ اُن کی نشوونما کھلی فضا والی سخت کوشی کی زندگی میں ہوئی تھی اور اُن کی بنیادی خوراک دودھ اور گوشت تھی، اس لیے وہ ایک مضبوط تواج اور سخت کوش جوان ہوں گے، لیکن آگے آنے والی آیات کے مطابق وہ صحیح طور پر یا تو دودھ پیتے بچے دکھائی دیتے ہیں یا ابھی ابھی اُن کا دودھ چھڑایا گیا ہے۔ بائبل کے ان متضاد و متناقض بیانات کی روشنی میں دودھ چھڑانے کا یہ واقعہ بالکل ناقابل اعتبار قرار پاتا ہے۔ بائبل کے مفسرین نے بھی اس تضاد کو محسوس کیا ہے۔ جیروم کی تفسیر بائبل میں یوجین ایچ مالی (Eugene H. Maly) اپنی کتاب پیدائش کی تفسیر میں (صفحہ ۲۲ پر) لکھتا ہے:

From 17:25 and 21:8 we can deduce that Ishmael would be about 16 years old, which clashes with the present account (cf. vv. 14-17).

۱۷:۲۵ اور ۸:۲۱ سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ اسماعیل سولہ سال کے ہوں گے جو موجودہ بیان سے متصادم ہے (آیات نمبر ۱۴ تا ۱۷)۔

اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیابان بیرسج / فاران میں آباد کیے جانے کے موقع پر اُن کی عمر کے متعلق بائبل کے بیانات متضاد اور متناقض ہیں، اس لیے اس کہانی کے ہر حصے کا بغور تنقیدی جائزہ لینے کے بعد ہی اس کے متعلق کوئی فیصلہ کیا جانا چاہیے۔

جس جیل سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ہاجرہ کے فرزند تھے، جنہیں اُس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے جتا تھا۔ اور حضرت سارہ کو اس بات کا کوئی حق حاصل نہ تھا کہ وہ اس کے متعلق اپنا بیٹا ہونے کا دعویٰ کریں۔ بائبل میں اس بات کی وضاحت موجود ہے:

اور ابراہام کی بیوی ساری کے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اس کی ایک مصری لونڈی تھی جس کا نام ہاجرہ تھا۔ اور ساری نے ابراہام سے کہا: کہ دیکھ، خداوند نے مجھے تو اولاد سے محروم رکھا ہے، سو تو میری اونڈی کے پاس جا، شاید اُس سے میرا گھر آباد ہو! کسی عجیب بات ہے کہ ایک خاتون دوسری خاتون سے اپنے لیے اولاد حاصل کر سکتی

ہے! اور ابرام نے ساری کی بات مانی اور ابرام کو ملک کنعان میں رہتے دس برس ہو گئے تھے جب اُس کی بیوی ساری نے اپنی مصری لونڈی اُسے دی کہ اُس کی بیوی بنے۔ اور وہ باجرہ کے پاس گیا اور وہ حاملہ ہوئی (...)۔ تب ساری اُس پر سختی کرنے لگی اور وہ اُس کے پاس سے بھاگ گئی! پس ساری نے اُس کے ساتھ ہدسلو کی اور وہ بھاگ گئی (NEV - کتاب پیدائش ۱۶: ۱-۲) (...)۔ اور خداوند کے فرشتے نے اُس [باجرہ] سے کہا کہ تو حاملہ ہے اور تیرے بیٹا ہوگا، اُس کا نام اسماعیل رکھنا، اس لیے کہ خداوند نے تیرا دکھن لیا۔ (...)۔ اور ابرام سے باجرہ کے ایک بیٹا ہوا اور ابرام نے اپنے اُس بیٹے کا نام جو باجرہ سے پیدا ہوا، اسماعیل رکھا (کتاب مقدس، پیدائش ۱۶: ۱۱، ۱۲، ۱۵)۔

یہ بیان درست معلوم نہیں ہوتا، جیسا کہ آیت ۱۰ کے لفظ باندی پر آگے آنے والے ایک حاشیے میں واضح کیا گیا ہے۔ حضرت باجرہ حضرت سارہ کی لونڈی یا باندی نہ تھیں۔ وہ ایک شہزادی تھیں اور اُن کے باپ نے، جو مصر کا بادشاہ تھا، انھیں حضرت سارہ اور حضرت ابراہیمؑ کو پیش کیا تھا۔ اس سلسلے میں اس کتاب کے دوسرے باب کے حاشیہ ۲ پر بھی دوبارہ ایک نظر ڈال لی جائے۔ اگر وہ حضرت سارہ کی باندی بھی ہوتیں تو جب سارہ نے انھیں حضرت ابراہیمؑ کے نکاح میں دے دیا تو وہ اُن کی باندی کیسے رہ گئیں۔ یہ ایک فطری انصاف کی بات ہے کہ ماں ہونے کا اعزاز صرف اُسی خاتون کو حاصل ہونا چاہیے جو حلقہ بچے کو فی الواقع جنم دے۔ کسی ایسی عورت کو، جو ایک بچے کی حقیقی والدہ نہیں ہیں، یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ اُس عورت سے اس بچے کی ماں ہونے کا اعزاز چھین سکے، جس نے اُسے جنم دیا ہے۔ کسی عورت کو، خواہ اُس کا معاشرتی مرتبہ کچھ بھی ہو، یہ اجازت نہیں دی جانی چاہیے کہ وہ کسی ایسی خاتون کا استحصال کرے جو نادر، کمزور اور بے آسرا ہو۔ جو کوئی بھی ایسی ظالمانہ حرکت کرے، وہ ایک ظالم مجرم ہے۔ اگر اس فطری انصاف کے برعکس اُس کے علاقے میں کوئی ایسی غیر منصفانہ مقامی روایت موجود تھی بھی تو بزرگ پیغمبر حضرت ابراہیمؑ کے لیے یہ بات کسی طرح پسندیدہ اور مناسب نہ تھی کہ وہ اس پر عمل کرتے۔ اُن کا فرض تو یہ بنتا تھا کہ وہ خدائی اور فطری انصاف کے اصولوں کے مطابق اس میں مناسب تبدیلی لاتے۔ حضرت ابراہیمؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر کو کسی طرح بھی یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ معاشرے کی مرہبے انصافیوں کی پیروی کریں یا اُن کا ساتھ دیں۔ انھیں تو بھیجا ہی اس لیے جاتا ہے کہ وہ ایسی تمام بے انصافیوں کو جڑ سے

اکھاڑ پھینکیں اور اپنی پوری حدود نبوت میں خداوند کے فطری انصاف کو قائم کریں۔ گجایہ کہ وہ خود اپنے گھر میں ایسی بے انصافیوں پر عمل ہونے دیں، اس لیے مندرجہ بالا قسے کو کسی طرح بھی درست قرار نہیں دیا جاسکتا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام انصاف اور مساوات کے تمام اصولوں کی رُو سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اُن کی جائز بیوی حضرت ہاجرہ سے اُن کے حقیقی اور قانونی پہلو نئے بیٹے تھے اور انھیں پہلو نانا بنانا ہونے کے تمام حقوق حاصل تھے۔ بائبل کے جملے 'اب ابرام کی بیوی ساری نے اُس کے لیے کوئی بچہ نہ بنے تھے' کی 'نیلن اسٹڈی بائبل' میں مندرجہ ذیل وضاحت کی گئی ہے:

In the world of the OT, infertility caused great distress (see 25:21). At that time, the woman was always blamed. When a woman was not able to conceive a child, her husband might divorce her. (p. 33).

مہر نامہ قدیم کی دنیا میں بانجھ پن بہت بڑی مصیبت کا باعث بنتی تھی (دیکھیے ۲۱:۲۵)۔ اُس وقت الزام ہمیشہ عورت پر جاتا تھا۔ جب کوئی عورت حاملہ ہونے کے قابل نہ ہوتی تو اُس کا خاوند اُسے طلاق دے سکتا۔

اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام اُس زمانے کے رسم و رواج کی پابندی کرتے تو وہ سارہ کو بانجھ پن کے الزام میں بے انصافی کے ساتھ سزا دیتے ہوئے طلاق دے دیتے، حالاں کہ فطری انصاف کے لحاظ سے اس پر انھیں (سارہ کو) مورد الزام ٹھہرانا کسی طرح مناسب نہ تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ:

(۱) حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ہاجرہ کے بطنی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہر لحاظ سے اور تمام مقاصد کے لیے جائز فرزند تھے۔

(۲) جب حضرت ہاجرہ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو جنم دیا تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قانونی اور شرعی لحاظ سے بالکل جائز بیوی تھیں اور یہ بات کوئی بے انصاف اور بدقیت شخص ہی کہہ سکتا ہے کہ انھیں مکمل بیوی ہونے کی حیثیت حاصل نہ تھی۔

(۳) یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرزند ہونے کی مکمل حیثیت حاصل نہ تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے۔ وہ مشرک معاشرے میں رائج ظالمانہ رسوم کے نہ صرف یہ کہ پابند نہ تھے، بلکہ وہ تو ایسی تمام ظالمانہ رسوم کو تبدیل کرنے کے لیے مبعوث ہوئے تھے اور اس بات کے پابند تھے کہ وہ ان رسوم کو بدلنے کی کوشش کریں۔

۵. 'دی نیو جیروم تفسیر بائبل' نے (صفحہ ۲۴ پر) اس موقع کی وضاحت اس طرح کی ہے:

with her son Isaac: This phrase seems to have dropped out of the MT by haplography [the inadvertent writing once, of what should have been written twice (Chambers Dic., 1995, p.762)]; the phrase is preserved by the LXX and the Vg.

اپنے بیٹے اسحاق کے ساتھ: معلوم یہ ہوتا ہے کہ مسوراتی متن میں غلطی سے یہ الفاظ درج ہونے سے رہ گئے ہیں، جبکہ بائبل کے ہندوئی ترجمے اور ولکیٹ میں یہ الفاظ موجود اور محفوظ ہیں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس مقام پر بائبل کے مؤلفین سے کچھ ذہول ہو گیا اور اس طرح یہ الفاظ متن میں درج ہونے سے رہ گئے۔ بائبل میں اس طرح کی غلطیاں کوئی انبوہ بات نہیں۔

جس لفظ کا ترجمہ اس جگہ مذاق اڑانا کیا گیا ہے، اُس کے متعلق ایک اور نکتہ قابل توجہ ہے۔ عبرانی میں یہ لفظ ص + ح + ق ہے، یہ وہی لفظ ہے جو عربی میں ٹھک ہے۔ معنی دونوں لفظوں کے ایک ہی ہیں یعنی ہنسا۔ خیال رہے کہ عبرانی زبان اور اس کے حروف ابجد میں ض کا حرف نہیں ہے، اس لیے 'ض' کے موقع پر عبرانی میں 'س' کا حرف ہی استعمال ہوتا ہے۔ 'سرونگ کی بائبل کے عبرانی الفاظ کی لغت' میں اندارج ۶۷۱ (صفحہ ۹۹) میں اس کے معنی دیے گئے ہیں:

to laugh outright (in merriment or scorn); by impl. to sport: "laugh, mock, play, make sport.

صریحاً ہنسا (خواہ خوشی سے ہو یا نفرت سے): کنایہ کھیلنا، ہنسا، منہ چڑانا، کھیلنا، ہنسنے کرتا۔

یہی وجہ ہے کہ گنٹھر پلاٹ (Gunther Plaut) کی 'دی توراء، ایک جدید تفسیر' میں (صفحہ ۱۳۹ پر) اس کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے:

Sarah saw the son, whom Hagar the Egyptian had borne to Abraham, playing.

سارہ نے اُس بیٹے کو جسے مصر کی ہاجرہ نے ابراہیم کے لیے جنما تھا، کھیلتے دیکھا۔

بائبل کے بعض دوسرے تراجم میں بھی اس جگہ مذاق اڑانے کے بجائے 'کھیلنے' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، مثلاً (۱) 'نیو جیروم وٹلم بائبل' (NJB)، (۲) 'نیو آکسفورڈ انونیٹڈ بائبل' (NOAB)، [اس نے یہاں اُس کے بیٹے اسحاق کے ساتھ کھیلتے ہوئے کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور نیچے نوٹ دیا ہے: 'یونانی ولکیٹ: عبرانی میں With her son Isaac کے الفاظ نہیں ہیں'] (۳) 'دی توراء مسوراتی

متن، (۳) 'نیو امیریکن ورش' (NAV)، (۵) 'ریپرائزڈ سٹینڈرڈ ورش'، کیتھولک ایڈیشن (RSV)، Catholic Ed.) (۶) 'نوڈے انگلش ورش' (TEV)، (۷) 'مکڈ نیوز بائبل' (GNB)، (۸) 'نیو-کیتھولک کومنٹری'، (۹) 'سکینو قش' [کھیل تفریح]، وغیرہ۔

دکلف کی تفسیر بائبل (صفحہ ۲۶) میں اس واقعے کی بڑی عمدہ وضاحت کی گئی ہے:

"It has been translated "mocking," "sporting," "playing," and "making sport." There is no good reason here to introduce the idea of mocking. What Ishmael was doing does not matter so much as the fact that it infuriated Sarah. Perhaps she simply could not bear to see her son playing with Ishmael as with an equal. Or it may be that green-eyed jealousy took full control. Sarah may have feared that Abraham, out of love for Ishmael, would give the older lad the prominent place in the inheritance.

اس کا ترجمہ منہ چڑانا، تفریح، کھیلنا، کھیلنے کرنا کیا گیا ہے۔ یہاں منہ چڑانا یا مذاق اڑانا کا تصور پیدا کرنے کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں۔ جو کچھ اسماعیل کر رہا تھا، وہ کوئی ایسی بری بات نہ تھی جس سے سارہ اپنی تیغ پاہوتی۔ اصل بات یہ ہے کہ شاید وہ اپنے بیٹے کو اسماعیل کے ساتھ اس طرح کھیلتے ہوئے دیکھنا برداشت نہ کر سکیں، جیسے کوئی اپنے برابر کی حیثیت والے کے ساتھ کھیلتا ہے۔ پھر یہ بات ہو سکتی ہے کہ حسد اس پر پوری طرح چھا گیا۔ ہو سکتا ہے کہ سارہ کو اس بات کا خوف ہو کہ اسماعیل کی محبت سے مغلوب ہو کر کہیں ابراہیم بڑے لڑکے کو راشت میں نمایاں مقام اور بڑا حصہ نہ دے دیں۔

معزز اور شریف سارہ کے کردار کو کیسا مکروہ کر کے دکھایا گیا ہے۔ جس خاتون نے اپنے اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اپنے خاوند کی وفاداری کی خاطر اپنا وطن اور کنبہ قبیلہ چھوڑا ہو، ہزاروں میل کا تکلیف وہ سفر برداشت کیا ہو اور جس کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے سرزمین مصر میں ایسے عظیم الشان معجزات رونمائے ہوں، اس کے متعلق یہ بات کسی طرح بھی شایان شان نہیں کہ وہ اپنے خاوند کی دوسری بیوی اور اپنے خاوند کے بیٹے کی ماں کے ساتھ ایسا ظالمانہ سلوک روا رکھے گی۔ مزید برآں یہ کہ وہ اپنے خدا ترس خاوند کے احساسات کو اتنی بوڑھی عمر میں اس قدر مجروح کرے گی۔ یہ بات بالکل ناقابل یقین ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کہانی کا یہ حصہ قطعی طور پر جھوٹا اور بناوٹی ہے۔

۱۔ یہ بات درست نہیں کہ حضرت ہاجرہ ایک لونڈی یا باندی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ مصر کی شہزادی تھیں اور ان کے والد یعنی شاہ مصر نے انھیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی حضرت سارہ کی خدمت

کے لیے اور ایک پاکیزہ ماحول میں پرورش اور نشوونما پانے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالے کیا تھا۔ بابل کے مؤمنین نے ایک مقصد کے تحت انہیں کنیز کے طور پر پیش کیا، جیسا کہ مندرجہ ذیل اقتباس سے ظاہر ہے:

That Hagar appears as a slave-woman is a necessary consequence of the theory on which the Hebrew myth is based, the notion being that Ishma'el was of inferior origin. (Enc. Biblica, p. 1933).

یہ بات کہ ہاجرہ ایک باندی کے طور پر پیش کی گئی ہے، اس نظریے کا لازمی نتیجہ ہے جس پر عبرانی خرافات کی بنیاد ہے اور وہ نظریہ یہ ہے کہ اسماعیل کم تر نسل سے تعلق رکھتے تھے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ہاجرہ کی طرف غلامی اس لیے منسوب کی گئی تھی تاکہ اسماعیل علیہ السلام کو اسحاق علیہ السلام سے کم تر ثابت کیا جائے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک مصری شہزادی تھیں، جیسا کہ وہی جیوش انسائیکلو پیڈیا کے مندرجہ ذیل اقتباس سے صاف ظاہر ہے:

According to the Midrash (Gen. R. xlv.), Hagar was the daughter of Pharaoh, who, seeing what great miracles God had done for Sarah's sake (Gen. xii, 17), said: "It is better for Hagar to be a slave in Sarah's house than mistress in her own." In this sense Hagar's name is interpreted as "reward" ("Ha-Agar" = "this is reward."). [Vol. VI, p.138] Hagar is held up as an example of the high degree of godliness prevalent in Abraham's time, (...). Her fidelity is praised, for even after Abraham sent her away she kept her marriage vow, (...). Another explanation of the same name is "to adorn," because she was adorned with piety and good deeds (l.c.). [6:138].

مدر اش کے مطابق ہاجرہ فرعون [شاہ مصر] کی بیٹی تھیں، جس [شاہ مصر] نے یہ دیکھ کر کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہ کی خاطر ایسے عظیم الشان معجزات رونما فرمائے ہیں (کتاب پیدائش ۱۲:۱۷) کہا: ہاجرہ کے لیے اس کے اپنے گھر میں مالک بن کر رہنے سے یہ بات زیادہ اچھی ہے کہ وہ سارہ کے گھر میں ایک خدمت گار باندی بن کر رہے۔ اس منہوم کے اعتبار سے ہاجرہ کے نام کی اجراء و انعام کے الفاظ میں تعبیر کی گئی ہے (ہا احز: یعنی یہ اجراء و انعام ہے)۔ ہاجرہ کو ابراہیم کے زمانے میں رائج تقویٰ اور نیکی کی اعلیٰ ترین مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ (...)- ان کی وفاداری کی ستائش کی جاتی ہے، کیونکہ باوجود اس کے کہ حضرت ابراہیم نے انہیں باہر بھیج دیا تھا، انھوں نے اپنے نکاح کے میثاق کی پابندی کی۔ (...)- اسی نام کی ایک اور وضاحت یہ کی جاتی ہے کہ یہ سجانے سے ماخوذ ہے کیونکہ وہ تقویٰ اور اعمال صالحہ سے مزین تھیں۔

انجی ای رائل (H. E. Ryle) نے اپنے مقالے 'ہاجرہ میں یہی رائے ظاہر کی ہے:

Rashi, in his commentary on 6:1, records the belief that Hagar was a daughter of Pharaoh, who, after seeing the wonders that had been done for Sarah, declared that it was better for his daughter to be a bondservant in the house of Abraham than a mistress in the palace of another. (J. Hastings, Dic. of Bible, 2:278.)

رashi نے اپنی تفسیر میں ۶:۱ پر یہ عقیدہ بیان کیا ہے کہ ہاجرہ فرعون کی بیٹی تھی جس نے، وہ معجزات دیکھ کر جو سارہ کے لیے نمودار ہوئے تھے، اعلان کیا کہ میری بیٹی کے لیے ابراہیم کے گھر میں باندی بن کر رہنا کسی اور کے گھر میں بالکدین بن کر رہنے سے بہتر ہے (جے ہسٹنگز کی لغات بائبل ۲:۲۷۸)۔

مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ ۲ (باب دوم)۔

یہ اس مقام پر 'دی نیو جیورنل' میں تفسیر بائبل میں وضاحت کی گئی ہے:

Sarah in her anger brands her rival "that slave woman and her son," not even mentioning their names (p. 24).

سارہ غصے میں پھری ہوئی اپنی سوتن کے حعلق کہتی ہیں: 'وہ کنیز عورت اور اس کا بیٹا'۔ اور ان کا نام تک لینا گوارا نہیں کرتیں۔

یہ بات حضرت سارہ کو ایک ایسی کینہ پر در عورت کے رنگ میں پیش کرتی ہے جو کسی طرح قابل یقین نہیں۔ جو کہانی ایسے بے بنیاد واقعات سے عبارت ہو، اُسے ہرگز قابل اعتبار نہیں سمجھا جاسکتا۔ ذیل کا اقتباس یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان آیات سے بائبل کے علما کیسے کیسے لاپرواہی اور ناقابل یقین نتائج اخذ کرتے ہیں۔

'دی جیورنل' انسائیکلو پیڈیا میں وضاحت کی گئی ہے:

Sarah took revenge (Gen. xvi) by preventing her intercourse with Abraham, by whipping her with her slipper, and by exacting humiliating services, such as carrying her bathing-materials to the bath (I.e.); she further caused Hagar by an evil eye to miscarry, and Ishma'el, therefore, was her second child." (Jewish Enc., 6:138).

سارہ نے اس [ہاجرہ] کو ابراہیم کے ساتھ ہم بستری کرنے سے روک کر، اپنے جوتے کے ساتھ اس کی پٹائی کر کے اور اپنے گندے مواد کو غسل خانے میں اٹھوا کر لے جانے جیسی توہین آمیز خدمات لے کر بدلہ لیا (کتاب پیدائش باب ۱۶)۔ اُس [سارہ] نے ہاجرہ کو بدمعاشی نظر لگا کر اُس کا [پہلا] حمل ضائع کرایا۔ اس طرح [حضرت اسماعیل] اُن کے دوسرے بیٹے بنے ہیں۔

کیسا مکروہ اور گھٹا ونا جھوٹ اور انفر ہے یہ اکوئی شیطان ہی اس پر یقین کر سکتا ہے۔ اس سے حضرت سارہ کا حضرت ہاجرہ اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق ناقابل یقین حد تک بغض ظاہر ہوتا ہے جس کے بارے میں بعض فاضل مسیحی علما نے بھی یہ بات محسوس کی ہے (اس سلسلے میں اسی کتاب کا اگلا ذیلی حاشیہ بھی ملاحظہ ہو)۔

۵۔ اس مقام پر یوجین ایچ مالی (Eugeni H. Maly) حیروم کی تفسیر بائبل میں بیان کرتا ہے:

Ancient law ordinarily forbade the expulsion of a slave wife and her child, and no justification for it is indicated here as in 16:4; Abraham accordingly hesitates (v.11).

قدیم قانون عام طور پر اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی کنیر بیوی [ایسی کنیر جسے بیوی بنالیا گیا ہو] اور اس کے بیٹے کو گھر سے نکالا جائے۔ اور یہاں ایسی کوئی وجہ بھی پیش نہیں کی گئی جیسی ۱۶:۴ میں دی گئی ہے، اسی لیے ابراہیم ہچکچاہٹ کا اظہار کرتے ہیں (آیت ۱۱)۔

لیکن بائبل کے مولف کو اس بات میں کوئی شرم محسوس نہیں ہوتی کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ اس بے چاری نام نہاد غلام بیوی اور اس کے بچے کے معصوم خون میں رنگین کرے، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جس انداز میں انھیں بے یار و مددگار اپنے گھر سے نکالتے ہوئے دکھایا گیا ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا چاہیے تھا کہ وہ کسی نہ کسی ناگہانی مصیبت کے ہاتھوں قومہ اہل بن جائیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ صرف اپنے اس بے رحمانہ اور غیر انسانی طرز عمل کے ذریعے سے اپنی بیوی اور بچے کے سلسلے میں اپنے فطری اور دینی فرائض پس پشت ڈال رہے ہوں، بلکہ زمانہ قدیم سے رائج گزشتہ انبیاء کے ان فطری اور انسانی قوانین کو بھی نظر انداز کر رہے ہوں جو بنیادی طور پر درست تھے اور جن کی مکمل تعمیل ایک انسانی فریضہ تھا۔ کیا روئے زمین کا کوئی انسان ایسے غیر انسانی اور ظالمانہ طرز عمل کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کر سکتا ہے؟

۹۔ وی کالج ولا تفسیر بائبل میں بیان کیا گیا ہے:

It is Sarah's jealousy, not Hagar's arrogance, that leads her to demand that Abraham expel the two. She fears that Isaac's future inheritance is threatened by Ishmael's presence in the home. (p.60).

یہ ہاجرہ کا تکبر نہیں، بلکہ سارہ کا حسد ہے جو اس [سارہ] سے یہ مطالبہ کراتا ہے کہ ابراہیم ان دونوں کو گھر

سے نکال دیں۔ اُسے اس بات کا خوف ہے کہ اسماعیل کی گھر میں موجودگی سے اسحاق کی مستقبل کی میراث کو خطرہ ہوگا۔

یہ صریحاً انصافی ہے اور معزز سارہ سے ایسے ظالمانہ رویے کی ہرگز توقع نہیں کی جاسکتی۔ اس سے یہ قصہ ایک ناقابل یقین جھوٹ کا پلندہ قرار پاتا ہے۔ ذیل میں 'دی ایکسپوزٹرز بائبل' (The Expositor's Bible) سے چند جگہ خراش اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں جن سے اس قصے کی صداقت کے حلق نہایت بنیدہ قسم کے شکوک و سوالات پیدا ہوتے ہیں:

The act of expulsion was itself unaccountably harsh. (...). There may have been some law giving Sarah absolute power over her maid; but if any law gave her power to do what was now done, it was a thoroughly barbarous one, and she was a barbarous woman who used it. It was one of those painful cases in which one poor creature, clothed with a little brief authority, stretches it to the utmost in vindictive maltreatment of another. Sarah happened to be mistress, and, instead of using her position to make those under her happy, she used it for her own convenience, for the gratification of her own spite, and to make those beneath her conscious of her power by their suffering (...). She breathed freely when Hagar and Ishmael were fairly out of sight. A smile of satisfied malice betrayed her bitter spirit. No thought of the sufferings to which she had committed a woman who had served her well for years, who had yielded everything to her will, and who had no other natural protector but her, no glimpses of Abraham's saddened face, visited her with any relentings. It mattered not to her what came of the woman and the boy to whom she really owed a more loving and careful regard than to any except Abraham and Isaac. It is a story often repeated. One who has been a member of the household for many years is at last dismissed at the dictate of some petty pique ['a feeling of annoyance and displeasure, esp. caused by the hurting of one's pride,' (Longman's D. of Eng. Language and Culture, 1992, p. 999) or spite as remorselessly and inhumanly as a piece of old furniture might be parted with. Some thoroughly good servant, who has made sacrifices to forward his employer's interest, is at last, through no offence of his own, found to be in his employer's way, and at once all old services are forgotten, all old ties broken, and the authority of the employer, legal but inhuman, is exercised. It is often those who can least defend themselves who are thus treated; no resistance is possible, and also, alas! the party is too weak to face the wilderness on which she is thrown out, and if any [i.e. any one] cares to follow her history, we may find her at the last gasp under a bush. Still, both for Abraham and for Ishmael it was better this severance should take place. (...). For Ishmael himself, too, wronged as he was in the mode of his expulsion, it was yet far better that he should go. (...). All he required to call out his latent powers was

to be thrown thus on his own resources. (...). But the two fugitives are soon reminded that, though expelled from Abraham's tents and protection, they are not expelled from his God. Ishmael finds it true that when father and mother forsake him, the Lord takes him up. At the very outset of his desert life he is made conscious that God is still his God, mindful of his wants, responsive to his cry of distress, (...). God still "heard the voice of the lad, and the angel of God called to Hagar out of heaven." It is this voice of God to Hagar that so speedily and apparently once for all, lifts her out of despair to cheerful hope. It would appear as if her despair had been needless; at least from the words addressed to her, "What aileth thee, Hagar?" (...). When Ishmael turned his back on the familiar tents, and flung his last gibe at Sarah, he was really setting out to a far richer inheritance, so far as this world goes, than ever fell to Isaac and his sons. [The Expositor's Bible (a commentary in 25 Volumes), Ed by W. Robertson Nicoll (NY: A. C. Armstrong & Son, 1903), 1:214f, 17-19].

انجیل کا یہ عمل بذات خود ناقابلِ توجیہ حد تک سخت اور ظالمانہ تھا۔ (...)۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسا قانون پایا جاتا ہو جو حضرت سارہ کو اپنی باندی پر ایسا مطلق اختیار دیتا ہو، لیکن اگر کوئی قانون انھیں یہ سب کچھ کرنے کا اختیار دیتا بھی ہو جو یہاں کیا گیا ہے تو یہ مریخا ایک وحشیانہ قانون تھا اور جس نے اسے استعمال کیا، وہ ایک عورت نہیں، بلکہ وحشی درندہ تھی۔ یہ ان درندہ کی صورت احوال میں سے ایک تھی جس میں ایک حقیر مخلوق، جسے معمولی سے اختیارات کا خلعت نصیب ہو گیا ہو، ان اختیارات کو اپنے کسی حریف کے ساتھ اپنے جذبہٴ ہتیم کی تسکین کے لیے انجائی بدسلوکی کی حد تک پہنچا دے۔ سارہ کو مالکن کی حیثیت حاصل تھی۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنی یہ حیثیت اپنے ہاتھوں کو مسرت اور سہولت مہیا کرنے کے لیے استعمال کرتی، اس نے اسے اپنے ذاتی مفاد و آرام کے لیے، اپنے بغض کی تسکین کے لیے اور اپنے زیر دھنوں کو اذیتیں پہنچا کر انھیں اپنی قوت و اقتدار کا احساس دلانے کے لیے استعمال کیا۔ (...)۔ جب باجرہ اور اسماعیل آنکھوں سے قدرے اوجھل ہوئے تو اس نے سکھ کا سانس لیا۔ اپنے بغض کی تسکین پر اس کی مسکراہٹ سے اس کی گھٹیا ذہنیت کا پردہ فاش ہو گیا۔ جس عورت نے سالہا سال تک اس کی اتنی شان دار خدمت سرانجام دی ہوں، جس نے اپنی ہر چیز اس کی مرضی پر قربان کر دی ہو اور جس کا اس [مالک] کے ہوا کوئی فطری محافظ نہ ہو، اس کے مصائب اور اذیت پر اسے کسی ہمدردی کا خیال تک نہ آیا۔ [اس الم ناگ اور دل خراش صورت حال کی وجہ سے حضرت ابراہیم کے غم زدہ چہرے کو دیکھ کر بھی اُسے نہ تو کوئی ترس آیا اور نہ کوئی ندامت محسوس ہوئی۔

اسے اس بات سے کوئی غرض نہ تھی کہ اس عورت اور اس کے بیٹے کے ساتھ کیا گزری جس کے ساتھ اسے ابراہیم اور اسماعیل کو چھوڑ کر باقی سب سے زیادہ محبت اور مروت کا رد یہ اختیار کرنا چاہیے تھا۔ یہ ایک ایسی کہانی

ہے جو بار بار روٹتا ہوتا رہتی ہے۔ ایک ایسا شخص جو سالہا سال تک ایک گھر میں خاندان کے ایک فرد کی طرح رہا ہو، اُسے کسی معمولی سی ناپسندیدگی یا رنجش کی بنا پر ایسی بے رحمی سے غیر انسانی انداز میں برطرف کر کے گھر سے نکال دیا جاتا ہے، جس طرح پرانے فرنیچر کے ایک ناکارہ ٹکڑے کو باہر پھینک دیا جاتا ہے۔ ایک انتہائی شریف ملازم، جس نے اپنے مالک کے مفادات کی تکمیل کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہ کیا ہو، بغیر اُس کے کسی قصور کے آخر کار اُس سے ہر قسم کا تعلق منقطع کر لیا جاتا ہے۔ اُس کی تمام خدمات کو کسفر فراموش کر دیا جاتا ہے۔ اور اُس کا مالک اپنے اُس اختیار کو استعمال کرتے ہوئے، جو شاید قانوناً تو درست ہو، لیکن ہوائیاتی ظالمانہ اور غیر انسانی، اُسے اپنے راستے سے ہٹا دیتا ہے۔ اس طرح کا سلوک اکثر ان لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے جن میں اپنی ممانعت کی قدر نہ ہو، کوئی دفاع اور مقاومت ممکن نہ ہو اور افسوس اس بات کا بھی ہے کہ یہ محترم خاتون اپنی مذکورہ ہے کہ جس شخص میں اسے پھینکا گیا ہے، اُس کی ختیاں جمیلنا اس بے چاری کے بس کی بات نہیں۔ اگر کوئی شخص اس بے چاری کی داستان تلاش کرنا چاہے تو شاید ہم اس کے علاوہ کچھ نہ دیکھ سکیں کہ وہ ایک جھاڑی کے نیچے پڑی اپنی آخری سانسیں لے رہی ہے، لیکن ابراہیم اور اسماعیل دونوں کے لیے بہتر یہی تھا کہ وہ یہ سختی جھیلیں۔ (....) اگرچہ جس انداز میں اسے گھر سے نکالا گیا تھا، وہ بہت غلط تھا، لیکن بذات خود اسماعیل کے لیے بھی یہ بہت بہتر تھا کہ وہ چلا جائے۔ (....) اُسے اپنی غلطی کو توں کو بیدار کرنے کے لیے جس چیز کی ضرورت تھی، وہ یہی تھی کہ اُسے خود اُس کے اپنے سہارے پر یوں بٹھا کر آسرا باہر پھینک دیا جائے۔ (....)

لیکن ان دونوں نکالے ہوؤں کو جلد ہی یہ بات ذہن نشین کرادی گئی کہ اگرچہ وہ ابراہیم کے خیموں اور حفاظت سے محروم ہو گئے ہیں، لیکن وہ اُس کے خداوند کی حفاظت سے محروم نہیں ہوئے۔ اسماعیل اس بات کو جچ پاتا ہے کہ جب ماں اور باپ اُسے چھوڑ دیتے ہیں تو خداوند اُسے سنبھال لیتا ہے۔ سحر میں اپنی زندگی کے آغاز ہی میں اُسے اس بات کا احساس دلادیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر حال میں اُس کے ساتھ ہے، اُس کی ضروریات کے بارے میں اُسے پورا اصرام ہے اور وہ مصیبت کے وقت اُس کی فریاد سننا اور اُس کی مراد بر لاتا ہے۔ (....) اللہ تعالیٰ نے اس حال میں بھی اُس لڑکے کی آواز سنی اور خداوند کے فرشتے نے آسمان سے باجرہ کو پکارا۔ خداوند کا باجرہ سے یہی ارشاد تھا جس نے اپنی برق رفتاری سے اور علی الاعلان اُسے ہمیشہ کے لیے مایوسی کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی عطا کی۔ دکھائی یہ دیتا ہے کہ گویا اُس کی مایوسی بے حقیقت تھی۔ کم از کم ان الفاظ کو دیکھتے ہوئے کہ باجرہ تو پریشان کیوں ہوتی ہے؟ تو واقعی اُس کی یہ مایوسی بالکل غیر ضروری نظر آتی ہے۔ (....) جب اسماعیل نے اپنے پیارے اور بچپن سے شناسا خیموں سے منہ موڑا اور سارہ پر آخری نظر ڈالی تو وہ، جہاں تک اس دنیا کا تعلق ہے، حقیقت میں ایک ایسی عظیم الشان

میراث کی طرف روانہ ہو رہا تھا جو اسحاق اور اُس کی نسل کو دیکھنا بھی نصیب نہ ہوئی۔

ایک خاتون کے ظلم اور بدسلوکی اور دوسری خاتون کی اُس کے ہاتھوں محرومی اور بد نصیبی کا نہایت خوبصورت الفاظ میں ترتیب دیا ہوا یہ مؤثر اور دل گداز بیان ادبی تاریخ کا ایک عظیم شہ پارہ ہے، لیکن حقیقت کے اعتبار سے یہ بالکل ناقابل یقین ہے۔ یہ حضرت سارہ کو ایسی ظالم، حاسد، چڑچڑی، بد مزاج اور گھٹیا ذہنیت کی عورت کے طور پر پیش کرتا ہے، جو ایک ایسی عورت کے کسی طرح بھی شایان شان نہیں جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے مصر میں ایسے عظیم الشان معجزات برپا کیے ہوں اور جو اپنے خاوند کے تکلیف دہ سفر ہجرت کی ہماری مدت کے دوران میں اس کی انتہائی وفادار رہی ہو، بلکہ یہ کہانی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی ایسے بے انصاف، نافرض شناس اور غیر ذمہ دار شخص کے رنگ میں پیش کرتی ہے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی سوتیلی ماں کے ہاتھ میں کھلونا بن کر اپنے پہلو نئے بیٹے اور اس کی ماں کے بارے میں اپنی ذمہ داریوں سے بھرمانہ چشم پوشی برتتا ہے۔ اس طرح اس بات میں کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا کہ کہانی کا یہ حصہ سراسر غلط ہے اور بائبل کے کسی تنگ دل اور متعصب مؤلف کی اختر پردازی کا نتیجہ ہے۔ بزرگ نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریک حیات ہونے کی حیثیت سے حضرت سارہ یقیناً ایک فیاض اور رحم دل خاتون ہوں گی۔ یہ ثابت ہو جانے کے بعد کہ یہ کہانی سراسر ناقابل اعتبار ہے، با سانی یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنی سوتیلی ماں کے حسد کا شکار ہو کر گھر سے نکالے ہوئے نہ تھے، بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کا منصوبہ تھا کہ سرزمینِ عرب کے قلب میں توحید کا ایک مرکز قائم کیا جائے۔ دوسری طرف یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفا کا امتحان بھی تھا اور حضرت باجروہ اسماعیل علیہ السلام کی آزمائش اور تربیت کا ذریعہ بھی تھا تا کہ اُن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اعتماد مضبوطی سے رائج ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تسلی دی کہ وہ اس بچے اور اس کی ماں کو نہ تو بے سہارا چھوڑے گا اور نہ انھیں بیابان میں بلاک ہونے دے گا، بلکہ وہی بائبل تاریخ کو مغربی صفحہ ۶۳ کے مطابق:

God assured Abraham that Ishmael would have a future because he too was Abraham's offspring (vv. 11-13) [The Bible Knowledge Com., (Illinois: Victor Books, 1985), p. 63]

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو یقین دلایا کہ اسماعیل کا مستقبل بہت تاب ناک ہے، کیونکہ وہ بھی ابراہیم کی نسل سے ہے۔

فیو نے حضرت سارہ کی زبانی حضرت ہاجرہ کے اوصاف حمیدہ بیان کیے ہیں۔ وہ لکھتا ہے:

(....); whose good qualities I have for a long time proved and experienced from the day when she was first introduced into my house, being an Egyptian by blood, and a Hebrew by deliberate choice. (The Works of Philo, tr. C.D. Yonge [Hendrickson, Publishers, Inc. AGES Software Albany, OR USA. 1999], P.984, Para No. 251).

(....) جس (ہاجرہ) کے اوصاف حمیدہ ایک طویل عرصے سے مجھ پر واضح ہو چکے اور میرے مشاہدے میں آئے ہیں جس دن سے وہ پہلی دفعہ میرے گھر میں آئی تھی۔ وہ اگرچہ نسلی اعتبار سے ایک مصری ہے، لیکن اپنے آزادانہ انتخاب و اختیار کے لحاظ سے ایک عبرانی ہے۔

۱۱۔ 'دی نیوجیرہ تفسیر بائبل' (صفحہ ۲۲) میں وضاحت کی گئی ہے:

The peaceful playing of the two boys stirs in Sarah deep feelings of anxiety about her own son's inheritance, since both boys are sons of Abraham. (...), she wants Isaac alone to be the heir of the grand promises.

دو لڑکوں کو نہ اس طور پر آپس میں کھیلتے دیکھ کر سارہ کے دل میں اپنے بیٹے کی میراث کے بارے میں تشویش کے گہرے احساسات پیدا ہوتے ہیں، کیونکہ یہ دونوں ہی ابراہیم کے بیٹے تھے۔ (...)۔ وہ چاہتی ہے کہ وارث بننے کے سلسلے میں تمام عظیم وعدے صرف اسحاق کی ذات ہی میں پورے ہوں۔

یہ بات ناقابل یقین ہے کہ حضرت سارہ ایسی بد نیت، حاسد، بے انصاف اور خود غرض ہو سکتی ہیں۔

۱۲۔ 'دی نیلسن اسٹڈی بائبل' (صفحہ ۴۳) میں بیان ہے:

But even in that culture it was reprehensible to send Ishmael away. When a surrogate wife had borne a son to one's husband, that mother and child could not be dismissed even if the first wife subsequently gave birth to a son. This partly explains Abraham's reluctance to do what Sarah demanded.

لیکن اُس کلچر میں بھی یہ بات بُری اور ناقابل قبول تھی کہ اسماعیل کو اس طرح دُور بھجوا دیا جاتا۔ جب ایک متبادل بیوی کے ہاں کسی عورت کے خاوند کے لیے بیٹا پیدا ہو جاتا تو اس ماں اور بچے کو اس کے باوجود بھی ہر طرف نہیں کیا جاسکتا تھا کہ پہلی بیوی کے ہاں بھی بعد میں ایک بیٹا پیدا ہو جائے۔ اس سے ابراہیم کی اس جھگڑ کی وضاحت ہو جاتی ہے جو انھوں نے سارہ کے مطالبے پر عمل کرنے میں ظاہر کی تھی۔

بی ووتر (B. Vowter) نے بھی اُسے نیو کیٹھولک کنٹری میں (صفحہ ۱۹۳ پر)، ایسے ہی خیالات کا اظہار

کیا ہے:

Sarah did not have the right to send Hagar away, since Ishmael was Abraham's heir.

سارائی کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ وہ ہاجرہ کو نکال باہر کرتیں، کیونکہ اسماعیل ابراہیم کے وارث تھے۔

اسی تفسیر میں صفحہ ۱۹۵ پر وضاحت کی گئی ہے:

However, for a jealous mother, it sufficed to see her son together with the slave-girl's on a position of equality for her to demand the expulsion of Hagar and her child. If the situation presupposed is that which seems to underlie ch 16, then Sarah did not have the right to drive Hagar away; see on 16:1-6. As contrary to established social custom.

تاہم ایک حاسد ماں کے لیے اپنے بیٹے کو باندی کے بیٹے کے ساتھ برابری کی حیثیت میں دیکھنا ہی اس بات کے لیے کافی تھا کہ وہ ہاجرہ اور اس کے بچے کو گھر سے نکلانے کا مطالبہ کر دیتی۔ اگر پہلے سے فرض کی ہوئی صورت حال یہی ہے جو باب ۱۶ کی تائید کرتی ہے تو سارہ کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ مسئلہ معاشرتی رواج کے خلاف ہاجرہ کو نکال باہر کرتی۔ (ملاحظہ کیجیے ۱۶:۱-۶)

ایک شخص یہ کیسے یقین کر سکتا ہے کہ حضرت سارہ کے مرتبہ و مقام کی نیک اور شریف خاتون سے، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے عظیم الشان پیغمبر کی رفیقہ حیات تھیں، ایسا گستاخاؤں کا جرم سرزد ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد بھی کوئی شخص اس من گھڑت افسانے کو حقیقت قرار دے سکتا ہے؟

۱۲ 'دی نیو جیروم تفسیر بائبل' نے بجا طور پر محسوس کیا ہے کہ:

To Abraham, the natural father of Ishmael, Sarah's ultimatum causes great pain (24).

اسماعیل کے فطری والد ابراہیم کے لیے سارہ کا ایسی ٹمٹم شہیدانیت کا باعث بنا۔

ایک نیک اور خدا ترس خاتون اپنے خاوند کے احساسات کو اس طرح مجروح نہیں کر سکتی۔ یہ بھی اس واقعہ کے قابل اعتبار ہونے کی حیثیت کو مجروح کر دیتا ہے۔

۱۳ اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق فطری محبت آمیز رنج و الم کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ان کو تسلی دیتا ہے کہ ان کے لیے پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ جب تم یہ کام میرے حکم کے تحت سرانجام دے رہے ہو تو تمہیں یقین رکھنا چاہیے کہ میں اسے ہلاک ہونے کے لیے نہیں چھوڑوں گا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام

اپنے پہلو نئے اور اکلوتے بیٹے سے بہت محبت کرتے تھے۔

۴۱ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ کے لیے مکمل فطری انس اور لگاؤ رکھتے تھے۔ بچہ و انیس ان کی بے رحم اور حریف موت کے رحم و کرم پر کیسے چھوڑ سکتے تھے۔

۵۱ ہفتادی ترجمہ، ولکیٹ، سامری تورات اور سریانی بائبل میں لفظ 'قوم' سے پہلے 'عظیم' کا لفظ موجود ہے، جو یہاں حذف کیا ہوا ہے۔ اس سے بائبل کے بعد کے ایڈیشنوں کے مؤلفین کی حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی نسل کے خلاف عداوت کا کھلم کھلا ظہار ہوتا ہے۔ 'نیوجیروم تفسیر بائبل' میں درج ہے:

Besides, from Ishmael: "a great (LXX, Vg, Sam, Syr) people" will come forth. (24).

اس کے علاوہ اسماعیل نے ایک بڑی قوم برپا ہوگی۔

'نیوجیروم سلم بائبل' کے الفاظ یہ ہیں:

But the slave-girl's son I shall also make into a great nation, for he too is your child. (p.40).

لیکن باندی کے بیٹے کو بھی میں ایک عظیم قوم بناؤں گا، کیونکہ وہ بھی تمہارا بیٹا ہے۔

بائبل کے کچھ دوسرے تراجم نے بھی 'قوم' کے ساتھ 'عظیم' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ مثلاً (۱) 'وگلف کی تفسیر بائبل'، (۲) 'کنٹمبریری انکیش درشن' (CEV)، (۳) 'ٹاکس' (Knox)، (۴) 'نیوجیروم سلم بائبل' (NJB)، (۵) 'نیو انکیش بائبل' (NEB)، (۶) 'نیو امیریکن بائبل' (NAB) اور (۷) 'کالج ویا تفسیر بائبل' وغیرہ۔ بعض مؤلفین کی طرف سے لفظ 'عظیم' کا حذف کرنا قابل توجہ ہے۔

۶۱ بائبل کے مندرجہ ذیل جملوں کا بغور مطالعہ کیا جائے:

کیونکہ تیری نسل اسحاق سے پکاری جائے گی۔ اور باندی کے بیٹے سے بھی میں ایک [بڑی] قوم بناؤں گا، کیونکہ وہ بھی تیری نسل ہے۔

پہلے جملے کیونکہ تیری نسل اسحاق سے [کے نام کے ساتھ] پکاری جائے گی کے الفاظ کا کیا مفہوم ہے؟ اس میں اور اس سے اگلے جملے 'اور باندی کے بیٹے سے بھی میں ایک [بڑی] قوم بناؤں گا، کیونکہ وہ بھی تیری نسل ہے' کے درمیان کیا فرق ہے؟

اگر کوئی شخص کہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل صرف حضرت اسحاق علیہ السلام کے نام کے ساتھ

پکاری جائے گی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے نام کے ساتھ نہیں پکاری جائے گی تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جائز فرزند نہ تھے؟ اس طرح کے دو مترادف جملوں کے معانی مختلف کیسے ہو سکتے ہیں؟

۱۔ اس لفظ 'مشک یا بوتل' کے لیے عبرانی لفظ 'حت' ہے، جس کے معنی ہیں: 'ایک کھال'۔ یہی ترجمہ (کھال) 'نیو جیروسلیم بائبل' وغیرہ نے بھی کیا ہے۔ 'سز و جگ کی مختصر عبرانی بائبل' ڈکشنری (اندراج ۲۵۷۳ صفحہ ۲۵) میں 'کھال کی بوتل درج ہے۔' 'سمتھ کی بائبل' ڈکشنری 'لفظ 'بوتل' کی تشریح کرتے ہوئے لکھتی ہے:

The Arabs keep their water, milk and other liquids in leathern bottles. These are made of goatskins. When the animal is killed they cut off its feet and its head, and draw it in this manner out of the skin without opening its belly.'

عرب کے لوگ اپنا پانی، دودھ اور دوسرے مائعیات چڑے کی بوتلوں (مشکیزوں) میں رکھتے ہیں۔ یہ بکرے کی کھال کے بچے ہو جاتے ہیں۔ جب جانور ذبح کیا جاتا ہے تو وہ اس کے پاؤں اور اس کا سر الگ کر دیتے ہیں اور اس کا پینٹ حوالے بغیر اسے کھال کے اندر سے کھینچ لیتے ہیں۔

۲۔ چند دوسرے تراجم اس طرح ہیں:

(i) and took bread and a skin of water, and gave it to Hagar, putting it on her shoulder, along with the child (RSVCT, p.16).

اور روٹی اور پانی کا ایک مشکیزہ لیا اور اسے اس بچے کے ساتھ اس کے کندھے پر رکھا۔

(ii) gave bread and a skin bag of water. He put the child on her back - CCB, p. 72;

روٹی اور پانی کا مشکیزہ دیا۔ اس نے بچے کو اس کی پشت پر رکھا۔

(iii) took some bread and a skin of water and, giving them to Hagar, put the child on her shoulder - (Jerusalem Bible, p. 40).

کچھ روٹی اور پانی کا مشکیزہ لیا اور انہیں باجرہ کو دے کر بچے کو اس کے کندھے پر رکھا۔

(iv) and took bread and a skin of water, and gave it to Hagar, putting it on her shoulder, along with the child, (NOAB, p. 26).

اور روٹی اور پانی کا مشکیزہ لیا اور اسے باجرہ کو دیا، اسے اس بچے کے ساتھ اس کے کندھے پر رکھا۔

(v) took some bread and a skin of water, and gave them to Hagar. He placed them over her shoulder, together with the child, (Massoretic Text, Philadelphia).

کچھ روٹی اور پانی کا مشکیزہ لیا اور یہ باجرہ کودیے۔ اُس نے انھیں اپنے کندھے پر رکھا، اُس بچے سمیت۔
یہ یکے کے بعد چارے کا ایک لڑکے کا بوجھ اپنے کندھے پر اٹھا سکتی (کیونکہ اگر بائبل کا یہ بیان درست مان لیا جائے کہ یہ واقعہ حضرت اسحاق علیہ السلام کا دودھ چھڑانے کی ضیافت کے موقع پر رونما ہوا تھا تو اُس وقت تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر سولہ سترہ سال بنتی ہے)۔ اور یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسا نیک سرشت، خدا ترس، مہمان نواز، رحم دل اور بزرگ نبی اپنی دوسری بیوی کے لیے جو اس کے پہلے بنے کی ماں بھی تھی، اتنا ظالم بن گیا ہو۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ بیٹا جو سترہ سال کا ایک نو جوان ہے، اپنی مہربان والدہ کی خدمت اور مدد کرنے کے بجائے اس کی تکلیف اور توہین میں اضافہ کرتے ہوئے چٹا لگا کر اُس کے کندھے پر سوار ہو گیا۔ کیا یہ سب حضرت سارہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام جیسی نیک اور شریف ہستیوں کی کردار کشی کی ایک صریح سازش نہیں ہے؟ کیا کوئی شریف آدمی ایسی بزرگ ہستیوں کے بارے میں ایسی باتوں پر یقین کر سکتا ہے؟
'نیو امریکن بائبل' کے ان آیات پر ایک ذیلی حاشیہ (صفحہ ۲۰) کے ظاہر ہوتا ہے کہ بائبل کے مؤلفین نے اس کے متن کو اپنے خیالات سے ہم آہنگ کرنے کے لیے کس آزادی اور بے تکلفی سے اس میں اصلاح (جسے اصل میں تحریف کہنا چاہیے) اور تبدیلیاں کی ہیں:

Placing the child on her back; the phrase is translated from an emended form of the Hebrew text. In the current faulty Hebrew text, Abraham put the bread and the waterskin on Hagar's back, while her son apparently walked beside her. This reading seems to be a scribal attempt at harmonizing the present passage with the data of the Priestly source, in which Ishmael would have been at least fourteen years old when Isaac was born; (...). But in the present Elohist story Ishmael is obviously a little boy, not much older than Isaac.

'بچے کو اپنی پشت پر رکھتے ہوئے': یہ عبارت بائبل کے عبرانی متن کی اصلاح شدہ شکل کا ترجمہ ہے۔
موجودہ ناقص عبرانی متن میں ابراہیم نے روٹی اور پانی کا مشکیزہ باجرہ کی پشت پر رکھا، جبکہ اس کا بیٹا بظاہر اُس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ یہ قراءت بائبل کی موجودہ عبارت کو پریستلی ماخذ سے ہم آہنگ کرنے کی کاتب کی کوشش دکھائی دیتی ہے، جس میں اسماعیل اُس وقت کم از کم چودہ سال کے ہونے چاہئیں جب اسحاق

پیدا ہوئے۔ (...)۔ لیکن موجودہ الوہیت کہانی میں اسماعیل صریحاً ایک چھوٹے لڑکے کے ہیں، جو اسحاق سے بڑے نہیں ہیں۔

۱۹ یہ بات بالکل غیر فطری ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی سارہ کے حکم پر، جو حضرت ہاجرہ کی سوتن اور حریف تھیں، اپنے پیارے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور اُن کی والدہ حضرت ہاجرہ کو اس طرح بے یار و مددگار کر کے گھر سے نکال باہر کیا ہو کہ وہ صحرا نوردی کرتی پھریں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انصاف اور رحم کا نقیب ہونے کی حیثیت سے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ اپنی بیویوں کے درمیان انصاف کرتے۔ معزز سارہ بھی ایسی ظالم نہیں ہو سکتی تھیں کہ وہ اپنے خاوند کو ایسے ظالمانہ اقدام کے لیے کہتیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت سرزمین عرب کے قلب میں توحید کا یہ مرکز قائم کرنے کے لیے یہ فریضہ سرانجام دیا تھا۔ اور یہ بات پہلے سے طے شدہ تھی کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو کھلے اور بے آباد ماحول میں آزادانہ پروان چڑھنے کے لیے چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ بذات خود اللہ تعالیٰ کے مہیا کردہ رزق اور تحفظ کا بیشم سر مشاہدہ کر سکیں، تاکہ اُن کے اندر اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا ایسا جذبہ پیدا ہو جائے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی وقت یہ چاہے کہ وہ اپنے آپ کو قربانی کے لیے پیش کر دیں تو وہ اس میں کوئی پس و پیش نہ کریں۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت اور اس کی توفیق سے سرانجام دیا تھا، اس لیے انھیں اس لڑکے اور اُس کی ماں کے مستقبل کے متعلق پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تسلی دی کہ وہ بچے اور اُس کی ماں کو گمراہی سے محروم نہیں رکھے گا اور نہ انھیں اس بیابان میں ہلاک ہونے دے گا، بلکہ وہی بائبل نامی کنسٹیٹ میں صفحہ ۶۳ پر ایلین پی راس (Allen P. Ross) کی وضاحت کے مطابق:

God assured Abraham that Ishmael would have a future because he too was Abraham's offspring (vv. 11-13).

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو یقین دلایا کہ اسماعیل کا ایک [تاب ناک] مستقبل ہوگا، کیونکہ وہ بھی ابراہیم کی نسل ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے پہلے بے خطر آتش نوردی میں کود چکے تھے، جو بظاہر ایک خودکشی نظر

آتی ہے، جس کی کسی مذہب یا ضابطہ حیات میں اجازت نہیں ہے۔ وہ دین حق کی خاطر بے جھجک اپنا وطن چھوڑ چکے تھے اور ان [اسماعیل] کی خاطر عظیم معجزات رونما ہوتے دیکھ چکے تھے، اس لیے انھیں اپنے اس پیارے اکلوتے بیٹے اور اس کی والدہ کے مستقبل کے لیے پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہ تھی، کیونکہ وہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے غیر مبہم اور واضح احکام کے تحت سرانجام دے رہے تھے۔ اس طرح کہانی کا یہ حصہ ایک صریح افتراکے علاوہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

۲۰ یعنی بیر سبوح (سمات کا کنواں) کے ارد گرد حیران اور پریشان کر دینے والی، خوف ناک، بے آباد، بنجر اور پہاڑی سرزمین۔

۲۱ اگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو پندرہ سال کے پلے بڑھے ایک نوجوان ہوتے تو حضرت ہاجرہ کس طرح اس بچے کو ایک جھاڑی کے نیچے پھینک سکتی تھیں۔ اس طرح یہ بات بالکل فیصلہ کن انداز میں واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ کو بیر سبوح میں آباد کرنے کا واقعہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بچپن میں رونما ہوا تھا اور حضرت سارہ کے نام نہاد حسد اور اسحاق علیہ السلام کے دودھ چھڑانے کی ضیافت والا قصہ بالکل بے بنیاد ہے۔

۲۲ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو تنہا اور بے آسرا نہیں چھوڑا گیا تھا۔ اگر ان کے والد نے انھیں وہاں چھوڑا تھا اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں چھوڑا تھا تو اللہ تعالیٰ اُس کے محافظ اور نشوونما کرنے والے کے طور پر وہاں موجود تھا۔

۲۳ حقیقت میں یہ خداوند کا فرشتہ نہیں، بلکہ بذات خود اللہ تعالیٰ ہی تھا جس نے حضرت ہاجرہ کو پکارا تھا۔ یہ بائبل کے مؤلفین کی ایک طرح سے تحریف ہے جو انھوں نے اپنے توہمات کی تسکین کے لیے کی ہے۔ 'اے نیو کیٹھولک کنفری' نے (صفحہ ۱۹۳ پر) وضاحت کی ہے:

Here and in 9f reference is made to the 'angel of Yahweh', while in 13 the Person who speaks to Hagar is identified with Yahweh himself. By some this is explained by assuming that in the most primitive form of the story the speaker was Yahweh himself, and only later out of reverence the word 'angel' was inserted in some places (...). However, it is doubtful in these ancient times whether the Israelites thought of the 'angel of Yahweh' as personage distinct from Yahweh himself. The 'angel' (malak), lit. 'messenger' was rather Yahweh himself made manifest to man.

یہاں اور آیت ۹ بعد میں 'اللہ تعالیٰ کے فرشتے' کا حوالہ دیا گیا ہے، جبکہ آیت ۱۳ میں جو شخص حضرت ہاجرہ سے گام نہ رہا ہے، وہ بذات خود اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ بعض لوگوں نے یہ تاویل اختیار کرتے ہوئے اس کی تشریح کی ہے کہ کہانی کی انتہائی قدیم صورت میں معکوم بذات خود اللہ تعالیٰ ہی تھا اور یہ صرف بعد میں ادب کے طور پر بعض مقامات پر لفظ 'فرشتہ' داخل کر دیا گیا ہے۔ (...) ہم ان قدیم آیات میں یہ بات بھی مشکوک ہے کہ کیا اسرائیلی خداوند کے فرشتے کو بذات خود اللہ تعالیٰ سے کوئی الگ شخصیت سمجھتے تھے۔ 'فرشتہ' (ملک)، جس کے انسانی معنی پیغام بر ہیں، اصل میں خود اللہ تعالیٰ ہی تھا جو انسان کے سامنے نمودار ہوا تھا۔

یوجین ایلکامائی (Eugene H. Maly) نے بھی 'جبر و تمغیر بائبل' میں صفحہ ۲۲ پر لکھا ہے:

The versions have the correct reading, as in the CCD. "God heard" is a play on the child's name (cf. 16:11), but, to avoid the anthropomorphism, E. has "the angel of God" speak to Hagar.

اسی ڈی (Confraternity of Christian Doctrine Tr. of the Bible) کی طرح مختلف تراجم نے بھی صحیح قراءت 'خداوند نے سنا' ہی قرار دی ہے، جو بچے کے نام سے مناسبت رکھتی ہے (دیکھیے ۱۶: ۱۱)، لیکن انسان کے ساتھ مشابہت کے بچنے کے لیے الوہیت (Elohist) نے 'خداوند کے فرشتے' کو حضرت ہاجرہ سے ہم کلام ہوتے دکھایا ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس نے حضرت ہاجرہ سے خطاب کیا تھا، وہ خود اللہ تعالیٰ ہی تھا، لیکن بائبل کے مؤلف نے حضرت ہاجرہ کے متعلق اپنے ذاتی خیالات کی بنا پر یا کسی اور مناسبت سے اسے 'خداوند کا فرشتہ' میں بدل دیا ہے۔

۴۳ کسی کی خوش نصیب ہے یہ ہاجرہ کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ آسمان سے بذات خود ہم کلام ہو رہا ہے (لیکن اس تحریف شدہ ترجمے کے مطابق یہ خطاب 'خداوند کے فرشتے' کی طرف سے تھا)۔

۴۴ کیا اس سے حضرت ہاجرہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی عظیم محبت اور انسیت ظاہر نہیں ہو رہی؟ کیا یہ جلاوطنی "عزز ہاجرہ کے لیے برکت ہے یا کچھ اور؟

۴۵ کیونکہ تمہیں ہر قسم کے خطرے سے محفوظ رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ بذات خود موجود ہے۔ وہ تمہاری تمام ضروریات، حالات اور متوقع مصائب سے پوری طرح باخبر ہے۔ اور تمہیں اور تمہارے بچے کو ہر وہ چیز مہیا کرے گا جو تمہیں درکار ہے۔

۲۷ اس سے پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ کی محبت اور لگاؤ ظاہر ہوتا ہے۔

۲۸ اگر حضرت اسماعیل علیہ السلام سولہ یا سترہ سال کے بھر پور نوجوان ہوتے تو حضرت ہاجرہ کس طرح انھیں اٹھا کر اپنے ہاتھوں میں تھام سکتی تھیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہاجرہ کی ہیر سبچ (چاہ زم زم) میں آباد کاری حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بچپن میں رونما ہوئی تھی اور دودھ چھڑانے کی ضیافت کی کہانی اور خدا ترس اور معزز سارہ کا نام نہاد قلم اور حسد بالکل بے بنیاد بات ہے۔

۲۹ اگر حضرت اسماعیل علیہ السلام سولہ یا سترہ سال کے نوجوان ہوتے تو یہ سارے کام انھیں سرانجام دینے چاہئیں تھے، نہ کہ اُن کی والدہ ہاجرہ کو، جو ایک بوڑھی خاتون تھیں۔ یہ بات بھی قاری کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ہیر سبچ اور فاران کے بیابان میں آباد کیے جانے کے وقت کے تعین میں مدد فراہم کرتی ہے۔ اس سے کہانی کے اس حصے کا قابل اعتبار ہونا بھی متاثر ہوتا ہے۔

۳۰ اللہ تعالیٰ بار بار حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے اپنا لگاؤ ظاہر کر رہا ہے۔ یہ لڑکا کیسے ہلاک و برباد ہو سکتا تھا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کے متعلق پریشان ہونے کی کیوں ضرورت پیش آتی، جبکہ اللہ تعالیٰ اُس کی حفاظت اور غور و نما کے لیے ہر وقت اُس کے ساتھ تھا (جس کا اظہار اللہ تعالیٰ نے بذاتِ خود غیر مبہم الفاظ میں کیا ہے)۔

۳۱ یہاں جس فاران کا ذکر کیا گیا ہے، وہ ملے کا نام ہے۔ اس پر تفصیلی گفتگو اس کتاب کے مصنف نے کسی اور جگہ کی ہے (لیکن کتاب ہذا میں نہیں)۔ یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ اسماعیل علیہ السلام کو جب فاران یا ہیر سبچ میں بھیجا گیا تھا، اُس وقت وہ دودھ پیتے بچے یا دودھ چھڑائے جانے کے قریب تھے، ورنہ حضرت ہاجرہ نہ تو اُس بچے کو اپنے کندھے پر رکھ سکتی تھیں نہ اس لڑکے کو اٹھا کر اپنے ہاتھوں میں تھام سکتی تھیں اور نہ اُس بچے کو ایک جھاڑی کے نیچے پھینک سکتی تھیں۔ اس سے حضرت اسحاق علیہ السلام کے نام نہاد دودھ چھڑائے جانے کی ضیافت کا قصہ ایک بے بنیاد اور من گھڑت افسانہ ہی ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے کے طور پر:

(الف) اسحاق وہاں موجود ہی نہ ہو سکتے تھے کہ اسماعیل ان کا منہ چراتے۔ بائبل میں صاف لکھا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اُس وقت اپنی چھوٹی عمر کے بچے تھے کہ اُن کی والدہ انھیں گود میں اٹھا سکتی تھیں، اس

لے حضرت اسحاقؑ کی موجودگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ تو اُس وقت پیدا ہوئے تھے جب حضرت اسماعیلؑ کی عمر پہلے ہی چودہ سال کی ہو چکی تھی۔

(ب) حضرت سارہؑ حسد، ظلم اور بربریت کے تمام الزامات سے بری قرار پاتی ہیں۔

۳۲ کتاب مقدس، پیدائش ۲۱:۸-۲۱۔

۳۳ 'تو جبر و سلیم بابتل' نے یہاں (۲۱:۲۱) ذیلی حاشیے میں ایک تعارفی شذرہ 'الف' قلم بند کیا ہے:

At this point the three traditions are fused together; vv. 1a, 2a, 7 follow on from 18:15 and are Yahwistic; vv. 2b, 5 follow on from 17:21 and are priestly; vv. 1b, 6 are Elohist.

اس مقام پر تینوں روایتیں اکٹھی ہو جاتی ہیں۔ (الف) آیات ۱-الف ۲۔ الف اور ۷ کا تعلق باب ۱۸ آیت ۱۵ سے ہے۔ یہ یہوست روایت کا حصہ ہیں۔ (ب) آیات ۲-ب اور ۵ کا تعلق ۲۱:۱۷ سے ہے اور یہ پریستلی روایت کا حصہ ہیں۔ (ج) آیات ۱-ب اور ۶۔ الہویست روایت کا حصہ ہیں۔

پولین اے وی ویانو (Pauline A. Viviano) 'دنی کان' کو لا تفسیر بابتل' (صفحہ ۵۹) پر لکھتا ہے:

All three sources are found in this account of the birth of Isaac.

اسحاقؑ کی پیدائش کے اس بیان میں تینوں کے قبیل مآخذ موجود ہیں۔

۳۴ 'دنی کان' کو لا تفسیر بابتل' (صفحہ ۶۰) پر رقمطراز ہے:

The Elohist narrative of Isaac's birth (vv. 8-21) is a duplicate of the story of expulsion of Hagar and Ishmael found in the Yahwistic version in chapter 16

اسحاقؑ کی پیدائش کے بارے میں الہویست کا بیان (آیات ۸-۲۱) ہاجرہ اور اسماعیل کے اخراج کی اس کہانی کا پیش ہے جو باب ۱۶ کے یہوست ورژن میں درج ہے۔

35. The Collegeville Bible Com., 60.

۳۵ یہاں پر انگریزی کا لفظ 'Desolate' درج ہے اور اس کے معنی ہیں:

sad and without people, comfort, hope, or friends, etc.

'اوس' اور 'لوگوں، آسائش، امید، یادوستوں وغیرہ کے بغیر۔'

بابتل میں اس کے لیے اصلی عبرانی لفظ 'بداد' (Badad) ہے، جس کا مطلب ہے:

alone, desolate, only, solitary.

'تنہا، اجاڑ، اکیا'۔ (سردنگ کی عبرانی ڈکشنری، اندراج ۹۱۰، صفحہ ۱۹)۔

37. KJV-Isa. 27:10, p. 568.

38. Enc. Biblica, 1:1076-77.

39. The Interpreter's Bible Dic. (NY: Abingdon Press, Nashville, 1962), 5:946.

40. The Interpreter's Bible Dic., 4:844.

41. William Smith, A Dic. of the Bible, p. 143.

42. Harper's Bible Dic., p. 1133.

۳۳ 'سیر سبع' عبرانی زبان کا ایک مرکب لفظ ہے۔ سیر کے معنی کنواں اور سبع کے معنی ہیں 'سات' یا 'حلف'۔ اس کے اجزاء کا تلفظ ہے: 'سیر' + 'سبع' (سردنگ کی عبرانی بائبل ڈکشنری، اندراج ۸۸۳، صفحہ ۱۸)۔

۳۴ 'انسایکلو پیڈیا ہبلیکا' (۵۱۸:۱) میں ہے: 'i.e., well of seven' یعنی 'سات کا کنواں'۔

'سردنگ کی عبرانی بائبل ڈکشنری' (اندراج ۸۸۳، صفحہ ۱۸) میں وضاحت ہے:

(...) Beer Sheba, be-ayr' sheh-bah; from 875 and 7651 (in the sense of 7650);
(...) be-ayr; from 874; a pit; espec. a well.

(...)۔ سیر شبا، اندراج ۸۷۵ اور ۷۶۵۱ سے (اندراج ۷۶۵۰ کے مفہوم میں)، سیر (...)، اندراج ۸۷۴ سے: ایک گڑھا، بالخصوص ایک کنواں۔

اندراج ۷۶۵۱، صفحہ ۱۱۲ میں وضاحت ہے:

(...) shib'ah shib'aw': from 7650; a prim. cardinal number; seven (as the sacred full one); also (adv.) seven times; by impl: a week; seven-fold, seventh.

شیع، اندراج ۷۶۵۰ سے، ایک عدد سات، سات مرتبہ بھی اطلاقی طور پر ایک ہفتہ سات گنا، ساتواں۔

۳۵ عہد کے معنی ہیں خداوند اور اسرائیلیوں کے درمیان معاہدہ ('اوسلر ڈائکشنری فرانس ڈکشنری، صفحہ ۳۳)۔

۳۶ 'سردنگ کی عبرانی بائبل کی مختصر ڈکشنری' (اندراج ۸۷۵، صفحہ ۱۸) میں وضاحت ہے:

... be-ayr; from 874; a pit; espec. a well.

سیر اندراج ۸۷۴ سے، ایک گڑھا، بالخصوص ایک کنواں۔

اندراج ۸۷۴، صفحہ ۱۸ پر ہے:

... ba'ar, baw-ar; a prim. Root: to dig;

بار، ایک بنیادی مادہ، کھودنا۔

اندراج ۶۵۰، صفحہ ۱۱۲ پر درج ہے:

... shaba shaw-bah; a prim. Root; to seven oneself, i.e. swear (as if by repeating a declaration seven times): "adjure, charge (by an oath, with an oath), take an oath

سبع ایک بنیادی مادہ ہے آپ کو سات بار کہنا، یعنی قسم کھانا (سات مرتبہ ایک بیان کو دہرانا) قسم دانا، قسم لینا۔

’وی انسائیکلو پیڈیا ہیری کا‘ (۱:۵۱۸) میں وضاحت ہے:

It is taken as meaning 'well of the oath'. One of the Simeonite towns in the southern territory of Judah (Josh. 19.2), on the border of the cultivated land: came to be regarded, for the greater part of history, as the remotest point of Canaan in that direction; whence the phrase 'from Dan to Beersheba'.

اس کے معنی لیے جاتے ہیں حلف کا کنواں۔ یہ مزدعہ زمین کی سرحد پر یہود کے جنوبی خطے میں ایک شہر ہے (یوش ۱۹:۲)، جسے تاریخ کے زیادہ تر ادوار میں اُس سمت میں کنعان کا دور ترین براعظم سمجھا جاتا تھا۔ اسی سے ’دان سے ہیر سبع‘ کا محاورہ مشہور ہوا۔

اسی صفحہ کے ذیلی حاشیہ اول میں یہی انسائیکلو پیڈیا مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے:

The Hebrew word 'to swear' means literally 'to come under the influence of seven things.

عبرانی زبان کے لفظ ’قسم کھانا‘ کے لغوی معنی ہیں: سات چیزوں کے اثر کے نیچے آنا۔

’آرائس وی کیتھولک ٹرانسلیشن‘، کتاب پیدائش ۳۱:۲۱، بعد، ص ۱۱ میں درج ہے:

Therefore that place was called Beer-sheba: because there both of them swore an oath. So they made a covenant at Beer-sheba.

کیونکہ وہاں ان دونوں نے ایک حلف اٹھایا تھا، اس لیے وہ جب ہیر سبع کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس طرح انھوں نے ہیر سبع کے مقام پر ایک معاہدہ کیا۔

47. Hastings Dic. of the Bible, Revised Ed., 1963, p. 94.

48. J. Hastings, A Dic. of the Bible, 1:265.

49. John L. McKenzie, Dic. of the Bible, 1984, p. 87.

50. See Hastings Dic. of the Bible, (Revised), NY, p. 375.

51. Harper's Bible Dic., 101.

52. F. F. Bruce, Places Abraham Knew (London: Scripture Union, EC1V 2NJ, 130 City Road, 1984), p. 53, 55f.

53. J. Hastings, A Dic. of the Bible, 1:265.

۵۴ ’میکلنزی کی لغت بائبل‘ (John L. McKenzie, Dic. of the Bible) صفحہ ۸۶ پر ہے:

The name is literally "well of seven".

افوی طور پر اس نام کے معنی ہیں سات کا کنواں۔

انتر پرٹرز ڈکشنری آف دی بائبل ۳۷۵:۱ میں بیان ہے:

It is the "well of seven," (....); but in [Gen. 21] vs 31 it is apparently the "well of the oath."

یہ سات کا کنواں ہے (....) لیکن [کتاب پیدائش باب ۲۱ کی آیت ۳۱ میں یہ ظاہراً 'قسم کا کنواں' ہے۔

S.H. HORN 'سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ تفسیر بائبل' میں صفحہ ۳۱ پر رقمطراز ہیں:

Heb. Be'er Sheba', "well of seven", or "well of an oath"

میرانی ہیر سبع، 'سات کا کنواں' یا 'حلف کا کنواں'

۵۵۔ 'دی انتر پرٹرز بائبل' ۱۳۹:۱ میں درج ہے:

"Where he is" is an allusion to the site of the 'well' mentioned in vs. 19, a sacred spot among the Ishmaelites.

'جہاں وہ ہے' میں اس کنویں کے محل وقوع کی طرف اشارہ ہے جس کا آیت ۱۹ میں ذکر ہے۔ اور جوئل اسماعیل کے لیے ایک مقدس مقام ہے۔

اور ہر صاحب علم جانتا ہے کہ یہ وہ چاؤزم زم ہے جو سبل اسماعیل کے نزدیک ایک مقدس مقام

ہے۔

56. *Shorter Enc. of Islam*, (Karachi: South Asian Publishers, 1981), p. 508.

57. *A Lion Handbook: the World's Religions* (1984), pp. 319f.

۵۸۔ بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ واتخذ اللہ علیہا رقم ۳۱۱۳۔

۵۹۔ یہ بات قابل غور ہے کہ وہ (باجرہ) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جواب سن کر کس قدر مطمئن اور پر سکون

ہے اور اس عظیم بزرگ پیغمبر کے اہل خاندان کے کس قدر شایان شان ہے یہ روئے عمل!

۶۰۔ کتاب مقدس، پیدائش ۲۶:۲۱-۳۳۔

’کتاب تواریخ‘ کی استنادی حیثیت

(بحوالہ باب ششم)

’کتاب تواریخ‘ اگرچہ آج بائبل کی مستند کتابوں میں شامل ہے، لیکن علما کے نزدیک اس کی استنادی حیثیت مضبوط نہیں، اس لیے اس کا یہ عمل سلیمانی کے محل وقوع کو ’موریہ‘ کا نام دینا کوئی وزن نہیں رکھتا۔ ڈبلیو۔ ایچ۔ بینٹ (W. H. Bennett) ’جیوش انسائیکلو پیڈیا‘ میں ان الفاظ میں اس امر کی تصدیق کرتے ہیں:

Chronicles (from its position in many manuscripts [MSS], etc., after Nehemiah) only obtained its place in the canon by an afterthought.¹

کتاب تواریخ (اس حیثیت سے کہ متعدد مسودات وغیرہ کی رو سے یہ کتاب ’نحمیاہ‘ کے بعد کی کتاب ہے) صرف بعد کی سوچ بچاری کے ذریعے سے بائبل کی مستند کتاب کی حیثیت اختیار کر سکی ہے۔

اس کا بیان ہے کہ یہ کتاب مسیحیوں کی مستند کتابوں کی بعض فہرستوں میں شامل نہیں تھی۔ وہ لکھتا ہے:

The omission² of Chronicles from some Christian lists of canonical books is probably accidental.³

کتاب تواریخ کا مستند کتابوں کی بعض مسیحی فہرستوں سے حذف ہونا غالباً ایک اتفاق کی بات ہے۔

جہاں تک اس کی تاریخ تدوین کا تعلق ہے، وہ کہتا ہے:

It is part of a larger work, Chronicles-Ezra-Nehemiah, composed in the Greek period between the death of Alexander (B.C. 323) and the revolt of

the Maccabees (B.C. 167). (...). Chronicles-Ezra-Nehemiah must be later than the times of Ezra and Nehemiah (458-432). In style and language the book belongs to the latest period of Biblical Hebrew. The descendants of Zerubbabel (I Chron. iii. 24) are given, in Masoretic text, to the sixth generation (about B.C. 350); in the LXX, Syriac, and Vulgate, to the eleventh generation after Zerubbabel (about B.C. 200) [which shows that it was written or added after BC 200]. The list of high priests in Neh. xii. 10, 11, extends to Jeddua (c.330). These lists might, indeed, have been made up to date after the book was completed; but other considerations point conclusively to the Greek period; e.g., in Ezra vi. 22, Darius is called "the king of Assyria." On the other hand, the use of the book in the Ecclesiasticus (Sirach) referred to above, the absence of any trace of the Maccabean struggle, and the use of the LXX, Chronicles by Eupolemus (c. B.C. 150; see Swete, l.c. p. 24), point to a date not later than B.C. 200. Hence Chronicles is usually assigned to the period B.C. 300-250.

یہ ایک بڑی کتاب 'توارخ' عذرا، نحیمیاہ کا ایک حصہ ہے۔ جو سکندر اعظم کی وفات (۳۲۳ ق م) اور مکابیوں کی بغاوت (۱۶۷ ق م) کے درمیان یونانی دور میں مدون ہوئی۔ (...)۔ [کتاب 'توارخ' عذرا، نحیمیاہ یقیناً عذرا اور نحیمیاہ (۴۵۸-۳۳۲ ق م) سے بعد کے زمانے میں لکھی گئی ہوگی۔ اسلوب اور زبان کے اعتبار سے یہ کتاب بائبل کی عبرانی زبان کے سب سے آخری دور سے تعلق رکھتی ہے۔ مسوراتی متن میں زروباہل کی بعد کی نسلیں (توارخ ۳: ۲۳) چھٹی نسل (تقریباً ۳۵۰ ق م) تک دی گئی ہیں۔ ہفتادی ترجے، سریانی ترجے اور ولگیٹ میں زروباہل کے بعد گیارہویں نسل (تقریباً ۲۰۰ ق م) تک کی نسلیں دی گئی ہیں [اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی تحریر یا اس میں اضافہ ۲۰۰ ق م کے بعد کیا گیا تھا]۔ نحیمیاہ ۱۲: ۱۰-۱۱ میں سردار کاہنوں کی فہرست چڑدہ (تقریباً ۳۳۰ ق م) تک چلتی ہے۔ یہ فہرستیں حقیقت میں کتاب کے مکمل ہو جانے کے بعد اپ نوڈیٹ کی گئی ہوں گی، لیکن کچھ اور لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ واضح طور پر یونانی دور کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ مثلاً عذرا (۲۲: ۶) میں دار یوس [دارا] کو 'شاہ' انور قرار دیا گیا ہے۔ دوسری طرف [الف] اس کتاب کا کچھ لہ بالا اگلیسیا بٹلس [Ecclesiasticus] [یشوع بن سیراخ] میں استعمال [ب] اس میں مکابیوں کی جدوجہد کے کسی نشان کی غیر موجودگی اور [ج] اس میں ہفتادی ترجے اور کتاب توارخ از یوپولیمس (Eupolemus)، (تقریباً ۱۵۰ ق م، ملاحظہ کیجیے سویتے صفحہ ۲۲) کا استعمال ایک ایسی تاریخ

کی نشان دہی کرتے ہیں جو ۲۰۰ ق م سے بعد کی نہیں۔ اس طرح کتاب تواریخ عام طور پر ۳۰۰ سے ۲۵۰ ق م تک کے زمانے سے متعلق قرار دی جاتی ہے۔

ڈاکٹر اسمیل جی ہراخ، پروفیسر، رابائیکل لٹریچر و فلسفہ، شکاگو یونیورسٹی، جیونش انسائیکلو پیڈیا میں بیان کرتے ہیں کہ تالمود کے علماء اس کتاب کی تاریخی صحت پر شک کا اظہار کرتے تھے۔ اور یہ کہ کتاب تواریخ کے مؤلف نے (اشخاص و اماکن کے) نام بیان کرنے میں 'بڑی آزادی' سے کام لیا ہے:

On the whole, Chronicles was regarded with suspicion; its historical accuracy was doubted by the Talmudic authorities, (...). The names were treated with great freedom;^۴

مجموعی طور پر کتاب تواریخ شک کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔ تالمود کے علماء اس کی تاریخی صحت پر شک و شبہ کا اظہار کرتے تھے۔ (...)۔ ناموں کو بڑی آزادی سے برتا گیا تھا۔

'سیونٹھ ڈے آئیڈونٹس تفسیر بائبل' کا خیال ہے کہ بیکل کی تعمیر کا حال بیان کرتے وقت کتاب تواریخ کے مؤلف نے اپنی خواہش اور ذراؤن کی مناسبت سے تفصیل کو حذف کرنے یا ان میں اضافہ کرنے کے سلسلے میں پوری آزادی سے کام لیا ہے:

Certain items concerning the building of the Temple have been omitted, others are presented more briefly, others are given in the same wording as Kings, while others are entirely new.^۵

بیکل کی تعمیر کے سلسلے میں بعض امور حذف کر دیے گئے ہیں۔ کچھ دوسرے امور کو زیادہ مختصر بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ کچھ مزید دوسری باتیں بعینہ کتاب ملوک کے الفاظ میں درج کی گئی ہیں، جبکہ کچھ اور باتیں ایسی بھی ہیں جو بالکل نئی ہیں۔

ٹورنوک انگلینڈ میں عبرانی کے پروفیسر ایچ پیٹ 'جیونش انسائیکلو پیڈیا' میں رقم طراز ہیں کہ اس میں مختلف قسم کی تحریفیں آزادی سے کی گئی تھیں۔ مصنف نے اس کی تدوین کے دوران میں جس طرح کی آزادیاں کھلے دل سے استعمال کی ہیں، ان کے علاوہ بعض بعد کے 'علماء' نے اس کی تکمیل کے بعد بھی تحریف اور اضافے سے کام لیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

(...) and perhaps additions were made to the book after it was

substantially complete. In dealing with matter not found in other books it is difficult to distinguish between matter which the chronicler found in his source, matter which he added himself, and later additions, as all the authors concerned wrote in the same spirit and style; (...). Where Chronicles contradicts Samuel-Kings preference must be given to the older work, except where the text of the latter is clearly corrupt. With the same exception, it may be assumed that sections of the primitive "Chronicles" [some older book on the annals of history of the concerned period other than the book of Chronicles of the Bible, which the Chronicler used as a source] are much more accurately preserved in Samuel-Kings than in Chronicles. (...) The consistent exaggeration of numbers on the part of the chronicler shows us that from a historical point of view his unsupported statements must be received with caution. (...) What they prove is that he did not possess that sense of historical exactitude which we now demand from the historian.⁷

(...) اس کتاب کے معقول حد تک مکمل ہو جانے کے بعد بھی شاید اس میں اضافے کیے جاتے رہے ہیں۔ اس مواد کے متعلق جو دوسری کتابوں میں دستیاب نہیں، کسی نتیجے تک پہنچنے کے سلسلے میں ایسے مواد کے درمیان امتیاز کرنا بہت مشکل ہے جو کتاب تواریخ کے مؤلف نے اپنے ماخذ سے نقل کیا یا جس کا اس نے اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے یا جو کچھ اس کے بعد میں اضافہ کیا گیا، کیونکہ تمام متعلقہ مصنفین نے اسے ایک ہی جذبے کے تحت اور ایک ہی اسلوب میں لکھا ہے۔ (...) جہاں کتاب تواریخ کا مصنف 'سموئیل' ملوک سے اختلاف کرتا ہے، وہاں پرانی کتاب (سموئیل و ملوک) کو ترجیح دی جانی چاہیے، سوائے ایسی حالت کے کہ جہاں مؤخر الذکر کتاب کا متن واضح طور پر تحریف شدہ ہو۔ ایسے ہی استثناء کے ساتھ یہ بھی غرض کر لیا جانا چاہیے کہ قدیمی کتاب تواریخ (۱) یہ ایک قدیمی کتاب تواریخ ہے جس میں متعلقہ مہد کے تاریخی واقعات درج ہیں اور یہ بائبل کی کتاب تواریخ سے ایک مختلف کتاب ہے اور اسے بائبل کی کتاب تواریخ کے مصنف نے اپنے ماخذ کے طور پر استعمال کیا تھا (۲) اجزا بائبل کی کتاب تواریخ کی نسبت بائبل کی کتب سموئیل و ملوک میں کہیں زیادہ صحت و درستی کے ساتھ ضبط تحریر میں لائے گئے۔ (...) کتاب تواریخ کے مصنف کی اعداد کے سلسلے میں مسلسل مبالغہ آرائی سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ تاریخی نقطہ نظر سے اس کے ایسے بیانات کو قبول کرنے میں احتیاط برتی جانی چاہیے، جن کی تائید میں کوئی دوسرا مواد موجود نہیں۔ (...) ان باتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آج ہم ایک

مؤرخ سے جس طرح کے واقعات کے ٹھیک ٹھیک بیان کی توقع رکھتے ہیں، وہ (کتاب تواریخ کا مؤلف) اس طرح کے مؤرخانہ شعور سے عاری تھا۔

جے ای گول ڈنگے، رجسٹرار شعبہ عہد نامہ قدیم، سینٹ جان کالج، نوٹنگھم نے بھی نیو بائبل ڈکشنری کے مقالے 'کتاب تواریخ' میں اسی طرح کے ملاحظیات نقل کیے ہیں۔ وہ لکھتا ہے:

Like most OT books, however, Chronicle is of anonymous authorship, and no conclusions are possible as to who wrote it. (...), he did wish to bring a specific message from God applied to the people of his own day, and it is this that leads him to his extensive working of his text, omitting what was now irrelevant, adding material that was now newly relevant, changing what was now misleading, and so on. Chronicles has been regarded as poorer history than Samuel-Kings. (...) Some of its alterations to Samuel-Kings raise historical problems; (...) textual corruption or misunderstanding has often been suspected. (...) - here the author perhaps resembles an artist painting the figures of the past in the dress of his own age. Such characteristics have led to the questioning of the extra material Chronicles includes which does not appear in Samuel-Kings. (...), and the main narratives, as we have noted, are substantially derived from Samuel-Kings.²

تاہم عہد نامہ قدیم کی اکثر کتابوں کی طرح کتاب تواریخ کے مصنف کا نام بھی معلوم نہیں۔ اور یہ بات کسی طرح اخذ نہیں کی جاسکتی کہ یہ کس نے لکھی ہے۔ (...), اُس کی یہ شدید خواہش تھی کہ وہ اپنے دور کے لوگوں پر لاگو کرنے کے لیے خداوند کی طرف سے خصوصی پیغام لائے۔ اور یہی وجہ ہے جس کے تحت اُس نے اپنے متن پر اس طرح کی شدید مشقت کی ہے کہ جو بات اسے موجودہ حالات میں غیر متعلق نظر آئی، وہ اس نے حذف کر دی، اور جو مواد آج کے حالات سے مطابقت رکھتا تھا، اُس کا اُس نے اضافہ کیا، جو چیز موجودہ ماحول میں گمراہ کن دکھائی دی، وہ اُس نے تبدیل کر دی، مثلاً ۱ پیدائش ۱۲: ۱-۱۰۔ کتاب تواریخ کو کتاب سموئیل و ملوک کی نسبت گھٹیا درجے کی تاریخ قرار دیا گیا ہے۔ (...), اس نے سموئیل و ملوک میں جو تبدیلیاں کی ہیں، اُن سے بعض اوقات تاریخی نوعیت کے مسئلے پیدا ہوئے ہیں۔ (...), اُس پر متقی تحریف یا غلط فہمی کا اکثر شک کیا گیا ہے۔ (...), یہاں مؤلف غالباً ایک ایسے آرٹسٹ سے مشابہ نظر آتا ہے جو ماضی کے اشخاص کی تصویر کشی اپنے دور کے لباس میں کرتا ہے۔

اس طرح کی خصوصیات نے اُس زائد مواد کے متعلق سوالات کھڑے کر دیے ہیں جو کتاب تواریخ میں شامل ہیں، مگر سموئیل و ملوک میں موجود نہیں۔ (...)، اور اہم بیانات، جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، زیادہ تر سموئیل و ملوک ہی سے ماخوذ ہیں۔

میکنزی نے بھی اپنی دشمنی آف بائبل میں لکھا ہے کہ کتاب ملوک کا مؤلف تواریخ کے بجائے اپنے خود ساختہ تین مقاصد میں زیادہ دلچسپی رکھتا ہے، جن میں سے ایک یہ تھا کہ 'بیکل اور طریق عبادت کو فوجیت دی جائے':

It may be summed up by saying that the Chronicler intended to write not what happened, but what ought to have happened; (۱). This ideal is specified by three theological principles which he represents as governing events: (...), and the primacy of the temple and the cult. (...). The third principle appears in the space and importance which the Chronicler gives to the temple and its cult and personnel. (۲). It is necessary to see the Chronicler's purpose. (۳)

اس کا خلاصہ یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ کتاب تواریخ کا مصنف یہ نہیں لکھتا چاہتا تھا کہ حقیقت میں کیا رونما ہوا ہے، بلکہ وہ یہ لکھنا چاہتا تھا کہ کیا رونما ہونا چاہیے تھا۔ (...). اس نصب العین کی تین دینیاتی اصولوں کے ذریعے سے نشان دہی کی گئی ہے جن کو وہ مرکزی اور بنیادی واقعات کے طور پر پیش کرتا ہے: (...). اور بیکل اور طریق عبادت کی فوجیت (...). تیسرا اصول اس مقام اور اُس اہمیت سے ظاہر ہوتا ہے جو کتاب ملوک کا مؤلف بیکل کو اس میں طریق عبادت اور اس کے افراد کو دیتا ہے، (...). یہ ضروری ہے کہ کتاب ملوک کے مؤلف کا مقصد پیش نظر رہے۔

ریورنڈ جے ماکابی، پروفیسر شعبہ مقدسہ، روح القدس کا لکچر، ڈبلن نے بڑی دلچسپی کے ساتھ کتاب ملوک کے مؤلف کے مضامین و مقاصد کا 'اے نیو کیٹھولک کنٹری' میں تجزیہ کیا ہے، اور اُس کی استنادی حیثیت کا پول مندرجہ ذیل الفاظ میں کھولا ہے:

The claim of Jerusalem to be the only place where legitimate worship of Yahweh is possible is the second principal element in the Chronicler's theme. (...) In the neutral passages (...) there seems to be no reason to doubt the strictly historical character of the narrative. In the other passages, however, we should be doing an injustice to him, were we to judge him

merely as an historian. Since, for him, history is a handmaid of theology, it is the theological understanding that is important for him, not the naked historical fact. If he clothes this naked fact with somewhat imaginary adornments, we must accept this as his method of teaching theology and not reproach him for the lack of an historical exactness which a comparison between his text and that of Sm-Kgs shows that he never intended. On other matters, which were not affected by the Chronicler's special point of view and purposes, historical value is recognized in his traditions.¹¹

یہ ظلم کا یہ دعویٰ کہ یہی وہ واحد جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی جائز عبادت کی جاسکتی ہے، کتاب ملوک کے مصنف کے مضامین کا دوسرا بڑا عنصر ہے۔ (...)۔ غیر جانبدار عبارات میں (...)، اس بیان کے یقینی تاریخی کردار پر شک کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی، تاہم دوسری عبارتوں میں اگر ہم اسے محض ایک مؤرخ کی حیثیت سے دیکھیں تو ہم اس کے ساتھ بے انصافی کریں گے، کیونکہ اس کے خیال میں تاریخ تو شریعت کی ایک دست بستہ کنیز ہے۔ اس کے نزدیک تو اہمیت صرف الہیاتی فہم کو حاصل ہے، نہ کہ عریاں تاریخی حقائق کو۔ اگر وہ ان بڑے بڑے حقائق کو کسی قدر تخیلاتی آرائشوں میں ملبوس کرتا ہے تو ہمیں اس بات کو اس کے الہیات کی تعلیم کے طریقے کے طور پر قبول کر لینا چاہیے، اور اسے اس بات پر ملامت نہیں کرنی چاہیے کہ اس میں تاریخی قطعیت کا فقدان ہے۔ اس کے متن کا 'سموئیل۔ ملوک' کے متن کے ساتھ موازنہ کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تاریخی قطعیت کبھی اس کے پیش نظر تھی ہی نہیں۔ دوسرے معاملات میں، جو کتاب ملوک کے مولف کے خصوصی نقطہ نظر اور مقاصد سے متاثر نہیں ہوتے تھے، اس کی روایات کی تاریخی قدر و قیمت تسلیم کی جاتی ہے۔

ایک فاکٹر نے 'انٹر پرائز بائبل ڈکشنری' میں کتاب ملوک پر اپنے مقالے میں اس کا قد دے تفصیلی تجزیاتی مطالعہ کیا ہے۔ اس کے مضمون سے چند اقتباسات دیکھ کر قاری کو ایک صحیح رائے قائم کرنے میں مدد ملے گی:

The Chronicler not only teaches the proper faith in God, after the manner of the Priestly Code, by such graphic fictitious stories, (...). To raise the low morale at such times, the Chronicler exaggerated the splendor of the Jewish kingdom in the past, (...). In glorifying Judaism and the Jews through the centuries beyond all possibilities, the Chronicler necessarily rewrote the history from David to Cyrus; he freely omitted from his sources, added to them, modified them, being blissfully unaware of

anachronisms and impossibilities. (...). In general the Chronicler modified our canonical sources with complete freedom to suit his ideas. (...), and modified what did not agree with his religious views or his notions of the facts of history. (...). Elsewhere the Chronicler rewrote the narration of Samuel and Kings in order to express his own views, which often differed from those of his sources; (...). These examples suffice to illustrate the various methods by which the Chronicler rewrote, edited, shortened, expanded, and arbitrarily changed the passages in Samuel and Kings which suited his purposes, omitting the rest, (...); in the other half the Chronicler, unless he had access to other sources unknown to us was able to display his vivid imagination by composing freely, without any guidance. (...). A date ca 250 B.C. or a little earlier is far more probable than 400-350 B.C. ۱۳

کتاب تواریخ کا مؤلف پرستلی کوڈ کے انداز میں اس طرح کی خوبصورت جعلی کہانیوں کے ذریعے سے خداوند پر حج ایمان کی تعلیم دیتا ہے، (...)۔ ایسے مواقع پر پست حوصلوں کو بلند کرنے کے لیے کتاب ملوک کا مؤلف ماضی کی یہودی سلطنت کی عظمت کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہے۔ (...)۔ پچھلی تمام صدیوں میں یہودیت اور یہودیوں کی تمام امکانات سے ماوراء عظمت بیان کرنے کے لیے کتاب ملوک کے مؤلف نے داؤد سے سلازس تک کی تاریخ کو ضرورتاً نئے سرے سے رقم کیا ہے۔ اس نے پوری آزادی سے اپنے مآخذ میں سے [جو چاہا] حذف کر دیا، [جس چیز کا چاہا] ان میں اضافہ کر دیا، انھیں [اپنی مرضی کے مطابق] جس رنگ میں چاہا، ڈھال دیا۔ اس کی خوش نصیبی یہ ہے کہ اسے یہ تک خبر نہیں کہ یہ باتیں غیر ممکن الوقوع ہیں یا تاریخی نظام اوقات کے خلاف ہیں۔ (...)۔ عمومی طور پر کتاب ملوک کے مؤلف نے ہمارے مستند مآخذ کو اپنے نظریات سے ہم آہنگ کرنے کے لیے انھیں نئے رنگ میں ڈھالنے کے سلسلے میں مکمل آزادی سے کام لیا۔ (...). اور جو چیزیں اس کے مذہبی نظریات یا تاریخی حقائق کے متعلق اس کے خیالات سے موافقت نہیں رکھتی تھیں، انھیں اس نے اپنی ضرورت کے مطابق تبدیل کر لیا۔ (...)۔ بعض دوسرے مقامات پر 'کتاب تواریخ' کے مؤلف نے کتاب سموئیل اور کتاب ملوک کے بیانات کو نئے سرے سے لکھا ہے تاکہ وہ اپنے ان ذاتی نظریات کو نمایاں کر سکے جو اکثر اس کے مآخذ کے نظریات سے مختلف ہوتے تھے۔ (...)۔ وہ مختلف طریقے جن کے ذریعے سے کتاب تواریخ کے مؤلف نے کتاب سموئیل اور کتاب ملوک کی عبارتیں دوبارہ لکھیں، یا انھیں ایڈٹ کیا، یا ان میں اختصار کیا، یا انھیں پھیلایا، یا ان کو

من مانے انداز میں اپنے مقاصد کے مطابق تبدیل کر کے بھایا کو حذف کر دیا۔ ان سب کی وضاحت کے لیے اس طرح کی کافی مثالیں موجود ہیں، (...) - [کتاب کے] دوسرے نصف حصے میں 'کتاب تواریخ' کا مؤلف بغیر کسی رہنمائی کے آزادانہ انداز میں عبارت آرائی کر کے اپنے واضح تخیلات کا مظاہرہ کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ ہاں اگر اس کی رسائی کچھ ایسے دوسرے مآخذ تک تھی، جن کا ہمیں علم نہیں تو اور بات ہے۔ (...) - [اس 'کتاب تواریخ' کی تالیف کی تاریخ کے سلسلے میں] بہ نسبت اس بات کے کہ یہ ۴۰۰-۳۵۰ ق م کے دوران میں لکھی گئی ہو، یہ امکان غالب ہے کہ یہ تقریباً ۲۵۰ ق م میں یا اس سے کچھ پہلے لکھی گئی ہو۔

تقریباً ہر اس عالم نے جس نے اس کتاب تواریخ کے متعلق کچھ لکھا ہے، اس کے متعلق اسی طرح کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ذیل میں ان کا ایک ملخص درج ہے:

۱۔ ابتدا میں کتاب تواریخ اس قابل نہ سمجھی گئی کہ اسے عہد نامہ قدیم کی مستند کتابوں کی فہرست میں شامل کیا جائے۔ اسے بعد کے کسی دور میں اس فہرست میں شامل کیا گیا۔

۲۔ اسے مستند کتابوں کی بعض مسیحی فہرستوں سے حذف بھی کر دیا گیا تھا۔

۳۔ عہد نامہ قدیم کی اکثر کتابوں کی طرح 'کتاب تواریخ' کے مصنف کا نام بھی معلوم نہیں۔ اور اس بات کا کوئی اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا کہ اسے کس نے لکھا تھا (نیو بائبل ڈسٹنری)۔

۴۔ 'جیوش انسائیکلو پیڈیا' کے مطابق 'کتاب تواریخ' کا عہد تصنیف عام طور پر ۳۰۰ ق م سے ۲۵۰ ق م تک قرار دیا جاتا ہے۔

۵۔ کیونکہ یہ واقعے کے رونما ہونے سے تقریباً سات سو سال بعد کسی نامعلوم مؤلف کی لکھی ہوئی ہے، اس لیے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ مصنف واقعہ کا یعنی شاہد نہ تھا۔

۶۔ جیسا کہ 'جیوش انسائیکلو پیڈیا' میں درج ہے: 'مجموعی طور پر کتاب تواریخ کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ تالمود کے مستند علماء کے نزدیک اس کی تاریخی صحت مشکوک تھی۔'

۷۔ کتاب تواریخ کے مؤلف نے دو 'تواریخ' دوبارہ بیان کی ہے جو اس سے پہلے کتاب سوئیل،

کتاب ملوک دغیرہ میں لکھی ہوئی تھی، لیکن 'نیو بائبل ڈکشنری' کے مطابق یہ سومیئل اور ملوک سے گھٹیا درجے کی تاریخ ہے۔

۸۔ کتاب تواریخ کا مؤلف کچھ خود ساختہ مقاصد اور نظریات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اس مقصد کے لیے اس نے، جیسا کہ انٹر پرائز ڈکشنری آف بائبل میں بیان کیا گیا ہے، حضرت داؤد سے سائرس تک کے دور کی تاریخ اپنی اس ضرورت کے تحت دوبارہ لکھی ہے۔ اُس نے اپنے ماخذ سے [جو بائبل اُسے ناپسند محسوس ہوئیں انھیں] پوری آزادی سے حذف کر دیا، اُن میں اضافہ کیا اور انھیں نئے رنگ میں ڈھالا۔ اُس کی خوش قسمتی یہ ہے کہ وہ ان ناممکن الوقوع چیزوں اور سنین و اوقات میں اس بے ربطی کے بارے میں بالکل بے خبر ہے۔ (...)۔ عمومی طور پر 'کتاب تواریخ' کے مصنف نے ہمارے مستند ماخذ کو اپنے نظریات سے ہم آہنگ کرنے کے لیے مکمل آزادی کے ساتھ اُن میں تبدیلیاں کی ہیں۔ (...)۔ اُس کے مذہبی نظریات یا تاریخی حقائق سے متعلق جو بات اُس کے نظریات سے مطابقت نہ رکھتی تھی، اُسے اُس نے اپنی مرضی کا رنگ دے دیا۔ اُس نے یہودیت اور یہودیوں کو اتنا عظیم الشان بنا کر پیش کیا جو کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ (...)۔ کسی دوسری جگہ کتاب تواریخ کے مؤلف نے کتاب سومیئل اور کتاب ملوک کے بیانات کو اپنے ذاتی خیالات کے رنگ میں ڈھالنے کے لیے انھیں نئے سرے سے تحریر کیا، جو اکثر اصل ماخذ سے مختلف تھے۔ (...)۔ یہ مثالیں ان مختلف طریقوں کو ظاہر کرنے کے لیے کافی ہیں جن کے مطابق کتاب تواریخ کے مؤلف نے کتاب سومیئل اور کتاب ملوک کی عبارتوں کو دوبارہ لکھا، مدقّق کیا، مختصر کیا، پھیلا یا اور سن مانے طریقے سے اُس میں تبدیلیاں کیں اور جو کچھ باقی بچا، اُسے حذف کر دیا۔ یہ سب کچھ اُس نے اس طرح کیا کہ اُس کے مقاصد پورے ہو سکیں۔

۹۔ میکزی کی الفاظ میں 'ہیکل کی فوقیت' اُس کے خود ساختہ مقاصد میں سے ایک اہم مقصد تھا اور یہ بات نہایت ضروری ہے کہ کتاب ملوک کے مؤلف کے مقاصد کو ملحوظ رکھا جائے۔

۱۰۔ اپنے اس خود ساختہ نصب العین کے پیش نظر اُس نے ہیکل سلیمانی کو تقدّس اور عظمت دینے کی کوشش کی۔ اور واقعات کو ایسا رنگ دیا کہ اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے بیٹے کی قربانی پیش کرنے کے محل وقوع کو موریاہ سے منسلک کر سکے۔

حواشی ضمیمہ ۲ 'کتاب تواریخ' کی استنادی حیثیت

1. The Jewish Enc., 4:60.

2. The Jewish Enc., 4:60.

۳ اگر یہ 'حذف' صرف ایک فہرست سے ہوتا تو پھر بھی اسے یہ یک جنبش قلم، بغیر کسی وجہ جواز کے، 'اتفاقی' قرار نہیں دیا جاسکتا تھا، لیکن یہاں یہ حذف 'مستند کتابوں کی بعض مسکئی فہرستوں' سے ہوا ہے (فہرستوں کا سیغہ جمع میں ہونا قابل توجہ ہے)، اور اس کا مستند کتابوں کی بعض فہرستوں جیسی اہم دستاویزات سے یوں حذف ہونا اس فیاضی اور بے نیازی سے 'حادثاتی یا اتفاقی' قرار نہیں دیا جاسکتا۔

4. The Jewish Enc., 4:60.

5. The Jewish Enc., 4:60.

6. The 7th-Day Adventist Bible Com., 3:118.

7. The Jewish Enc., 4:62-63.

۸ یہاں لفظ 'مؤخر الذکر' (latter) صریحاً 'سموئیل' - ملوک' کا حوالہ دے رہا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ 'جیوش انسائیکلو پیڈیا' کے اس آرنیکل کے مصنف کے مطابق 'سموئیل' - ملوک' بھی 'تحریف' سے محفوظ نہیں۔

9. New Bible Dic., 2nd Ed., 187-88.

10. J. L. McKenzie's Dic. of the Bible, 131-32.

11. A New Catholic Commentary on Holy Scripture, revised and updated 1975, Ed. Rev. Reginald C. Fuller., (Hong Kong: Thomas Nelson Ltd., 1981), pp. 353, 55f.

۱۲ 'anachronisms' کا مطلب ہے: 'وقت کی غلطی'، جس کی وجہ سے کوئی چیز غلط وقت سے منسوب کر دی جاتی ہے، کوئی بے وقت چیز یا بعد از وقت چیز۔

13. The Interpreter's Dic. of the Bible, 1:574-80.

ہیکل سلیمانی کی تاریخ کا ایک مختصر خاکہ

(بحوالہ باب دہم)

حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے اسرائیلیوں کے ہاں ہیکل کی کسی عمارت کا وجود نہ تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ اس قوم کی بددیانتی زندگی میں کسی ہیکل کی ایک متعین عمارت کے لیے کوئی جگہ ممکن ہی نہ تھی۔ 'خیمہ اجتماع' جو متعین لمبائی، چوڑائی اور اونچائی وغیرہ کا ایک خیمہ ہوتا تھا، ہیکل کا کام دیتا تھا اور عہد کا تابوت (تابوت سیکنہ) اس میں رکھا ہوتا تھا۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام (قریباً ۱۰۱۰-۹۷۰ ق م) نے اقتدار پر اپنی گرفت مضبوط کر لی اور اپنے لیے ایک مستقل محل تعمیر کر لیا تو اللہ تعالیٰ کے معبد کی کمی شدت سے محسوس ہونے لگی۔ بادشاہ نے کہا: 'میں تو دیودار کی شان دار لکڑی سے بنے ہوئے ایک محل میں رہتا ہوں، مگر خداوند کا تابوت ایک خیمے میں پڑا ہوا ہے' (۲۔ سموئیل ۷: ۲)۔ اُس نے تعمیراتی میٹیریل بہم پہنچایا، خزانہ اکٹھا کیا اور معبد کی عمارت کے لیے اردن تا یبوسی سے اس کا کھلیان خریدا (۱۔ تواریخ ۲: ۲۸: ۲-۳، سموئیل ۲۳: ۱۸-۲۵)۔ اُس کے بیٹے سلیمان (جو اسرائیل کی متحدہ بادشاہت پر قریباً ۹۷۰-۹۳۰ ق م حکمران رہا) نے اپنی حکومت کے چوتھے سال میں ہیکل کی باقاعدہ تعمیر شروع کی اور سات سال بعد ہیکل مکمل ہو گیا (قریباً ۹۶۰ ق م میں؛ لیکن سمیٹھ کی لغت، صفحہ ۹۷۶ کے مطابق قریباً ۱۰۰۵ ق م میں، جو قطعی ناممکن ہے)۔ یہودیہ کے بادشاہوں نے مختلف حکومتوں سے تعلقات استوار کرنے کی غرض سے خراج ادا کرنے کے لیے اس ہیکل کے خزانے متعدد مرتبہ لوٹے (۲۔ سلاطین ۱: ۱۲، ۱۸: ۱۶، ۱۸: ۱۵)۔ یوسیاہ نے (جس نے قریباً ۶۴۰-۶۰۹ ق م یہودیہ پر

حکومت کی) ہیکل کی تعمیر و مرمت کا حکم صادر کیا۔ یوساہ کے فرمان کے تحت کی جانے والی مرمت (قریباً ۶۲۲ ق م) کے دوران میں سروراکا بن حلقیہ نے شریعت کی کتاب دریافت کی۔ اس بات پر عمومی اتفاق ہے کہ یہ آسٹارخسہ (تورات) کی کتاب استشنا کی اصلی حالت تھی۔ یوساہ نے دینی اصلاحات کے نفاذ کا عمل شروع کیا جو اُس تورات کی تعلیمات پر مبنی تھا جو حلقیہ نے ہیکل میں دریافت کی تھی (۲۔ سلاطین ۸: ۲۲ و بعد)۔ بابل کے حکمران نبوکدنصر نے ۵۸۶-۵۸۷ ق م میں اپنی یروشلیم کی فتح کے موقع پر ہیکل سلیمانی کو تباہ و برباد کر دیا اور یروشلیم کے اسرائیلیوں کو اسیر بنا کر اپنے ساتھ لے گیا۔ اگلے قریباً ۷۰ سال تک ہیکل سلیمانی کا صفحہ ہستی پر کوئی وجود نہ تھا۔ فارس کے شاہ سائرس نے بابل کے ولی عہد بل شعضر کو ۵۳۹ ق م میں شکست دی اور بابل کی سلطنت ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔ سائرس ایک منصف مزاج اور رحم دل حکمران تھا۔ اُس نے اسرائیلیوں کو آزاد کر دیا اور انھیں اس بات کی اجازت بھی دے دی کہ وہ یروشلیم میں واپس جا کر آباد ہو جائیں۔ اُس نے انھیں اپنا ہیکل دوبارہ تعمیر کرنے کی اجازت دے دی اور اس غرض کے لیے انھیں مناسب مدد فراہم کرنے کا وعدہ بھی کیا۔ ہیکل کی (دوسری) تعمیر ۵۳۷ ق م میں شروع ہوئی۔ 'سیونہ ڈے ایڈونٹسٹ بائبل ڈکشنری' میں وضاحت کی گئی ہے:

But the builders encountered so much opposition from enemies in their homeland that the work soon came to a virtual stop and remained interrupted until the reign of Darius 1. In the 2nd year of his reign the prophets Haggai and Zechariah encouraged Zerubbabel, the governor, and Joshua, the high priest, to make another effort to rebuild the Temple. They responded, and with the enthusiastic support of the whole nation and the good will of the Persian officials and of the king himself, the new Temple, usually referred to as the Second Temple [or the Temple of Zerubbabel], was completed, along with its auxiliary structures, in the period of 4½ years, from 520 to 515 B.C. (Ezr. 3:8 to 4:5; 4:24 to 6:15). (...). Antiochus IV Epiphanes desecrated the Temple in 168 B.C. by erecting an altar dedicated to Jupiter Olympius in the Temple court and sacrificing swine on it. He stole the sacred furniture from the holy place and removed all Temple treasures (Jos. Ant. xii 5, 4; 1 Macc 1:21-23). However, the Temple was repaired, refurnished, and rededicated in 165 B.C., after the Maccabean forces took Jerusalem (1 Mac 4:43-59) (...). When Pompey conquered

Jerusalem in 63 B.C. the Temple was spared any damage, but it was later pillaged by Crassus [in 54 BC]. It may have suffered some further damage in the conquest of Jerusalem by Herod in 37 B.C. (...). When Herod announced his intention of rebuilding a new Temple [commonly called 'Temple of Herod'], the Jews feared he would tear down the old one and then fail to rebuild it. Consequently, Herod devised a method of reconstruction by which the old was demolished only as the new construction progressed; it appeared at the different stages as if he were doing nothing but repairing the older structures, while in reality a completely new complex of buildings was erected without interrupting the services. He first rebuilt the Temple proper. This work was begun in 20/19 B.C. and lasted 18 months. He had all building material finished to size before it was brought to the Temple area, and employed only priests to work on the inner Temple structure. After that was finished, most of the outer buildings, including the cloisters, were completed during the next 8 years, but the work of decoration and embellishment went on until the procuratorship of Albinus (A.D. 62-64), immediately before the outbreak of the Jewish war. Since building activities were still going on during Christ's ministry, it is understandable that the Jews said the Temple had been in building for 46 years (Jn 2:20). (...). The whole Temple with all its buildings was destroyed by fire during the capture of Jerusalem by the forces of Titus in A.D. 70. (...). Although the Temple built by Herod the Great was actually a new structure, the Jews always referred to it as still the Second Temple, considering his work no more than a repair and remodeling. Because of the Jews' hatred for him, the orthodox Jewish writings, like the Mishnah, which gives detailed descriptions of this Temple, never mention the name of its builder. (...). The old Temple area was enlarged to twice its former size, including also the palace grounds of Solomon's time. Archeological investigations show that the present Moslem enclosure, the Haram esh-Sherif, almost exactly covers Herod's Temple area, and large parts of the present walls rest on foundations or wall stumps of Herod's time.³

لیکن تعمیر کا کام سرانجام دینے والوں کو اپنے ہم وطن دشمنوں کی اتنی زیادہ مخالفت کا سامنا کرنا پڑا کہ تعمیراتی کام جلد ہی عملی طور پر بند ہو گیا اور دارا (Darius) اول کے دور حکومت تک مداخلت ہی کا شکار رہا۔ اُس کی حکمرانی کے دوسرے سال میں جی اور زکریاہ نبیوں نے وہاں کے گورنر زرو بابل اور سردار کاہن یوشواہ (یوشع) کی حوصلہ افزائی کی کہ وہ ہیکل کی تعمیر ٹھانی کی دوبارہ کوشش کریں۔ انھوں نے مثبت رد عمل کا اظہار کیا اور پوری قوم کی پر جوش تائید اور ایرانی حکام اور بذات خود بادشاہ کی

اشیر باد سے ہیکل ثانی (یا ہیکل زرو بائبل) اپنی اضافی تعمیرات سمیت ساڑھے چار سال کے عرصے میں ۵۲۰-۵۱۵ ق م (عزرا ۳: ۸-۳: ۴، ۳: ۵-۱۳: ۶، ۱۵: ۶) پایہ تکمیل کو پہنچا۔ (...)۔ انطیوکس چہارم اپنی فہر نے ۱۶۸ ق م میں ہیکل کے صحن میں جیو پیٹر او لمپیس کے نام سے منسوب چہترہ تعمیر کر کے اور اس پر خزیروں کی قربانیاں پیش کر کے ہیکل کے تقدس کو پامال کیا۔ اُس نے اس مقدس مقام سے متبرک فرنیچر چر الیا اور ہیکل کے تمام خزانے وہاں سے ہٹا دیے (جوزیفس، انٹیکوگرافیکل دوازدہم، ۳: ۵، ۱-۳: ۵، ۲۱: ۱-۲۳)، تاہم ۱۶۵ ق م میں مکابہ فوجوں کے یروشلیم پر قبضے کے بعد (۱-۳: ۵، ۲۱: ۱-۲۳) ہیکل کی مرمت کرا دی گئی، اس میں نئے سرے سے فرنیچر فراہم کیا گیا اور اسے دوبارہ مراسم قربانی و عبادت کے لیے وقف کر دیا گیا۔ (...)۔ جب پوہوسی نے ۶۳ ق م میں یروشلیم پر قبضہ کیا تو ہیکل کو کوئی نقصان نہ پہنچایا گیا، لیکن بعد میں [۵۳ ق م میں] کریس نے اسے تاراج و تاراج کیا۔ عین ممکن ہے کہ ہیرودے ۳۷ ق م میں یروشلیم کے موقع پر بھی اسے مزید نقصان پہنچایا گیا ہو۔ (...)۔ جب ہیرودہ اعظم نے ایک نئے ہیکل [جسے عام طور پر ہیرودک ہیکل کہا جاتا ہے] کی تعمیر نو کے ارادے کا اظہار کیا تو یہودیوں کو اس بات کا خوف محسوس ہوا کہ وہ پرانا ہیکل تو ڈھچھوڑ ڈالے گا اور پھر اس کی تعمیر نو نہیں کرا سکے گا۔ اس صورت حال کے پیش نظر ہیرودے نے تعمیر نو کا ایسا طریقہ اختیار کیا جس کے ذریعے سے پرانے ہیکل [کے صرف وہی حصے] گرائے جاتے تھے جس کی تعمیر پر عمل درآمد شروع ہو جاتا تھا۔ تعمیر کے مختلف مراحل کے دوران میں یوں لگتا تھا کہ وہ پرانی تعمیرات کی مرمت کے علاوہ کچھ نہیں کر رہا، جبکہ حقیقت یہ تھی کہ مراسم قربانی و عبادت میں کسی طرح کا خلل واقع ہوئے بغیر عمارت کا مکمل طور پر ایک نیا ڈھانچا تعمیر ہو رہا تھا۔ ابتدائی مرحلے میں اُس نے اصل ہیکل کو دوبارہ تعمیر کیا۔ یہ کام ۱۹ یا ۲۰ ق م میں شروع ہوا اور ۱۸ ماہ تک جاری رہا۔ اُس نے تمام تعمیراتی سامان کو ہیکل کے علاقے میں لائے جانے سے پہلے ہی بالکل ساڑھ کے مطابق تیار کروایا اور ہیکل کے اندرونی ڈھانچے پر کام کے لیے صرف کابھوں ہی کو مقرر کیا۔ جب یہ کام پایہ تکمیل تک پہنچ گیا تو اگلے آٹھ سالوں کے درمیان میں اکثر بیرونی عمارتیں بشمول خانقاہ کے حجرات مکمل کئے گئے، لیکن تزئین و آرائش کا کام، یہودی جنگوں کے پھوٹ پڑنے سے فوراً پہلے، البتہ

(۶۲ء - ۶۴ء) کے دورِ انتداب تک جاری رہا۔ چونکہ حضرت مسیحؑ کے دورِ نبوت کے دوران تک تعمیراتی سرگرمیاں ابھی جاری تھیں تو یہ بات قابلِ فہم ہے کہ یہودیوں نے یہ (کیوں) کہا تھا کہ ہیکل میں تعمیراتی کام ۴۶ سال سے جاری ہے (یوحنا ۲: ۲۰)۔ (...)۔ سارے کا سارا ہیکل اپنی تمام تعمیرات سمیت ۷۷ء میں ٹائیس کی فوجوں کے ہاتھوں یروشلم کے قبضے کے دوران میں آگ کے ذریعے سے نیست و نابود کر دیا گیا۔ (...) اگرچہ ہیرودہ اعظم کا تعمیر کردہ ہیکل عملی طور پر ایک نئی عمارت تھی، لیکن یہودی ہیرودہ اعظم کے کام کو مرمت اور تعمیرِ جدید سے زیادہ نہ سمجھتے ہوئے ہمیشہ اس کا ہیکل ثانی کے طور پر یاد کرتے تھے۔ یہودی ہیرودہ اعظم سے نفرت کی وجہ سے ہشنا کی طرز کی متعصب یہودی تحریریں، جو اس ہیکل کی مکمل تفصیل بتاتی ہیں، اس کے معمار کا نام کبھی نہیں لیتیں۔ (...)۔ ہیکل کا پرانا رقبہ بڑھا کر پہلے سے دو گنے سا بڑھا کر دیا گیا اور اس میں عہدِ سلیمان کے محل کے میدان بھی شامل کر لیے گئے۔ آ کرکیولوجی کی تحقیقات سے ظاہر ہوتا ہے کہ موجودہ مسلمانوں والا حصہ یعنی حرم شریف ٹھیک ٹھیک ہیکل ہیرودہ کے رقبے پر مشتمل ہے اور موجودہ دیواروں کے زیادہ تر حصے ہیرودہ کے زمانے کی بنیادوں پر قائم ہیں۔

اس جگہ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ جب مسجدِ عمر تعمیر ہوئی، اس سے قریباً سات صدیاں پہلے تک ہیکل کی کوئی عمارت موجود نہ تھی۔ 'جیوش انسائیکلو پیڈیا' کے مطابق:

The mosque was built over a rock the traditions of which were sacred, probably the site was the same as that of the Temple which Hadrian erected to Jupiter. This in turn was on the site of Herod's Temple. ۴

مسجد ایک چٹان پر تعمیر کی گئی تھی، جس سے متعلق روایات یہ ہیں کہ وہ مقدس تھی۔ غالب امکان یہی ہے کہ اس کا محل وقوع وہی تھا جو اس ہیکل کا تھا، جسے ہیزرین نے جوہیرا کے مراسمِ قربانی و عبادت کے لیے تعمیر کیا تھا۔ اور اسی طرح یہ بھی ہیرودہ اعظم کے ہیکل کے محل وقوع پر واقع تھا۔

اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پچھلے قریب دو ہزار سال سے اس مقام پر ہیکلِ سلیمانی کا کسی حالت میں بھی وجود نہیں رہا۔

حواشی ضمیمہ ۲ 'ہیکل سلیمانی' کی تاریخ کا ایک مختصر خاکہ

۱۔ انگیزی، بحوالہ خروج ۲۵:۱۰ اور بعد (صفحہ ۵۴ پر) 'تابوت' کی حسب ذیل وضاحت کرتا ہے:

A small portable box or chest: 3¼ X 2¼ X 2¼ ft. made of acacia wood, overlaid with gold inside and out. On its top were two cherubim facing each other. This is the place where Yahweh meets Israel and reveals His commandments. It contained the two tablets of stone which were thought to go back to the Mosaic period, a vessel of manna and the rod of Aaron. It was carried on the head of the column when the Hebrews traveled through the desert and before the army in battle. After the settlement of the Israelites in Canaan the ark was finally established at Shiloh. [Shiloh was 9 mi NNE of Bethel, in the central mountain range.] It was taken into battle against Philistines, who defeated Israel and captured the ark. It was finally placed in the temple of Solomon.

[تابوت سین یا عہد کا تابوت] ٹیکر کی گھڑی کا بنا ہوا ایک چھوٹا سی طور پر قابل منتقلی بکس یا صندوق جو پونے چار ضرب سوا، و ضرب سوا دو فٹ کا تھا اور جس پر اندر اور باہر سونا جڑا ہوا تھا۔ اس کے اوپر دو کربوبی ایک دوسرے کی طرف منہ کیے بیٹھے تھے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ اسرائیل سے ملاقات کرتا اور اپنے احکامات کا اظہار کرتا تھا۔ اس میں پتھر کی دو دالواں بھی موجود تھیں جن کے متعلق خیال کیا جاتا تھا کہ وہ عہد موسوی کا بقیہ ہیں اور ایک نشن 'کا برتن اور ہارون کا عصا بھی تھا۔ جب عبرانی لوگ صحرا میں سفر کرتے تو اس وقت اس طرح لے جایا جاتا کہ یہ قطاروں سے آگے ہو اور جنگوں میں اسے فوج کے آگے آگے لے جایا جاتا تھا۔ اسرائیلیوں کے کنعان میں آباد ہو جانے کے بعد تابوت کو بالآخر شیلوہ، یہ مرکزی پہاڑی سلسلے میں بیت ایل کے شمال شمال مشرق میں نویل کے فاصلے پر واقع تھا [کے مقام پر مستقل طور پر رکھ دیا گیا۔ اسے فلسطینیوں کے خلاف جنگ میں لے جایا گیا جنھوں نے اسرائیل کو شکست دی اور اس تابوت پر قبضہ کر لیا۔ بالآخر اسے ہیکل سلیمانی میں رکھ دیا گیا۔

2. Smith's Dic. of the Bible, 679 observes:

The gold and silver alone accumulated by David are at the lowest reckoned to have amounted to between two and three billion dollars.

داؤد نے [بیت المقدس کی تعمیر کے لیے] جو سونا اور چاندی جمع کیا تھا صرف اسی کی قیمت کا کم از کم تخمینہ

دو اور تین بلین ڈالر کے درمیان بنتا ہے۔

بظاہر یہ ناممکن نظر آتا ہے۔ لگتا یہ ہے کہ لغت نگار نے اس کا حساب کتاب تواریخ کے مطابق لگایا ہوگا جو اپنی مبالغہ آرائیوں کے لیے مشہور ہے (ملاحظہ کیجیے۔ تواریخ ۱۳:۲۲)۔

3. 7th Day Adventist Bible Dic., p. 1099 ff.

۴۔ یہاں یہ بات پیش نظر ہے کہ حرم شریف سے مراد نہ تو مسجد عمر ہے اور نہ مسجد اقصیٰ، بلکہ اس سے مراد وہ سارا قصبہ ہے جو ہیرودہ اعظم کے ہیکل میں شامل تھا۔

5. The Jewish Enc. 12:100.

’یروشلم‘ کی مختصر تاریخ

(ڈاکٹر احسان الرحمن غوری)

کیا ’یروشلم‘ دارالسلام ہے؟

’یروشلم‘ کنعان کے قدیم شہروں میں سب سے معروف شہر ہے۔ آج سے قریباً تین ہزار سال قبل حضرت داؤد علیہ السلام نے اس شہر کو اپنی عظیم سلطنت ’اسرائیل‘ کا دارالحکومت بنایا۔ یہیں سے اس شہر کی عظمت اور مرکزی حیثیت کو ایک نیا مقام و مرتبہ حاصل ہوا۔ یہی شہر ہے جو حضرت عیسیٰ کی زندگی کے اہم ترین ایام کا شاہد تھا۔ اسی شہر میں آپ نے اپنی دعوت و تبلیغ کا آغاز کیا اور مسیحی عقائد کے مطابق یہیں ان کو مصلوب کیا گیا۔ دین اسلام میں بھی اس شہر کی اہمیت مسلمہ ہے۔ پیغمبر اعظم و آخر ﷺ نے تمام انبیاء کرام کی امامت بھی اسی شہر میں فرمائی اور معراج کے سفر کا آغاز بھی اسی مقام سے ہوا۔ گویا یہ شہر بہ یک وقت دنیا کے تین اہم ترین ادیان کے لیے دینی مرکز کی حیثیت کا حامل ہے۔

مقالہ ہذا میں ’یروشلم‘ کی تاریخی حیثیت کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اور اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اسن یا سلامتی کے اعتبار سے اس شہر کی کیا نوعیت ہے۔

’یروشلم‘ کا لغوی مفہوم

’انٹرنیشنل اسٹینڈرڈ بائبل انسائیکلو پیڈیا‘ میں اس کے لفظی معانی کی وضاحت ان الفاظ میں کی

گئی ہے:

With regard to the meaning of the original name there is no

concurrence of opinion. The oldest known form, Ura-sa-lim, has been considered by many to mean either the 'City of Peace' or the 'City of (the god) Salem,' but other interpreters, considering the name as of Hebrew origin, interpret it as the 'possession of peace' or 'foundation of peace.' It is one of the ironies of history that a city which in all of its long history has seen so little peace and for whose possession such rivers of blood have been shed should have such a possible meaning for its name.^۱

جہاں تک یروشلم کے اصل نام کے معنی کا تعلق ہے، اس کے بارے میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس کی قدیم ترین صورت Ura-sa-lim کا مفہوم اکثر لوگوں نے یا تو 'امن کا شہر' لیا ہے یا پھر اسے 'دیوتا سالم کا شہر' قرار دیا ہے، لیکن بعض دیگر شارحین نے اسے عبرانی الاصل قرار دے کر اس کا مفہوم 'غلبہ امن' یا 'امن کی اساس' سمجھا ہے۔ تاریخ کی یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ ایک ایسا شہر جس نے اپنی طویل تاریخ کے دوران میں شاذ ہی امن دیکھا ہو اور جس پر تسلط حاصل کرنے کے لیے اتنی خون کی ندیاں بہائی گئی ہوں، اُس کے نام کے یہ معنی قرار دیے جائیں۔

یروشلم تاریخ کے آئینے میں

زمانہ قبل از داؤد

بائبل کے عہد نامہ قدیم کی کتاب پیدائش (۱۸:۱۴) میں اس شہر کا نام 'Salem' درج ہے۔ مزمو راؤڈ (۳:۷۶) اور قدیم یہودی روایات میں اسے یروشلم کا نام دیا گیا ہے۔ جدید علماء بھی اسی روایت کو درست قرار دیتے ہیں۔ انیسویں صدی ق م میں جب حضرت ابراہیمؑ یہاں تشریف لائے، اُس وقت خداوند تعالیٰ کا کاہن ملک صدق (Melchizedek) سالم (Salem) کا بادشاہ تھا۔ اس کی قدامت کے متعلق یروشلم نامی کتاب میں وضاحت کی گئی ہے:

Various pre-historic sites of the Lower Paleolithic period have been found. In the Mesolithic period, which followed, the climate was stabilized in its present form and, due to the prevailing dryness, conditions became much more difficult for prehistoric man in the Jerusalem area. Only two sites are dated to this period, the agricultural revolution of the Neolithic period enabled man to make progress against the desert: 16 sites are indicated for this period, in the Chalcolithic period, settlement contracted somewhat, probably because of the strong attraction of the Jordan Valley

and the Negev, which led to a relative decline of the mountain area.²

زمانہ قبل از تاریخ کے پتھر کے عہد کے ابتدائی دور سے متعلق مختلف مقامات دریافت ہوئے ہیں۔ بعد والے پتھر کے زمانے کے درمیانی دور میں آب و ہوا موجودہ دور جیسی ہی ہو گئی تھی۔ (موسم میں) خشکی کا دور دورہ ہونے کی وجہ سے یروشلم کے علاقے میں زمانہ قبل از تاریخ کے انسان کے لیے مشکلات میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا تھا۔ اس دور کے صرف دو مقامات کے زمانے کا تعین کیا جا سکا ہے۔ پتھر کے آخری زمانے کے زرعی انقلاب نے انسان کو صحرا کی تسخیر میں پیش رفت کی صلاحیت عطا کی۔ اس دور کے سولہ مقامات کی نشان دہی کی گئی ہے۔ وحات کے زمانے میں غالباً وادی اردن اور نجف کی اس مضبوط کشش کی وجہ سے آباد کاری میں کچھ کمی واقع ہوئی، جس کے نتیجے میں پہاڑی خطوں کی آبادی میں تیز زوال آیا۔

انٹرنیشنل اسٹینڈرڈ ہائبل انسائیکلو پیڈیا اس کی قدامت کی نشان دہی ان الفاظ میں کرتا ہے:

Pre-Israelite period, --- The beginnings of Jerusalem are long before recorded history; at various points in the neighborhood, e.g. at el-Bukei'a to the Southwest, and at the northern extremity of the Mount of Olives to the Northeast, were very large settlements of Paleolithic man, long before the dawn of history, as is proved by the enormous quantities of Celts³ scattered over the surface. It is certain that the city's site itself was occupied many centuries before David, and it is a traditional view that the city called SALEM (Genesis 14:18), over which Melchizedek was king, was identical with Jerusalem.⁴

The first certain reference to this city about 1450 BC, when the name Ur-u-salem occurs in several letters belonging to the Tell el-Marna Letters correspondence. In 7 of these letters occurs the name Abd Khiba, and it is clear that this man was 'king,' or governor of the city, as the representative of Pharaoh of Egypt. (...). Incidentally we may gather that the place was then a fortified city, guarded partly by mercenary Egyptian troops, and there are reasons for thinking that then ruler of Egypt, Amenhotep IV, had made it a sanctuary of his god Aten --- the sun-disc.⁵

قبل از اسرائیل دور: یروشلم کی ابتدا تاریخ کے ضبط تحریر میں لائے جانے سے بہت پہلے ہو گئی تھی۔ قرب وجوار کے مختلف مقامات پر (مثلاً جنوب مغرب میں البقیع اور شمال مشرق میں کوہ زیتون کے انتہائی شمالی علاقے میں) تاریخ کی ابتدا سے بہت پہلے پتھر کے ابتدائی زمانے کے انسان کی

بہت بڑی بڑی نوآبادیاں تھیں، جیسا کہ سطح زمین پر بکھری ہوئی پتھر کے اوزاروں کی بڑی تعداد سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ بات یقینی ہے کہ بذات خود شہر کے محل وقوع پر داؤد سے کئی صدیاں پہلے کسی نہ کسی کا قبضہ تھا۔ روایتی نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ شہر، جسے سالم (Salem) کہا جاتا تھا (کتاب پیدائش ۱۸:۱۳) اور جس پر ملک صدق کی حکمرانی تھی، وہ یروشلیم ہی تھا۔

اس شہر کا پہلا یقینی حوالہ ۳۵۰ ق م کے قریب ملتا ہے، جب یوروسالم (Ur-u-salem) کا نام ان متعدد دستاویزات میں وارد ہوا، جن کا تعلق تل الامرنا کے خطوط سے ہے۔ ان خطوط میں سے سات خطوط ایسے ہیں جن میں عبد خبیا (Abd Khiba) کا نام مذکور ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ یہ شخص فرعون مصر کے نمائندے کے طور پر اس شہر کا بادشاہ یا گورنر تھا۔ (....)۔ اتفاق سے اس بات کے شواہد بھی ملے ہیں کہ یہ مقام اس وقت ایک قلعہ بند شہر تھا، جسے جزوی طور پر مصر کے اجرتی سپاہیوں کا تحفظ بھی حاصل تھا۔ یہ سوچنے کے لیے مضبوط شواہد موجود ہیں کہ اس وقت کے مصری حکمران امن ہوپ چہارم (Amenhotep IV) نے اس علاقے کو اپنے دیوتا آتن (Aten) کی عبادت گاہ کے لیے منتخب کیا تھا۔ آتن (Aten) سے مراد ہے سورج کی طشتری۔

ایک روایت کے مطابق ۳۲۰۰ ق م سے بھی پہلے یہاں آبادی موجود تھی۔ یروشلیم شہر کی کھدائی کے نتیجے میں چار ہزار سال ق م کے ظروف ملے ہیں۔ ابتدائی کانسی کے دور (Early Bronze Age) (3150-2200 BCE) اور وسطی کانسی کے دور (Middle Bronze Age 2200-1550 BCE) کے دستیاب ظروف سے ثابت ہوتا ہے کہ اس علاقے میں تیسرے اور دوسرے ہزارے قبل مسیح کے نصف اول میں بھی لوگ آباد تھے۔ ایک مشہور مستشرق، مؤرخ اور مصنف Stewart Henry Perowne لکھتے ہیں:

Excavation has shown that a settlement existed on the site south of the Temple platform, possibly in the Early Bronze Age and certainly by 1800 BC. A massive town wall still survives, just above the spring that determined the location of the ancient settlement. ۱۱

علاقے کی کھدائی سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکہ حد تک ابتدائی کانسی عہد اور یقینی طور پر ۱۸۰۰ ق م تک بیکل کے چپورے (Temple Platform) کے جنوب میں ایک آبادی موجود تھی۔ چشمے کے بالائی طرف اب بھی ایک بھاری بھر کم فصیل شہر موجود ہے، جس کے ذریعے سے قدیم آبادی کے محل وقوع

کا تعین ہوتا ہے۔

اس دور کا تفصیل والا یہ شہر بہت چھوٹا تھا جو صرف نو یا دس ایکڑ رقبہ پر محیط تھا۔ جسے کے قدرے شمال میں بالائی سرے پر ایک مقدس مقام تھا۔ شاہی محل اور قبرستان اس کے نیچے واقع تھے اور باقی ماندہ پہاڑی اپنے جنوبی سرے تک شہر پر مشتمل تھی۔ ابتدائی کانسی دور کی تفصیل کی باقیات اس پہاڑی کے اسی حصے میں دریافت ہوئی ہیں۔ پندرہویں صدی ق م میں Horites یا Hurrians نامی اقوام فلسطین میں وارد ہوئیں۔ مراسلات امرنا لکھنے والوں میں سے ایک شخص عبدحبا (Abd Hiba) یا ارتی ہپا (Arti-Hepa) تھا جو چودھویں صدی ق م میں یروشلم پر حکمران تھا۔ اوپل (Ophel) کی مشرقی دھلوان پر پتھر سے بنے ہوئے ایک قلعے کی مضبوط تفصیل اسی دور سے تعلق رکھتی ہے۔^{۱۲} بارہویں صدی ق م کی ابتدا میں 'بنی یہووا' [اسی طرح بنی شمعون بھی] (دیکھیے تفسیر ۸: ۳) نے یروشلم کے خلاف جنگ لڑی اور اسے فتح کر لیا۔ انھوں نے اس شہر کے باشندوں کو قتل کیا اور شہر کو نذر آتش کر دیا۔^{۱۳} اس آیت کے حوالے سے W. Smith ان الفاظ میں تبصرہ کرتے ہیں:

In the fifteen centuries which elapsed between this siege and the siege and destruction of the city by Titus, A.D. 70, the city was besieged no fewer than seventeen times; twice it was razed to the ground, and on two other occasions its walls were levelled, in this respect it stands without a parallel in any city, ancient or modern.^{۱۴}

۷ عیسوی میں Titus رومی کے ہاتھوں شہر کی تباہی اور ان محاصروں کے درمیان جو پندرہ صدیاں گزریں ان میں اس شہر کا سترہ سے زیادہ مرتبہ محاصرہ کیا گیا۔ دو مرتبہ تو اسے پونہ خاک کر دیا گیا۔ دیگر دو مواقع پر اس کی تفصیل منہدم کر دی گئی۔ اس لحاظ سے اس شہر کا موازنہ کسی بھی قدیم یا جدید شہر سے نہیں کیا جاسکتا۔

یہودی قوم (Jebosites) نے جلد ہی اس شہر پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور شہر کو از سر نو تعمیر کیا۔^{۱۵}

حضرت داؤد کا دور حکومت

دسویں صدی ق م کے ربیع اول میں حضرت داؤد علیہ السلام نے یہودی قوم کو شکست دے کر یروشلم

پر قبضہ کر لیا اور اسے اپنی عظیم سلطنت کا دار الحکومت بنالیا۔ یہ بڑی تاریخی اہمیت کا اہم تھا۔ یہ شہر نہ تو بنی اسرائیل کے شمالی قبائل کے علاقے میں واقع تھا اور نہ جنوبی قبائل کے علاقے میں۔ لہذا اس کے جغرافیائی محل وقوع نے ریاست کے اتحاد میں اہم کردار ادا کیا۔ آپ نے اپنے محل کے قریب ایک خیمہ لگا کر اور تابوت سیکنہ (Ark of Covenant) کو اس میں منتقل کر کے اس شہر کو قوم کا مذہبی دار الحکومت بھی بنادیا۔ آپ ایک خانہ خدا بھی بنانا چاہتے تھے، البتہ کاتب تقدیر نے انھیں اس بات کی اجازت نہ دی (۲۔ سموئیل ۷)۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے یروشلم میں اپنا محل اور ہیکل (بیت المقدس) تعمیر کروایا۔ انھوں نے شہر کے گرد ایک فصیل بھی تعمیر کرائی، کیونکہ یہ شہر ان کے والد حضرت داؤد علیہ السلام کے دور میں کافی وسعت اختیار کر چکا تھا، تاہم حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد یہ عظیم سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ شمالی سلطنت کا نام اسرائیل تھا اور اس کا دار الحکومت سامرہ (Samaria) تھا۔ جنوبی سلطنت کا نام یہودہ (Judea) تھا اور اس کا دار الحکومت یروشلم تھا۔ شمالی سلطنت میں بنی اسرائیل کے بارہ میں سے دس قبائل آباد تھے، جبکہ جنوبی ریاست میں دو قبائل بس گئے۔ ان دونوں ریاستوں کے مابین اگلی دو صدیوں تک شدید چپقلش چلتی رہی، تاہم ہیکل کی موجودگی کی وجہ سے یروشلم کو ایک مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد کا زمانہ

اس شہر کو ۹۲۲ ق م میں فرعون مصر شیشک (Sheshak) یا شیشونق (Sheshonq I) نے خوب لوٹا۔ نویں صدی ق م کے وسط میں بھی یہ شہر فلسطینیوں اور عربوں کے ہاتھوں کئی مرتبہ لوٹا گیا۔

By the reign of Jehoshaphth the city had again largely recovered its importance (cf. I Kings 22), but in his son Jehoram's reign (849-842 BC) Judah was invaded and the royal house was pillaged by Philistians and Arabs (2 Chron. 21: 16-17).¹⁸

یہوشافت (Jehoshaphth) کے دور حکومت میں شہر نے اپنی اہمیت بڑی حد تک دوبارہ حاصل کر لی تھی، لیکن اس کے بیٹے یہورام (Jehoram) کے دور حکومت (۸۴۹-۸۴۲ ق م) میں

فلسطینیوں اور عربوں نے سلطنت یہودیہ پر چڑھائی کر کے شاہی محلات کو تاخت و تاراج کر دیا (۲-تواریخ ۲۱: ۱۶-۱۷)۔

۸۶ ق م میں بادشاہ امازیہ (Amaziah) کے دور حکومت (۷۹۷-۷۶۷ ق م) میں شمالی ریاست اسرائیل کے بادشاہ یہوعاش (Jehoash) (۷۹۸-۸۲۷ ق م) نے یروشلم پر چڑھائی کی۔^{۱۹} اور بیت شمس (Beth-shemesh) کے مقام پر جنوبی ریاست یہودیہ کو شکست دی۔

(...) and [Jehoash of Israel] brake down the wall of Jerusalem from the gate of Ephraim unto the corner gate, 400 cubits. And he took all the gold and silver, and all the vessels that were found in the house of the Lord [Temple of Solomon], and in the treasures of the king's house, and hostages, and returned to Samaria.²⁰

(...) اور [اسرائیل کے بادشاہ یہوعاش (Jehoash)] نے [یروشلم کی فصیل میں سے باب افرائیم کے مقام سے لے کر بظلی دروازے تک چار سو کیوش (ہاتھ) حصہ گروا دیا۔ اُس نے خانہ خدا اور شاہی محل کے خزانوں سے لٹنے والے تمام سونے چاندی، برتنوں اور بریغالیوں پر قبضہ کر لیا اور سامروہ واپس چلا گیا۔

عمازیہ (Amaziah) کے بیٹے عزاریا (Uzziah/Azariah) نے ۷۶۷ ق م سے لے کر ۷۴۰ ق م تک یہودیہ پر حکمرانی کی۔ اس نے شہر کی فصیل کی مرمت کرائی اور اس کی مضبوطی بڑھانے کے لیے برج تعمیر کرائے۔ عزاریا (Azariah) کے بیٹے احاز (Ahaz) نے اپنی چھوٹی سی ریاست کی کمزوری کا احساس کرتے ہوئے ہمسایہ اشوری سلطنت کے بادشاہ تغلت پالسر سوم (Tiglath-pilser III) کے ساتھ ایک خطیر رقم کے عوض اتحاد کر لیا۔ اُس نے اپنے دین و مذہب کے بارے میں بھی اس حد تک کمزوری کا مظاہرہ کیا کہ یہکل میں اپنی ذاتی عبادات کے لیے تغلت پالسر کے عبادت کے چبوترے سے ملتا جلتا ایک چبوترہ تعمیر کیا (۲-سلاطین ۱۶: ۱۰-۱۲)۔ اُس کا دور حکومت مشرکانہ رسوم و عبادات سے داغ دار ہے۔ اُس نے یہاں تک کیا کہ نئی دان (انسانی قربانی) کے طور پر اپنے بیٹے کو آگ پر سے گزارا (۱-سلاطین ۱۶: ۳-۴؛ مزید دیکھیے ۲-تواریخ ۲۸: ۳)۔

اشوریوں کے ہاتھوں تباہی

ہوشیاہ (Hoshea) کے دور حکومت (۷۲۲-۷۲۱ ق م) میں ۷۲۲ ق م میں اشوری بادشاہ شلمانسر (Shalmaneser) کے بیٹے سارغون دوم (Sargon II) نے شمالی سلطنت اسرائیل کے دارالحکومت سامرہ پر قبضہ کر کے اس سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور قریباً 27,290 بنی اسرائیلیوں کو اسیر جنگ بنا کر سامریہ سے گوزان (Gozan)، حاران (Harran)، میڈیا (Media)، حولہ (Hullah)، اور نینوا (Ninevah) میں لے جا لیا۔ اُس وقت جنوبی ریاست یہودیہ پر بادشاہ احاز (Ahaz) (۷۲۲-۷۱۶ ق م) کی حکومت تھی۔

جنوبی سلطنت یہودیہ پر شاہ احاز (Ahaz) کے بعد اس کا بیٹا حزقیاہ (Hezekiah) (۷۱۶-۷۰۶ ق م) تخت نشین ہوا۔ اُس نے بعض مذہبی اصلاحات نافذ کیں۔ حزقیاہ (Hezekiah) کے بعد اس کا بیٹا منسی (Manasseh) (۶۸۶-۶۴۳ ق م) حکمران بنا۔ اس نے قریباً پچاس سال یہودیہ پر حکومت کی۔ اُس کا دور حکومت اسرائیلی مذہب کے لیے تاریک زمانہ ثابت ہوا۔ اس نے ہیکل سلیمانی تک میں بتوں کی پرستش کو رواج دیا۔ وہ اسرائیلی مذہب کو بھی برداشت نہیں کرتا تھا۔ اشوری بادشاہ سینا قرب (Sennacherib) (۷۰۵-۶۸۱ ق م) ۷۰۱ ق م میں قید کر کے اُسے اپنے ساتھ بابل لے گیا۔ نامعلوم عرصے تک وہاں قید رہنے کے بعد وہ واپس یروشلم آ گیا۔

یہودیہ کی تاریخ نے ایک اور کروٹ لی اور عمون (Amon) کا بیٹا یوساہ (Josiah) (۶۴۰ ق م) میں یہاں کا بادشاہ بنا۔ اس نے ہیکل میں موجود بت پرستی کی تمام باقیات کو وہاں سے ہٹایا اور ہیکل کے تقدس اور عظمت کو بحال کیا اور اس کی مرمت اور تزئین کے کام کا آغاز کیا۔ دورانِ مرمت قریباً ۶۲۱ ق م میں اس وقت کے سردار کاہن حلقیہ (Hilkiah) کو ہیکل میں سے 'خداوند کے قانون کی کتاب' کا ایک نسخہ ملا۔ یہ میاہ نبی نے حلقیہ کی سلطنت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تعلیم و تربیت کی توسیع و اشاعت کے سلسلے میں اُس کی مدد کی۔ اُس نے بت پرستی اور اودام پرستی کا ہر نقش مٹا دینے کی کوششیں کیں۔ یوساہ کو ۶۰۹ ق م میں فرعون مصر نیحو (Necho) کے ساتھ جنگ کے دوران

میں اسدرا لون (Esdras) کی وادی میں ایک مہلک ضرب آئی اور یروشلم پہنچنے سے قبل ہی وہ موت کی آغوش میں چلا گیا۔

یہودیہ کے مشرق کی جانب اسی دوران میں ایک اہم واقعہ رونما ہوا۔ بابلیوں نے اشوری سلطنت کے دارالحکومت نینوا پر قبضہ کر لیا۔ ۶۱۲ ق م میں بابلیوں نے اشوریوں سے یروشلم کی حکمرانی بھی چھین لی۔ انھوں نے ۶۰۹ ق م میں اشوری سلطنت کا مکمل خاتمہ کر دیا۔ انھوں نے یروشلم کو تاخت و تاراج کیا اور اس کے بادشاہ کو بابل لے گئے۔

اسی دوران میں یرمیاہ نبی (تقریباً ۶۲۰-۵۸۰ ق م) نے بیابلیس (تقریباً ۶۲۶-۵۸۳ ق م) سال تک نبوت کے فرائض سرانجام دیے۔ وہ یروشلم کے گلی کوچوں اور ایوان اقتدار میں جا کر اس بات کی پیشین گوئی کرتے رہے کہ شہر پر تباہی آنے والی ہے۔ بادشاہ اور اُس کے دربار میں یہ پیغامات سخت غمے اور نفرت کے ساتھ سنے گئے (کتاب یرمیاہ ۳۶: ۲۳)۔

بابلیوں کے ہاتھوں تباہی

نیبوکدنصر دوم (Nebuchadnezzar II) نے ۵۹۷ ق م میں یروشلم پر قبضہ کر لیا۔ یروشلم کا تمام خزانہ لوٹ لیا گیا۔ بہت سے یہودی بٹھول یہو یا کین (Jehoiachin) اور حزقی ایل (Ezekiel) جلا وطن کر دیے گئے۔ نیبوکدنصر (معروف نام بخت نصر) نے صدیقیاہ (Zedekiah) کو یروشلم کا بادشاہ نامزد کر دیا۔ صدیقیاہ (Zedekiah) نے دس سال بعد نیبوکدنصر کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا۔ نیبوکدنصر نے ایک برس سے زائد عرصہ تک شہر کا محاصرہ جاری رکھا۔ یہاں تک کہ قحط نے شہر کو دیران کر دیا۔ رات کے وقت تمام جنگجوودیواروں کے درمیان والے دروازے سے، جو شاہی باغ کے قریب تھا، فرار ہو گئے۔ بادشاہ خود بھی عربہ (Arabah) کی طرف چلا گیا، لیکن یریحو کے میدان میں اُسے گرفتار کر لیا گیا۔ بابل سے غداری اور بے وفائی کی وجہ سے اُسے عبرت ناک سزا دی گئی (۲-سلاطین ۱: ۲۵-۷)۔ شہر اور بیکل میں لوٹ مار کے بعد آگ لگا دی گئی۔ یروشلم کی فصیل کو گرا دیا گیا (۲-سلاطین ۲۵: ۸ و بعد اور ۲-تواریخ ۳۶: ۱۷ بعد)۔ غالب

امکان یہ ہے کہ تابوتِ سیکینہ کو بھی اسی دوران میں غائب کر دیا گیا۔

شہنشاہِ ایران کے تحتِ باج گزاری

۵۳۸ ق م میں ایرانی بادشاہِ خورس (Cyrus) نے بابلی سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ اُس نے یہودیوں کو یروشلم واپس جانے اور خداوند کا گھر دوبارہ تعمیر کرنے کی اجازت دے دی (عزرا ۱: ۱۱ اور بعد)۔ یہودیہ کے شہزادے شش بضر (Sheshbazzar)، جو ایک صوبے کا گورنر بھی تھا، کی سربراہی میں چالیس ہزار سے زیادہ لوگ واپس آئے اور یہکل کے مقدس ظرف بھی اپنے ساتھ لائے۔ روزانہ کی قربانیوں کا دوبارہ اجرا ہوا اور دعوتیں اور روزے بحال کر دیے گئے (عزرا ۳: ۳-۷)۔ واگزار کردہ یہکل سلیمانی کی بنیادیں رکھی گئیں (عزرا ۳: ۱۰، ۱۶: ۵)، لیکن سامریوں اور علاقے کے لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے عمارت کی تعمیر کہیں تک نہیں سال بعد جا کر مکمل ہو سکی (عزرا ۴: ۱۵)۔

مارچ ۵۱۶ ق م میں معبد کی عمارت مکمل ہو گئی اور ۵۱۵ ق م میں یروشلم کو خود مختاری کا درجہ دے دیا گیا اور اسے سلطنتِ یہودیہ کا دار الحکومت بنا دیا گیا۔

نحمیاہ نبی نے ۴۴۴ ق م میں شہر کی قلعہ بندیوں اور فصیل کی تعمیر کی۔ یہ نئی تعمیر باون دنوں میں مکمل ہوئی۔ بلاشبہ یہ دیوار اُس دیوار کی نسبت کمزور تھی جسے نبیوخدنصر نے ۵۲ سال پہلے گرا دیا تھا، تاہم نئی تعمیر کردہ دیوار کو انہی بنیادوں پر استوار کیا گیا تھا اور اس کا ڈھانچا بھی وہی تھا۔ اس شہر کے آئندہ سو سال کی تاریخ 'انٹرنیشنل اسٹینڈرڈ بائبل انسائیکلو پیڈیا' میں ان الفاظ میں بیان کی جاتی ہے:

For the next 100 years we have scarcely any historical knowledge of Jerusalem. A glimpse is afforded by the papyri of Elephantine where we read of a Jewish community in Upper Egypt petitioning Bagohi, the governor of Judea, for permission to rebuild their own temple to Yahweh in Egypt; incidentally they mention that they had already sent an unsuccessful petition to Johanan the high priest and his colleagues in Jerusalem. In another document we gather that this petition to the Persian governor was granted. These documents must date about 411-407 BC. Later, probably about 350, we have somewhat ambiguous references to the destruction of Jerusalem and the captivity of numbers of Jews in the time of Artaxerxes (III) Ochus (358-337 BC). With the battle of Issus and Alexander's

22. Palestinian campaign (ca. 332 BC), we are upon surer historical ground.

یروشلم کی آئندہ سوسال کی تاریخ کے متعلق بہت کم معلومات دستیاب ہیں۔ اس کی ایک معمولی سی جھلک ہیلینسٹک پیرائرس میں دیکھی جاسکتی ہے جہاں ہم بالائی مصر کی ایک یہودی کمیونٹی کے متعلق پڑھتے ہیں کہ انھوں نے یہودیہ کے گورنر بگوہی (Bagohi) کے دربار میں درخواست دائر کی کہ انھیں مصر میں یہوداہ (Yahweh) یعنی اللہ تعالیٰ کے یہیل کی تعمیر نو کی اجازت دی جائے۔ ضمنی طور پر انھوں نے یہ بھی ذکر کیا کہ انھوں نے پہلے بھی سردار کاہن یوحانن (Johanan) اور اُس کے یروشلم کے دیگر رفقا کو ایک درخواست پیش کی تھی جو شرف قبولیت حاصل نہ کر سکی تھی۔ ایک اور دستاویز سے پتہ چلتا ہے کہ یہ درخواست چلانے کے ایرانی گورنر کو پیش کی گئی تھی اور اسے قبول کر لیا گیا تھا۔ یہ دستاویزات ۳۱۷ تا ۳۱۱ ق م کے دوران کی معلوم ہوتی ہیں۔ بعد ازاں غالباً ۳۵۰ ق م کے قریب، ہمیں کچھ ہم سے حوالے ملتے ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اطرخس سوم (Artaxerxes III Ochus) کے زمانے (۳۵۸-۳۳۷ ق م) میں یروشلم تباہ کر دیا گیا اور یہودیوں کی ایک بڑی تعداد کو غلام بنالیا گیا۔ جنگ عیسوس (Issus) اور اسکندر اعظم کی فلسطین پر چڑھائی (قریباً ۳۳۲ ق م) کی بدولت ہمیں زیادہ قابل یقین تاریخی بنیاد دستیاب ہوئی ہے۔

یونانی دور

سلطنت فارس کے زوال پذیر ہونے میں مقدونیہ (یونان) کے عظیم فاتح اسکندر کی فتوحات کا بہت عمل دخل ہے۔ اسکندر کی فتوحات کا آغاز قریباً ۳۳۳ ق م سے شروع ہوا اور ۳۲۳ ق م میں اس کی وفات تک تسلسل کے ساتھ جاری رہا۔ مصر کے بطلموسوں اور انطاکیہ (شام) کے سلوسیوں (Seleucids) میں گھبر کر فلسطین کو بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ یہ باری باری اس کے حکمران بنتے رہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ایک موقع پر فلسطینیوں کی طرف سے ادا کردہ خراج ان دونوں کے درمیان تقسیم ہوا۔ بطلمیوس نے اسکندر یہ فتح کر کے اسے ریاست کا دار الحکومت بنا دیا۔ ۳۲۱ ق م میں بطلمیوس سوتر (Ptolemy Soter) نے فلسطین پر حملہ کیا اور کہا یہ جاتا ہے کہ چال بازی سے یروشلم پر قبضہ کر لیا۔ اُس نے یہ ظاہر کیا کہ وہ قربانی ادا کرنے کے لیے بے تاب ہے اور اس بہانے سب

کے دن شہر میں داخل ہو گیا۔ وہ اپنے بہت سے یہودی اسیروں کو مصر لے گیا اور انہیں وہاں آباد کر دیا۔ ان متحارب بادشاہوں کے درمیان آویزشوں میں اگرچہ فلسطین کو بہت نقصان اٹھانا پڑا، تاہم بذاتِ خود دار الحکومت مصر کی حکمرانی کے تحت محفوظ رہا، کیونکہ یہ الگ تھلگ جگہ پر واقع تھا۔ ۲۱۷ ق م میں بطلمیوس چہارم فلوپیٹر (Ptolemy IV Philopator) نے رافہ کے مقام پر انطیوکس سوم (Antiochus III) کو شکست دینے کے بعد یروشلم میں واقع ہیکل کا دورہ کیا اور قربانیاں پیش کیں۔ بیان کیا جاتا ہے (۳- مکیا یون ۱: ۱-۷) کہ وہ قدس الاقداس میں بھی گیا تھا۔

انطیوکس اعظم سوم (۲۲۳-۱۸۷ ق م) نے ۱۹۸ ق م میں بطلمیوس پنجم کو شکست دی جس کے نتیجے میں فلسطین پر سلیوسیوں کا قبضہ ہو گیا۔ یہودیوں نے عکرہ کے مقام پر مصریوں کی چھاؤنی کا محاصرہ کرنے میں اُس کی مدد کی۔ یسوع بن سیرہ نے اس زمانے کے قریب (۱۹۰-۱۸۰ ق م) شہر کی خوش حالی کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ یہودیوں کو مصریوں کے ماتحت کافی حد تک خوش حالی اور مذہبی آزادی حاصل تھی، لیکن سلیوسیوں کے نئے حکمران نے ٹیکسوں میں اضافہ کر دیا اور یہودی عقائد پر ایمان کو سلیوسی حکمرانی کے خلاف بغاوت تصور کیا جانے لگا۔ انطیوکس سوم کو ۱۹۰ ق م میں میگنیشیا (Magesia) کے مقام پر رومیوں کے ہاتھوں شکست اٹھانا پڑی۔ جو اُس کے بیٹے انطیوکس چہارم کو یرغمال بنا کر روم لے گئے۔ انطیوکس چہارم کو ۱۷۵ ق م میں دیمیتریوس (Demetrius) کے بدلے میں رہا کر دیا گیا اور اُسے شام کے تخت پر قابض ہونے (۱۷۵-۱۶۴ ق م) کی اجازت دے دی گئی۔ انطیوکس چہارم نے جلدی سے ایک بڑی فوج کے ساتھ یروشلم پر حملہ کیا، اس پر قبضہ کر لیا، لوگوں کا قتل عام کیا اور ہیکل کو تاخت و تاراج کر دیا (۱- مکیا یون ۲۰: ۱-۲۲)۔ ایسا لگتا ہے کہ دو سال بعد مصر میں رومیوں کے تسلط سے خوف زدہ ہو کر انطیوکس نے مُصْتَم ارادہ کر لیا کہ وہ کسی بھی قیمت پر یروشلم میں مصر کے حمایتیوں کو نہیں رہنے دے گا۔ ۱۶۸ ق م میں اُس نے اپنے خراج کے مُنْقَطِع اعلیٰ کو اُدھر روانہ کیا جس نے ایک مضبوط فوج کے ساتھ شہر پر حملہ کیا اور اُس میں داخل ہو گیا (۱- مکیا یون ۳۰: ۱)۔ اُس نے شہر میں خوب لوٹ مار کا بازار گرم کیا، اُسے نذر آتش کر دیا اور فصیل شہر

اور آبادیوں کو سمار کر دیا۔ اُس نے لوگوں کا قتل عام کیا اور بہت سی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا کر فروخت کر دیا (۱- مکیہوں ۳۱:۱-۲، ۳۵-۲، مکیہوں ۲۴:۵)۔ اُس نے یروشلم کے عظیم ہیکل کو نیست و نابود کر دیا اور یہودیہ کے لوگوں کو بت پرست بنانے کی کوشش کی۔

'انٹوشٹل اسٹینڈرڈ انسائیکلو پیڈیا' واضح کرتا ہے:

He [Antiochus IV] sacrificed swine upon the holy altar, and caused the high priest himself --- a Greek in all his sympathies --- to partake of the impure sacrificial feasts; he tried by barbarous cruelties to suppress the ritual of circumcision. In everything he endeavoured, (1) to organize Jerusalem as a Greek city, and to secure his position he built a strong wall, and a great tower for the Akra, and, having furnished it well with armor and victuals, (2) he left a strong garrison. But the Syrians had overreached²⁴ themselves this time, and the reaction against persecution and attempted religious suppression produced the great uprising of the Maccabees.²⁵

اُس [انٹیوخس] نے مقدس چبوترے پر خنزیروں کی قربانیاں پیش کیں اور سردار کاہن کو، جو خود بھی اپنی تمام ہمدردیوں کے لحاظ سے ایک یونانی تھا، ان ناپاک قربانیوں کی ضیافتوں میں شامل کیا۔ اُس نے وحشیانہ مظالم کے ذریعے سے تختے کی رسم ختم کرنے کی کوشش کی۔ ہر بات میں اُس نے کوشش کی کہ (...) یروشلم کو ایک یونانی شہر کی طرح منظم کرے اور اپنی پوزیشن منظم کرنے کے لیے اُس نے ایک مضبوط دیوار اور عکرہ کے لیے ایک عظیم برج تعمیر کیا اور اسے اچھی طرح اسلحہ اور سامانِ رسد فراہم کر کے وہاں ایک مضبوط فوج مقرر کی، لیکن اس دفعہ شامیوں کو اپنی ناممکن انجمنوں کاوشوں میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور جبر و استبداد اور مذہبی تشدد سے شدید ردِ عمل پیدا ہوا اور مکیابی اس کے خلاف پوری طرح اٹھ کھڑے ہوئے۔

مکیابی (حسمونی) بغاوت

۱۶۷ ق م میں مودون شہر کے ایک یہودی پیشوا متاتیا (Mattathias) نے انٹیوخس کی عائد کردہ پابندیوں کو ماننے سے انکار کر دیا اور اپنے بچوں کو ساتھ لے کر لڈ (Lydda) کی بیرونی پہاڑیوں کی طرف فرار ہو گیا اور علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ ۱۶۵ ق م میں متاتیا (Mattathias) انتقال کر گیا اور اُس کے بعد اُس کے بیٹوں نے بغاوت جاری رکھی۔ یہودہ مکیابی اور اس کے بھائیوں

نے یروشلم کو شامیوں کے قبضے سے واپس لے کر لایا۔ انھوں نے عظیم ہیکل کو مشرکانہ آلائشوں اور بتوں سے پاک کیا، مقدس قربان گاہ کو از سر نو تعمیر کیا اور ہیکل کی عبادتی سرگرمیوں کو بحال کیا۔

ابتدا میں یہودہ (مکابی) نے تین شامی افواج کو کھلے میدان میں شکست دی، لیکن وہ عکبرہ میں تعینات فوجی دستوں کو نہ نکال سکا۔ ۶۳ ق م میں ایک عظیم شامی لشکر ان دستوں کی مدد کے لیے بھیجا گیا جو سخت وباؤ میں تھے۔ لائیسیا (Lysias) اپنے نوجوان بادشاہ (انیوکس پنجم) کی بذات خود مدد سے جنوبی سمت سے بیت زور (Beth-Zur) کے راستے شہر میں پہنچا۔ بیت زور (Beth-Zachariah) کے مقام پر یہودیوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اور یہودہ کا بھائی الیعزر (Eleazer) مارا گیا۔ جلد ہی یروشلم پر بھی قبضہ ہو گیا۔ کوہ صیہون (Zion) پر واقع قلعہ جس نے بیت المقدس کو گھیرا ہوا تھا، ایک معاہدے کے تحت اُن کے حوالے کر دیا گیا مگر جب بادشاہ کو اُس کی قوت کا علم ہوا تو اُس نے اپنا معاہدہ ختم کر دیا اور قلعہ ہندوئوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ (۱- مکابیان ۶: ۶۲)، لیکن اس مایوس کن صورت حال میں بھی یہودہ اور اُس کے پیروکار محفوظ رہے۔ فلپس نامی ایک جمہور نے مدعی نے سلطنت کے کسی دور دراز علاقے میں علم بغاوت بلند کر دیا۔ اور لائیسیا (Lysias) کو مجبوراً قوم پرست یہودیوں کے ساتھ ایسی شرائط پر صلح کرنی پڑی جو یہودہ کی شکست سے پہلے سے بھی زیادہ اُن کے حق میں تھیں، تاہم عکبرہ کی فوجی چھاؤنی برقرار رہی تاکہ یہودیوں کو یہ بات یاد رہے کہ وہ آزاد نہیں ہیں۔ ۶۱ ق م میں ایک دوسرے شامی جرنیل نکانور (Nicanor) کو یہودہ کے خلاف بھیجا گیا، لیکن وہ پہلے تو دوستی کے جال میں پھنس گیا اور بعد میں یونانیوں کے گردو گداز کے براہیئت کرنے پر جب وہ یہودہ پر حملہ کرنے کے لیے مجبور ہو گیا تو اُس نے جلدی میں ترتیب دی ہوئی فوج کے ساتھ حملہ کیا اور یروشلم کے قدرے شمال میں عداہ کے مقام پر شکست سے دوچار ہوا، تاہم یہودہ یہ جشن فتح منانے کے لیے زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکا۔ ایک ماہ بعد ہی یروشلم کے سامنے بشائیڈز (Bacchides) نمودار ہوا اور اپریل ۶۱ ق م میں یہودہ اُس کے ساتھ جنگ میں بریج (Berea) کے مقام پر مارا گیا۔

۱۵۲ ق م تک اس علاقے پر عملایہودہ کے بھائی جوناٹھن (Jonathan) کی حکمرانی تھی۔ اس نے اتنی کامیابیاں حاصل کیں جو اس کے خاندان میں اس سے پہلے کسی نے حاصل نہ کی تھیں۔ اسے سردار کا بہن مقرر کر دیا گیا اور ریاست یہودیہ کے بادشاہ کا نائب بھی بنا دیا گیا۔ اس نے شہر کی مرمت کی اور بیکل کی قلعہ بندیوں کو بحال کیا۔ اس نے فصیل شہر کو مزید بلند کیا اور مشرقی فصیل کا ایک وسیع حصہ تعمیر کیا۔ اس نے شامی دستوں کو الگ تھلگ کرنے کے لیے عکرہ (Akra) اور شہر کے درمیان ایک بڑا ٹیلہ بھی تعمیر کرایا۔

جوناٹھن کے بعد سائمن یہاں کا حکمران بنا۔ اس نے ۱۳۹ ق م میں عکرہ (Akra) پر قبضہ کر کے اسے تاخت و تاراج کیا۔ اور اُس پہاڑی کو پیوند خاک کر دیا جس پر یہ قائم تھا۔ ۱۳۵ ق م میں سائمن کا بیٹا جون ہارکنیس (John Hyrcanus) اُس کا جانشین بنا۔ اُس نے ۱۳۵ سے ۱۰۴ ق م تک یہودیہ پر حکومت کی۔

مکابی کی اصطلاح عام طور پر جیتا تھیا (Mattathias) اور اس کے بیٹوں کے لیے استعمال ہوتی ہے، جبکہ حموئی (Hashmonean) کی اصطلاح جون ہارکنیس (John Hyrcanus) اور اس کی اولاد کے دور حکمرانی (۱۳۵ - ۶۳ ق م) کے لیے مستعمل ہے۔ ۱۳۴ ق م میں انٹیوکس ہفتم (Antiochus VII Sides) نے یروشلم پہنچ کر جون ہارکنیس کا محاصرہ کر لیا۔ جون ہارکنیس نے یرغالی اور بھاری خراج دے کر اپنی جان چھڑائی۔ مکینزی (McKenzie) اپنی لغت بائبل میں لکھتا ہے:

After the death of Antiochus VII in 128 Judea was practically independent. John ruled with the title of ethnarch and high priest. He extended Jewish rule over E Palestine and Edom, where he forced the Edomaeans to submit to circumcision. He attacked Samaria and destroyed the temple of Samaritans on Mt. Gerizim. The Pharisees, alarmed at his ambitions and secular character of his rule, broke with Hasmoneans during his reign.

Aristobulus I (105-104), son of John Hyrcanus: He imprisoned his mother, to whom the sovereignty had been bequeathed by the will of John, and imprisoned his brothers except Antigonus, whom he associated with himself in government but later assassinated. Aristobulus assumed the title of king.

Alexander Jannaeus (Jonathan), brother of Aristobulus I

(104-76): Salome Alexandra, widow of Aristobulus, released her brothers-in-law from prison and set Jonathan, who preferred to go by his Greek name, upon the throne. Alexander extended the Jewish kingdom, in spite of a number of setbacks, almost to the limits of the ancient kingdom of David. (...) Alexander extended his rule over Philistia (capturing it from Ptolemy Lathyrus of Egypt's Control) and (...) some of the Hellenistic cities. In his expansion northward in Palestine he confronted the Nabatean king Obadath, who held Damascus and halted his advance in that direction. This defeat aroused his adversaries among his own people, who summoned help from the Selucid king Demetrius III Eukairos. Demetrius invaded Judea and defeated Alexander. The defeat, however, turned the patriotism of the Jews to sympathy with Alexander; Demetrius, thus deprived of support, was forced to withdraw. Alexander revenged himself by having 800 of his Jewish captives and their wives and children executed before their eyes; he himself dined with his concubines, watching the spectacle. Antiochus XII Dionysus, the successor of Demetrius III, invaded Palestine, and Alexander was unable to resist him; but after Antiochus was defeated and killed by the Nabateans, Alexander continued his conquest in E Palestine. (...)

Salome (75-67), widow of Alexander Jannaeus: She appointed Hyrcanus II, the elder son of Alexander, high priest and recognizing the unchecked ambition of Aristobulus II, the younger son, kept him in private life. After her death the civil war between Hyrcanus and Aristobulus led each brother to seek the assistance of Pompey, then engaged in his eastern conquests. Aristobulus, however, finally refused Roman arbitration; and Pompey attacked and took Jerusalem in 63 BC. He ended the Hasmonean monarchy, detached the territories conquered by earlier Hasmonean rulers, and made Judea part of the province of Syria.²⁸

۱۲۸ ق م میں انٹیوکس ہفتم کی موت کے بعد یہودی عملاً آزاد ہو گیا۔ جون نے قومی حکمران اور سردار کاہن کے لقب کے ساتھ حکمرانی کی۔ اُس نے مشرقی فلسطین اور اودوم تک یہودی حکمرانی کی توسیع کی، جہاں اُس نے ادومیوں کو ختم کی رسم اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ اُس نے سامریہ پر حملہ کیا اور کوہ جریزیم (Gerizim) پر واقع سامریوں کا یہیکل تباہ کر دیا۔ فریسیوں نے اُس کی اینگوں اور اُس کی حکمرانی کے لادینی کردار سے بدک کر اُس کے دور حکومت میں حسودنیوں سے اپنا رابطہ منقطع کر لیا۔

جون ہارکنیس کے بیٹے ارسطوبولس اول (Aristobulus I) نے، جو ۱۰۵ سے ۱۰۴ ق م تک حکمران رہا، اپنی والدہ کو گرفتار کر لیا۔ جس کے حق میں جون ہارکنیس نے حکمرانی کی وصیت کی تھی۔ اُس

نے انٹی گونس (Antigonos) کے سوا اپنے تمام بھائیوں کو بھی گرفتار کر لیا۔ انٹی گونس کو اُس نے اپنے ساتھ شریک اقتدار کر لیا، لیکن بعد میں اُس کو بھی قتل کر دیا۔ ارسطو یولس نے بادشاہ کا لقب اختیار کیا۔

ارسطو یولس کی بیوہ سلوی الیگزندرہ (Salome Alexandra) نے ارسطو یولس کے بھائی اور اپنے دیورسکندر جنینیس (Alexander Jannaeus or Jonathan) کو قید سے رہا کر کے اُسے تخت پر بٹھا دیا۔ اُس نے اپنے لیے جو ناٹھن کا یونانی نام اختیار کرنا پسند کیا۔ الیگزندرہ جو ناٹھن نے یہودی حکمرانی کو، متعدد مشکلات کے باوجود، قریباً قدیم سلطنت داؤد کی حدود تک وسیع کر دیا۔ (...)۔ الیگزندرہ نے اپنی حدود سلطنت کو بعض یونانی شہروں تک اور فلسطیہ تک، جسے اُس نے مصر کے بطلمیوس لیتھارس (Ptolemy Lathyrus) کے قبضے سے چھڑایا تھا، پھیلادیا۔ شمال کی طرف فلسطین میں اپنی توسیعی سرگرمیوں کے سلسلے میں اُس کو بطلمیوں (Nabatean) کے بادشاہ عبودت (Obodath) کا سامنا کرنا پڑا جو دمشق پر قابض تھا۔ اُس نے اس سمت میں جو ناٹھن کی پیش قدمی کو روک دیا۔ اس شکست نے اُس کی اپنی قوم ہی میں سے اُس کے مخالفین پیدا کر دیے، جنہوں نے سیلوسی بادشاہ دیمتریس سوم یوکیراس (Demetrius III Eukairos) سے امداد طلب کر لی۔ دیمتریس نے یہودیہ پر حملہ کر دیا اور الیگزندرہ کو شکست دی، تاہم اس شکست نے یہودیوں میں جذبہ قومیت بیدار کر کے اُن کے دل میں الیگزندرہ کے لیے ہمدردی پیدا کر دی۔ اس طرح اُن کی مدد سے محروم ہو کر دیمتریس کو دم دبا کر بھاگنا پڑا۔ الیگزندرہ نے اپنے ۸۰۰ یہودی اسیروں اور اُن کے بیوی بچوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے تہ تیغ کرا کے اپنی آتش انتقام کو ٹھنڈا کیا اور اس دوران میں وہ اس منظر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اپنی کینروں کے ساتھ ناؤ فروش کے مزے لیتا رہا۔ دیمتریس سوم کے جانشین انٹیوکس دوازدہم ڈائیونائی سس (Antiochus XII Dionysus) نے فلسطین پر حملہ کیا اور الیگزندرہ اُس کا مقابلہ نہ کر سکا، لیکن نبطیوں کے ہاتھوں انٹیوکس کے شکست کھانے اور مارے جانے کے بعد الیگزندرہ نے مشرقی فلسطین میں اپنی فتوحات جاری رکھیں۔ (...)

الیگزندرہ کی بیوہ سلوی (۷۵-۶۷ ق م) نے الیگزندرہ کے بیٹے ہارکینس دوم کو سردار کاہن مقرر کیا اور اُس کے چھوٹے بیٹے ارسٹو یولس دوم کی غیر محدود امنگوں کو بھانپتے ہوئے اُسے منظر عام پر نہ آنے دیا۔ سلوی کی موت کے بعد اُن دونوں بھائیوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی جس کی وجہ سے ہر

ایک پومپی (Pompey) سے مدد کا طالب ہوا، جو اُس وقت اپنی مشرقی فتوحات میں مصروف تھا، تاہم بالآخر استویولس نے رومیوں کی ثالثی قبول کرنے سے انکار کر دیا اور پومپی نے ۶۳ ق م میں یرشلیم پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ اُس نے حمونیوں کی حکمرانی ختم کر دی، قدیم حمونی حکمرانوں کے مفتوحہ علاقوں کو اس سے الگ کر دیا اور یہودیہ کو شام کے صوبے کا حصہ بنا دیا۔

رومی دور

یونانی حکومت کے زوال کے بعد اس مقدس سرزمین پر رومیوں کی فرماں برداری قائم ہو گئی۔ رومی دور حکومت میں خطہ اسرائیل کو فلسطین (Palestine) کے نام سے موسوم کیا جانے لگا اور یرشلیم شہر کو ایلیا کے نام سے۔

رومی فرماں بردار پومپی (Pompey) نے ہائرکنس (Hyrcanus) کو سردار کاہن کے منصب پر توبہ قرار رکھا، لیکن اُسے بادشاہ کا لقب اختیار کرنے سے منع کر دیا۔ اس نے احتراماً نیکل کے خزانے پر کوئی دست درازی نہ کی، البتہ شہر پر بہت معمولی سائیکس عائد کر دیا اور شہر کی تفصیل کو منہدم کر دیا، ارستویولس دوم (Aristobulus II) کو قیدی بنا کر روم منتقل کر دیا گیا اور شہر رومی سلطنت کا باج گزار بن گیا۔ پومپی نے احتراماً نیکل کا جو خزانہ وغیرہ محفوظ رہنے دیا تھا، اُسے ایک لالچی رومی جرنیل کراس (Crassus) نے ۵۴ ق م میں تاخت و تاراج کر دیا۔

انٹی پیٹر (Antipater) کی مصر میں رومی بادشاہ جولیس سیزر (Julius Caesar) کے لیے گراں قدر خدمات کے عوض میں ۴۷ ق م میں اُسے ملک کا نگران مقرر کر دیا گیا۔ اسی دوران میں سیزر نے ہائرکنس کو تفصیل شہر کی تعمیر نو کی اجازت بھی دے دی۔ انٹی پیٹر نے اپنے بڑے بیٹے فیلیس (Phasealus) کو یرشلیم کا گورنر بنایا اور چھوٹے بیٹے ہیرڈ (Herod) کو گلیل (Galilee) کا تخت سونپ دیا۔

جولیس سیزر نے ہائرکنس کو سردار کاہن کے طور پر برقرار رکھا۔ اس کے علاوہ اسے قومی حکمران کے اختیارات بھی تفویض کر دیے۔ اُس نے ہیرد کے باپ انٹی پیٹر ادوی کو اس کا دزیراعظم اور یہودیہ کا نگران مقرر کیا۔ انٹی پیٹر کے قتل پر اُس کے بیٹوں ہیرد اور فیلیس نے ہائرکنس

کے ساتھ مل کر (ہارکنیس کے بھتیجے اور ارسطوبولس کے بیٹے) انٹی گونس (Antigonus) کا مقابلہ کیا۔ جس نے ایک پارتنی (Parthians) فوج کے ساتھ یروشلم پر چڑھائی کر دی۔ ہیرودیس نکلا۔

۴۰ ق م میں رومی سلطنت کی مینیٹ کے حکم سے ہیرود کو اس کے باپ کے بعد یہودیہ کے نگران کے طور پر اس کا جانشین مقرر کر دیا گیا، لیکن اسی سال پیکورس (Pacorus) اور برزافارنیز (Barzapharnes) کی سربراہی میں پارتنیوں نے یروشلم پر قبضہ کر کے یہاں خوب لوٹ مار کی۔ اور انٹی گونس کو دوبارہ یروشلم کی حکومت سونپ دی۔ انھونی نے ۳۷ ق م میں ہیرود کو یہودیہ کا حاکم مقرر کر دیا۔ اس نے پانچ ماہ کے محاصرے کے بعد یروشلم کو فتح کر لیا۔ انھونی کے حکم پر انٹی گونس کو قتل کر دیا گیا۔ ہیرود نے سمونی سرداروں کو، یہودیوں کی فقہی کونسل (Sanhedrim) کے تمام اراکین کو، اور باآخری سمونی سردار ہارکنیس کو بھی قتل کر دیا۔

ہیرود کا سب سے نمایاں کارنامہ ہیکل کو نئے سرے سے اس کی اصل بنیادوں سے تعمیر کرنا تھا۔ اس کی تعمیر نو کے کام کا آغاز ۱۹ یا ۲۰ ق م میں ہوا۔ قریباً ایک ہزار خصوصی طور پر تربیت یافتہ کاتبوں کی مدد سے اس مقدس عبادت گاہ کی تعمیر ۱۱۰ یا ۱۱۱ ق م میں مکمل ہوئی۔ ہیکل سے متصل ایوان کی تعمیر ۹ ق م میں پایہ تکمیل کو پہنچی، تاہم ہیکل کی تعمیر کی حتمی تکمیل ہیرود اگراپم (Herod Agrippa II) اور نگران حکمران الباہینس (Albinus) کے زیر انتظام ۶۳ یا ۶۴ء میں ہوئی۔ ہیرود اول نے قدیمی فصیل پر چار عظیم برج بھی تعمیر کیے تھے۔ ۴ ق م میں ہنگامے شروع ہو گئے اور تھوڑے عرصے بعد ہی ہیرود اول فوت ہو گیا۔ اس کا انتقال حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے چند مہینے بعد ہوا تھا۔ حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کی پیدائش ۱-۵ عیسوی کے دوران میں کسی وقت ہوئی تھی۔ آپ کی وفات کے متعلق فوسٹ کی لغات بائبل میں درج ہے:

At the Passover A.D. 30 our Lord's crucifixion and resurrection took place.²⁹

سن ۳۰ عیسوی میں عید فصح کے موقع پر ہمارے خداوند کی سولی اور قیامت کا واقع رونما ہوا تھا۔

رومی بادشاہ کلیگولا (Caligula) نے حکم دیا کہ ہیکل میں اس کا مجسمہ تعمیر کیا جائے۔ یہود نے

اس شرکانہ حرکت کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ بالآخر اگر پا (Agrippa) کی مداخلت کے نتیجے میں کیلیکولا اپنا حکم واپس لینے پر راضی ہو گیا۔ ۴۵ عیسوی میں فلسطین شدید قحط سالی کا شکار ہو گیا جو قریباً دو سال تک جاری رہا۔

رومی بادشاہ جیسس فلورس (Gessius Florus) نے اہل یہودیہ کے مذہبی جذبات کو بھیس پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اس نے تمام شہروں کو تاخت و تاراج کرایا اور لائبروں کو بلا خوف عقوبت تمام جرائم کی کھلی چھٹی دے دی۔ اس نے ہیکل سے بھی خزانہ لوٹنے کی کوشش کی، لیکن شہر کے بالائی حصے کی لوٹ مار کے بعد اس میں ناکام رہا۔ انانیاں (Ananias) کے جو اس سال بیٹے الیعزر (Elcazer) کے زیر قیادت اہل یہودیہ کے ایک گروہ نے رومی بادشاہ کو باقاعدہ نذرانے پیش کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کا یہ انکار دراصل رومیوں کی وفاداری سے انکار کے مترادف تھا۔ اس بغاوت کے نتیجے میں رومیوں کی آخری جنگ کا آغاز ہو گیا۔ باغیوں نے اپنی مسلح بغاوت کا آغاز ہیکل اور شہر کے نشیبی علاقے سے کیا۔ انھوں نے شہر کے حساس اور اعصابی مراکز یعنی حسمونی محل، سردار کاہن کی رہائش گاہ اور سرکاری دستاویزات محفوظ کرنے کی جگہ کو نذر آتش کر دیا۔ انھوں نے رومی فوجی دستوں کو قتل کر دیا اور انطونیا کو جلا دیا۔ سردار کاہن اور اس کے بھائی کی لاشیں پانی فراہم کرنے والی گزرگاہ سے ملیں۔

کیٹیس گیلس (Cestius Gallus) شہر پر حملہ آور ہوا، لیکن اسے ہیکل کی شمالی دیوار کے قریب سے سکوپس (Scopus) کی طرف واپس ہٹنا پڑا جہاں اسے نومبر ۶۶ء میں شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔ کیٹیس گیلس کی پہلی پیش قدمی اور پسپائی نے عیسائیوں کو فرار ہونے کا موقع فراہم کیا، جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے انھیں مشورہ دیا تھا کہ جب تم یروشلیم پر فوجوں کا ہجوم دیکھو تو جو لوگ بھی یہودیہ میں ہوں وہ پہاڑوں کی طرف فرار ہو جائیں (متی ۲۴: ۱۶)۔ جب تک اکتوبر یا نومبر ۶۷ء میں گستالہ (Gistala) فتح نہیں ہو گیا، وےسپاسین (Vespasian) شمالی علاقوں کو زیرِ نگین کرنے میں مصروف رہا۔ لاوی کا بیٹا جون بچ کر یروشلیم کی طرف فرار ہو گیا۔ اڑھائی سال بعد (۷۰ء میں)

ٹائٹس (Titus) نے محاصرہ شروع کر دیا۔ اُس وقت پر جوش گروہ معتدل مزاج گروہ پر غالب آچکا تھا۔ پر جوش اور انتہا پسندوں کے دو گروہ تھے: ایک گروہ جون آف جیکالہ (John of Giscala) اور الیگز کے ماتحت تھا جو بیکل اور انطونیا پر قابض تھا اور اس میں ۸۴۰۰ لوگ تھے۔ دوسرا گروہ شمعون برجیورس (Simon Burgioras) کی سربراہی میں برج پر متعین تھا، بالائی شہر کینا کولم (Coenaculum) سے لاطینی کونوٹ تک اور زیریں شہر کی وادی اور بیکل کے شمال میں عکروہ اُس کے قبضے میں تھے۔ یہ دس ہزار (یہودی) افراد اور پانچ ہزار ادومیوں پر مشتمل تھا۔ اجنبی اور حجاج کی تعداد بڑھ کر چھ لاکھ تک پہنچ چکی تھی۔ جوزیفٹس کہتا ہے کہ اس محاصرے میں دس لاکھ افراد کام آئے اور چالیس ہزار کو دیہاتی علاقوں کی طرف جانے دیا گیا۔ اس کے علاوہ ایک بڑی تعداد فوج کے ہاتھوں فروخت کر دی گئی۔ پوری جنگ کے دوران میں ستانوں ہزار لوگوں کو اسیر بنالیا گیا، لیکن یہ تعداد مبالغہ آرائی پر مشتمل نظر آتی ہے۔^{۲۱}

۷ ستمبر ۷۰ء کو یروشلم پر وِسپسیان (Vespasian) کے بیٹے ٹائٹس (Titus) نامی رومی جرنیل کا قبضہ ہو گیا۔ رومی سپاہیوں نے شہر کو نذر آتش کر دیا اور تیسرے بیکل (Herode's Temple) کا اکثر حصہ تباہ و برباد کر دیا۔ صرف ایک دیوار گریہ (Wailing Wall) کھڑی رہنے دی گئی۔ رومیوں نے یہودیوں کی کہانت اعلیٰ اور فقہی کونسل (Sanhedrin) کا خاتمہ کر دیا۔

اس وقت شہر اپنے باشندوں کی شدید باہمی آویزشوں کی وجہ سے سراسیمگی کی حالت میں تھا۔ جنگجو یہودیوں کے ایک گروہ کے سربراہ سائمن نے شہر کے بالائی اور زیریں حصوں پر اپنا قبضہ مستحکم کر لیا تھا، جبکہ جون آف جیکالہ نے بیکل اور اوپل (Ophel) کو اپنا مرکز بنالیا۔ ادومی (Idumeans)، جو انتہا پسند یہودی گروہ (Zealots) کے پروردہ تھے، محض اپنے دفاع کے لیے برسرِ پیکار رہے، تاہم اہل یہود کے ایک نسبتاً کمزور گروہ نے فاتح رومی افواج کے ساتھ مفاہمت کا رویہ اپنایا۔ اگر بروقت یہی رویہ رومی جرنیل ٹائٹس کے ساتھ روارکھا جاتا تو غالب امکان یہی ہے کہ ٹائٹس ایسی بربریت اور غم و غصے کا مظاہرہ نہ کرتا۔ محاصرے کی صعوبتیں اور جانی و مالی نقصانات جتنے فاتحین کے

ہاتھوں ہوئے تھے، اتنے ہی خود یہودیوں کے اپنے کرتوتوں کا نتیجہ تھے۔ محاصرے کے پندرہویں دن 'اگرپا' کی تعمیر کردہ تیسری دیوار پر رومی قبضہ ہو گیا۔ محاصرے کے چوبیسویں دن شہر کی دوسری دیوار بھی رومیوں کے قبضے میں آ گئی۔ بہتر دس دن پہلے سے متصل انطونیا کا قلعہ بھی یہودیوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ستوپا انطونیا کے بارہویں دن پہلے کے دامن میں قربان گاہ پر قربانی کی رسم کا خاتمہ ہو گیا۔ ۵۰ دن بعد یہکل اور زیریں شہر کو جلادیا گیا اور بعد میں پورا شہر ہی نذر آتش کر دیا گیا۔

تمام شہر اور یہکل مکمل طور پر تباہ و برباد کر دیے گئے۔ صرف بالائی شہر کی مغربی دیوار اور ہیرودا عظیم کے تعمیر کردہ تین عظیم برج ہی اس تباہی کے چشم دید گواہ کے طور پر قائم رہے۔ یہ تباہی صرف عمارتوں تک ہی محدود نہ رہی، بلکہ شہر میں مقیم بوڑھے اور کمزور تہ تیغ کر دیے گئے۔ سترہ سال سے کم عمر کے بچے غلام بنا کر فروخت کر دیے گئے۔ باقی ماندہ افراد کو مصر کی کانوں، روم اور دیگر مقامات کی تماشا گاہوں میں خوں خوار جانوروں سے لڑائی کے تماشے کا حصہ بننے کے لیے بھیج دیا گیا۔ رومی افواج کی مشہور زمانہ دسویں لجن (10th Legion) نے شہر کو اس انداز سے کھود کر ہموار کر دیا اور اس طرح اپنے ظلم و بربریت کا نشانہ بنایا کہ یروشلم آنے والا کوئی شخص یہ باور نہ کر پاتا تھا کہ یہ شہر کبھی آباد بھی رہا ہوگا۔ شہنشاہ ہیزرین (Hadrian) نے حضرت عیسیٰؑ کی پشین گوئی کے مطابق اس شہر کے بچے کچے کھنڈروں کو بھی بالکل مسمار کر دیا اور یہکل کی بنیادوں کو کھدوا کر اس کا نام و نشان ہی مٹا دیا۔

اس تباہی کے ساٹھ سال بعد تک یروشلم شہر خموشاں کا منظر پیش کرتا رہا۔ یہاں محافظ فوج تو بھیجی جاتی رہی، البتہ اس کی تعمیر نو پر بالکل توجہ نہ دی گئی، ۱۳۰ء میں رومی شہنشاہ ہیزرین نے یہاں کا دورہ کیا اور اسے صرف چند ہی عمارتیں کھڑی نظر آئیں۔ دو سال بعد (۱۳۲ء-۱۳۵ء) یہودیوں کی آخری اور عظیم بغاوت برپا ہوئی۔ اس بغاوت کا روح رواں بار کوکبہ (Bar Kokeba) تھا جسے مشہور مذہبی پیشوا ربی عقبیہ (Rabbi Akiba) کی سرپرستی حاصل تھی، تاہم یہ بغاوت بھی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کر سکی اور رومی جرنیل جولیس سیورس (Julius Severus) کے ہاتھوں یہودی آزادی کی آخری کوشش کے خاتمے کے ساتھ ہی یہودیت کے باقی ماندہ آثار بھی مٹ گئے، بلکہ

یہاں تک کہا جاتا ہے کہ ٹی۔ اینیوس روفس (T. Annius Rufus) نے ہیکل کے مقام پر ہل چلا کر اسے برابر کر دیا۔ بعد ازاں ہیکل کے مقام پر زحل (Jupitar) دیوتا سے منسوب ایک قربان گاہ تعمیر کر دی گئی اور یہودیوں کو اس شہر سے بے دخل کر دیا گیا۔

۱۳۸ء میں ہیڈرین نے شہر کو از سر نو تعمیر کیا اور شہر کا نام یروشلم کے بجائے ایلیا کپیتولینا (Aelia Capitolina) رکھا۔ ہیکل کے قدس الاقداس (Holy of Holies) کی جگہ پر ہیڈرین کا گھوڑے پر سوار ایک مجسمہ ایستادہ کر دیا گیا۔ یا تو بذات خود ہیڈرین نے، یا انطونی حکمرانوں میں سے کسی نے، شمال مغربی پہاڑی کے مقام پر زہرہ (Venus) دیوی کا ایک معبد تعمیر کیا۔ جہاں بعد میں مشہور کلیسیائے مقدس سپلکر (Church of Holy Sepulchre) تعمیر کیا گیا۔ لگتا یہ ہے کہ ان مقدس مقامات کی زیارت کی روایت غالباً اسی دوسری صدی عیسوی میں شروع ہوئی جو اگلی دو صدیوں کے دوران میں خوب رواں چلا گئی۔

'انٹرنیشنل اسٹینڈرڈ بائبل انسائیکلو پیڈیا' لکھتا ہے:

In 362 Julian is said to have attempted to rebuild the temple, but the work was interrupted by an explosion. The story is doubtful.³³

ایک قول کے مطابق ۳۶۲ء میں جولین نے ہیکل کی تعمیر نو کی کوشش کی، لیکن ایک (نامہانی) دھماکے کی وجہ سے (تعمیر نو کا) کام منقطع ہو گیا۔ یہ روایت مشکوک ہے۔

'فائیس بائبل ڈکشنری' (Fausset's BD) نے ان واقعات کو درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

In the apostate Julian's reign the Jews at his instigation attempted with great enthusiasm to rebuild the temple; but a whirlwind and earthquake shattered the stones of the former foundation, and a fire from the temple mount consumed their tools. Ammianus Marcellinus (23:1), the emperor's friend, attests the fact. Providence baffled Julian's attempt to falsify Christ's words.³⁴

جولین کی مشرکانہ حکومت میں یہودیوں نے اس کی تحریک پر نہایت جوش و خروش سے ہیکل کو تعمیر کرنے کی کوشش کی، لیکن ہوا کے ایک طاقت ور گولے اور زلزلے نے پہلے سے موجود بنیادوں کو بھی درہم برہم کر دیا۔ ہیکل کے احاطے سے بلند ہونے والی آگ نے ان کے اوزاروں کو جلا کر رکھ

کردیا۔ شہنشاہ (جولین) کا دوست امیانس مارسلینس (Ammianus Marcellinus) ان واقعات کی تصدیق کرتا ہے۔ منشاے ایزدی نے جولین کی جانب سے سچ کی پیشین گوئی کو جھٹلانے کی اس کوشش کو نا کام بنادیا۔

'انٹرنیشنل اسٹینڈرڈ بائبل انسائیکلو پیڈیا' میں مذکور ہے:

The site of the temple itself appears to have remained in ruins down to the seventh century.^{۳۵}

لگتا ہے کہ بذات خود یہ جگہ کی جگہ دو تین صدی تک کھنڈرات کی صورت میں برقرار رہی۔

۶۱۴/۶۱۵ء میں فارس کے بادشاہ خسرو دوم (Chosroes II) نے فلسطین فتح کر لیا۔ یہ واقعہ محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے کئی دور اور قیصر روم قتل کے زمانے سے تعلق رکھتا ہے۔ قرآن مجید کی سورہ روم میں اس واقعے کے تناظر میں ایک اہم پیشین گوئی کی گئی ہے۔ یہ معجزانہ طور پر حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ اس کا تفصیلی مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں۔ اس کے لیے ملاحظہ کیجیے مولانا وحید الدین خان، علم جدید کا چیلنج (کراچی: مجلس نشریات اسلام) ۱۹۸۳ء، صفحات ۱۹۸-۲۱۱؛ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن (لاہور: سرسبز بک کلب)، ۱۹۸۷ء، جلد ۳، صفحات ۷۲۳-۷۲۸ (تعارف سورہ روم)۔ خسرو نے یروشلم کو تباہ کر دیا اور ہولی سیکلر چرچ کو زمین بوس کرنے کے بعد اس میں محفوظ اُس اصل صلیب کو بھی مال غنیمت کے طور پر اپنے ساتھ لے گیا جس کے بارے میں مشہور تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اسی صلیب پر سزا موت دی گئی تھی۔ خسرو نے اس پیش قدمی میں ہزاروں مذہبی اور روحانی پیشواؤں کو قتل کیا۔ یہ تمام واقعات روم کی عیسائی سلطنت کے لیے انتہائی شرم ناک تھے۔ انھوں نے ذلت کا یہ داغ دھونے کے لیے خوب تیاری کی اور جوابی حملہ کیا۔

یروشلم پر رومیوں کے ایک مرتبہ پھر قبضے کے متعلق 'انٹرنیشنل اسٹینڈرڈ بائبل انسائیکلو پیڈیا' رقم طراز ہے:

In 629 Heraclius, (...), reached Jerusalem in triumph, bearing back the captured fragment of the cross, (...). The triumph of Christendom was but

short. Seven years earlier had occurred the historic flight of Mohammad from Mecca (the Higura), and in 637 the victorious followers of the Prophet appeared in the Holy City. After a short siege, it capitulated, but the Khalif [or 'khalifah?'] Omar treated the Christians with generous mercy. The Christian sites were spared, but upon the temple-site, which up to this [time] had apparently been occupied by no important Christian building but was of peculiar sanctity to the Moslems through Mohammad's alleged visions there, a wooden mosque was erected, capable of accommodating 3,000 worshippers.³⁶

۶۳۶ء میں ہرقل (...) فاتحانہ انداز سے جیھن ہوئی صلیب کا ٹکڑا اٹھائے یروشلم میں داخل ہوا۔
 (...)۔ مسیحیت کی یہ فتح بہت قلیل عرصے پر محیط رہی۔ سات سال قبل ہی [حضرت] محمد [ﷺ] کی مکہ سے [مدینہ کی جانب] ہجرت کا عظیم واقعہ پیش آیا تھا۔ ۶۳۷ء میں پیغمبر کے پیروکار فاتحانہ انداز سے شہر یروشلم میں داخل ہوئے۔ ایک مختصر محاصرے کے بعد انھوں [اہل شہر] نے ہتھیار ڈال دیے، لیکن خلیفہ [حضرت] عمر [رضی اللہ عنہ] نے مسیحیوں کے ساتھ نہایت فراخ دلائی و رحم دلی کا سلوک کیا۔ مسیحی مقدس مقامات کو نقصان نہ پہنچایا گیا۔ یہ مکمل کے مقام پر اس وقت تک کوئی قابل ذکر مسیحی عمارت موجود نہ تھی، لیکن یہ مقام مسلمانوں کے لیے اس وجہ سے خصوصی تقدیس کا حامل تھا، کیونکہ اس جگہ کا [حضرت] محمد [ﷺ] کے سفر معراج سے تعلق مشہور تھا، اس لیے اس جگہ لکڑی کی ایک مسجد تعمیر کی گئی، جس میں قریباً تین ہزار اشخاص عبادت کر سکتے تھے۔
 حضرت عمرؓ کی پیش قدمی کی بابت 'فائیس بائبل ڈسٹری' میں درج ہے:

Caliph Omar (637 A.D.) took the city from the Patriarch Sophronius, who said, 'Verily, this is the abomination of desolation spoken of by Daniel the prophet, standing in the holy place.' Christians were allowed liberty of worship.³⁷

(۶۳۷ء میں) [حضرت] عمرؓ (خلیفہ ثانی) نے استقب اعظم سفرانیس (Patriarch Sophronius) سے شہر کی چابی وصول کی۔ [اس موقع پر] سفرانیس نے کہا: 'یقیناً یہ وہ مذموم ہے کسی ہے جس کا دانیال نبی نے اس مقدس مقام پر کھڑے ہو کر ذکر کیا تھا۔' مسیحیوں کو اپنی عبادت کی انجام دہی کی مکمل آزادی دے دی گئی۔

ڈاکٹر طارق السویدان نے فلسطین پر اپنی معروف کتاب میں اس واقعے کو درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

جب اسقف اعظم [سفرائیس] نے یہ منظر دیکھا تو وہ بہت متاثر ہوا اور [اس کے دل میں] اسلام کی عظمت کا نقش اور زیادہ گہرا ہو گیا۔ اس نے اپنے ہم وطنوں سے کہا کہ زمین پر کوئی بھی اس قوم کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اپنی جانوں کو نجات دلانے کے لیے ان کے سامنے سر تسلیم خم کر دو۔ فریقین کے درمیان ایک معاہدہ لکھا گیا۔ [حضرت] عمر نے ان کو شہر میں حفاظت اور سلامتی عطا کی۔ انھوں نے اس بات کی ضمانت دی کہ ان کی عبادت گاہیں، کلیسیا اور مقدس مقامات کو چھوا جائے گا اور نہ تباہ کیا جائے گا۔ یوں اس شہر نے اپنی تاریخ کے سب سے رحم دل فاتح [کے رحم] کا مظاہرہ دیکھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس مقدس شہر کی تاریخ میں جب کسی فاتح نے یہاں غلبہ حاصل کیا، اس نے اسے مکمل طور پر تباہ کر دیا اور اس کے باشندوں کو تیغ کر دیا۔

ڈاکٹر طارق مزید لکھتے ہیں:

اس معاہدے کے بعد مقدس شہر کے دروازے [حضرت] عمر بن خطاب کے لیے کھول دیے گئے اور آپ اس میں داخل ہو گئے۔ آپ نے شہر کا دورہ کیا۔ جب آپ کلیسیاے مقدسہ کے نزدیک پہنچے تو اذان کی آواز بلند ہوئی۔ اسقف اعظم نے آپ سے کہا کہ یہیں کلیسیا ہی میں نماز ادا فرمائیں۔ [حضرت] عمر نے اس سے کہا: 'نہیں، اگر میں نے اس جگہ نماز ادا کی تو ہو سکتا ہے کہ بعد کے زمانے میں مسلمان تم سے یہ جگہ چھین لیں۔' یہ کہہ کر آپ نے (دوسرے مقام پر) نماز ادا فرمائی۔ (....)۔ [حضرت] عمر مسجد اقصیٰ کی تلاش میں شہر میں گھومتے رہے، لیکن اسے تلاش نہ کر سکے۔ [بالآخر] آپ نے اسقف اعظم سے [اس کی بابت] دریافت فرمایا۔ اس نے پوچھا: کیا یہ وہ [مقام] تو نہیں جو یہودیوں کے لیے مقدس ہے۔ [حضرت] عمر نے اثبات میں جواب دیا۔ وہ آپ کو اس مقام کی جانب لے گیا۔ وہاں آپ نے دیکھا کہ مسیحیوں نے [اہل یہود سے نفرت کے باعث] اس مقام کو جائے غلاقت بنا رکھا ہے۔ [حضرت] عمر نے اپنی آستین چڑھائی اور اس جگہ کی صفائی کرنے لگے۔ مسلمان سرداروں اور فوجی دستوں نے جب یہ دیکھا تو سب مل کر اس مقدس

مقام کی صفائی میں مصروف ہو گئے۔ (...) بعد ازاں [حضرت] عمرؓ نے اپنا جبہ اتارا اور [اسے بچھا کر] اس پر نماز ادا کی اور اسے وہیں پڑا رہنے دیا۔ [معراج کے موقع پر] جنمبر اسلام [محمد ﷺ] کی مسجد اقصیٰ میں نماز کے بعد وہاں کسی مسلمان کی یہ پہلی نماز تھی۔ (...) - آلائشوں اور گندگی کے ذمیر ہٹانے کے بعد [حضرت] عمرؓ نے اس مقام پر مسجد اقصیٰ کی تعمیر شروع کرنے کا حکم دیا۔ (...) -

حضرت عمرؓ بن خطاب کے ہاتھوں یہ دھلم شہر کی فتح کے دو سال بعد (قریباً ۶۳۰ء میں) حضرت امیر معاویہؓ کو ملک شام اور فلسطین میں موجود اسلامی فوج کا سپہ سالار مقرر کر دیا گیا۔ انھوں نے قریباً چالیس سال اس علاقے پر حکمرانی کی، ابتدائی مرحلے میں بطور عامل (Governor) اور بعد ازاں بطور خلیفہ۔ ذیل میں 'انسائیکلو پیڈیا آف اسلام' سے بعض دیگر اہم واقعات پیش کیے جاتے ہیں:

During the long rule of Mu'awiya, the Muslim place of worship on the Temple area, approximately described by Bishop Arculfus in ca. 680 must have taken shape. (...) Mu'awiya built the Muslim sanctuary there "after 'Umar". It stands also to reason that the plan for erection of the Dome of the Rock, which needed immense preparations, was made during the protracted and orderly rule of Mu'awiya. The inscription in the dome bears the year 72/691-2, but the beginning of 'Abd al-Malik reign (65-86/685-705) was extremely turbulent. 'Abd al-Malik had good reasons to make efforts towards the completion of the building, which would show him as the great champion of Islam, but the early years of his caliphate were hardly suited for both conceiving such an enormous undertaking and carrying it out to its very end during a comparatively short period. Contrari-wise Mu'awiya is known also by his extensive buying and building activities in Mecca, in which he was not followed by later Umayyads (....).

The real urge for the erection of the Dome of the Rock on the site where it stands and in the form which it has, was religious, in addition, of course, to the natural acculturation of the Arabs to an environment, where magnificent edifices were the eloquent witnesses of a triumphant Church and of great rulers. (....).

The end of Umayyad rule was for Jerusalem (ca. 750 AD), (...), a period of great tribulations. In the wake of a rebellion against the last Umayyad Marwan II, the walls of Jerusalem were pulled down and its inhabitants punished. Earthquakes aggravated the situation. ۴

احاطہ بیکل میں مسلمانوں کی عبادت گاہ کا حتمی تعین، جیسا کہ بشپ آرکلفس (Bishop Arculfus)

نے قریباً ۶۸۰ء کے دوران میں اندازاً بیان کیا ہے، [حضرت] معاویہ کے طویل دور حکمرانی میں ہو گیا تھا۔ (...)۔ [حضرت] معاویہ نے [حضرت] عمر کے بیٹے میں وہاں مسلمانوں کی مقدس عبادت گاہ تعمیر کی۔ یہ بات بھی قرین قیاس ہے کہ قبۃ الصخری، جس کی تعمیر کا منصوبہ طویل توجہ اور تیاری کا متقاضی تھا، [حضرت] معاویہ کے طویل اور منظم دور حکمرانی ہی میں پایہ تکمیل کو پہنچ سکتا تھا۔ قبر میں موجود ایک کتبہ پر سال [تیسری] ۶۷۲ھ/۶۹۱ء-۶۹۲ء درج ہے۔ عبدالملک کا عرصہ حکمرانی (۶۷۵ھ-۶۸۶ھ/۶۸۵ء-۷۰۵ء) بہت پر آشوب تھا۔ عبدالملک کے لیے خود کو اسلام کا عظیم ہیرو ثابت کرنے کے لیے یہ بہت اہم موقع تھا کہ وہ اس عمارت کی تکمیل کے لیے پوری کوشش کرے، لیکن اس کی خلافت کے ابتدائی سال اس بات کے لیے قطعاً سازگار نہ تھے کہ وہ نسبتاً ایک تھوڑے وقت میں ایسی عظیم ذمہ داری کے متعلق سوچے اور اس پر عمل درآمد کر کے اسے پایہ تکمیل تک پہنچائے۔ اس کے برعکس [حضرت] معاویہ مکہ میں تیسری ایشیا کی بڑی مقدار میں خریداری اور تعمیراتی سرگرمیوں کی وجہ سے مشہور تھے۔ اس معاملے میں بعد کے اموی خلیفہ ان کی پیروی نہ کر سکے۔ (...)

قبۃ الصخری جس حالت میں اور جس مقام پر تعمیر ہوا، اس کی بنیاد میں مذہبی داعیہ موجود تھا۔ مزید برآں یہ یقیناً اس ماحول میں عربوں کے تہذیبی نفوذ کے لیے ایک اہم کاوش تھی جہاں [مسیحیوں کے] عظیم حکمرانوں اور ایک فاتح کلیسیا کی کامیابیوں کی شہادت کے طور پر بڑی بڑی عظیم الشان عمارتیں قائم تھیں۔ (...)

یروشلم کے لیے اموی خلافت کے آخری ایام [قریباً ۷۵۰ء] بڑے پر آشوب تھے۔ آخری اموی حکمران مروان ثانی کے خلاف بغاوت کے آغاز میں یروشلم کی فصیلیں مسمار کر دی گئیں اور اس کے باشندوں کو سخت سزائیں دی گئیں۔ زلزلوں نے اس صورت حال کو مزید ناگفتہ بہ بنادیا تھا۔ ڈاکٹر طارق السویدان لکھتے ہیں:

عبدالملک بن مروان نے مسجد اقصیٰ کی مکمل تعمیر کا آغاز کیا اور قبۃ الصخری نامی ایک عظیم عمارت بنوائی۔ (...)، لیکن عبدالملک اس عمارت کی تکمیل سے پہلے ہی انتقال کر گیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹے الولید نے اسے مکمل کیا۔

مسجد عمر اب بھی مسجد اقصیٰ کے جنوب مشرقی کونے پر واقع ہے۔ سلیمان بن عبد الملک نے، جبکہ وہ ابھی ولی عہد سلطنت ہی تھا، صوبہ فلسطین کے دار الحکومت کے طور پر ۳۲ کی تعمیر شروع کرا دی تھی۔

اموی دور کے خاتمے کے بعد ۷۵۰ء سے ۹۶۹ء تک یروشلم پر عباسی خاندان کی حکومت قائم رہی۔ ۸۷۰ء میں بطریق تھیودوسیوس (Patriarch Theodosius) نے اس بات پر مسلمانوں کی تعریف کی کہ انھوں نے مسیحوں کو کلیسیا تعمیر کرنے اور بغیر کسی ظلم و تشدد کے اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے کی اجازت دی تھی۔

۹۶۹ء سے ۱۰۹۹ء تک یروشلم فاطمیوں، ترکمانوں اور سلجوقیوں کے زیر اقتدار رہا۔ فوست اپنی لغت میں لکھتا ہے:

The crusaders [laid siege on June 6, and] took Jerusalem in A.D. 1099, July 15th, and it remained in Christian possession 88 years, [until] Saladin retook it in 1187.⁴³

صلیبی جنگجوؤں نے ۶ جون کو شہر کا محاصرہ کیا اور ۱۵ جولائی ۱۰۹۹ء میں یروشلم پر قبضہ کر لیا۔ اور مسیحیوں کا یہ قبضہ ۸۸ سال تک برقرار رہا [حتیٰ کہ] صلاح الدین نے اسے ۱۱۸۷ء میں دوبارہ واپس لے لیا۔

'انسائیکلو پیڈیا آف اسلام' میں بیان کیا گیا ہے:

The massacre of the Muslims and the Jews in the town was perpetrated out of military and religious considerations alike. (....). There was a gruesome bloodbath, no doubt. (...). Jerusalem became a Christian city, where no Muslim or Jewish cult was permitted and no non-Christian could take residence permanently. The mosques were turned into churches or used as secular buildings. The newly-founded kingdom was appropriately called the kingdom of Jerusalem, since the conversion of the Holy City into a Christian sanctuary had been the purpose of its erection. (...). Jerusalem remained closed to Muslims and Jews, but, in the course of time, they were permitted to come there for business and prayer. (...).

After the decisive victory of Hattin (July 1187), Saladin advanced towards Jerusalem and laid siege on the city. After prolonged negotiations,

in which the defenders threatened to kill the Muslim prisoners and all non-combatants, to burn all the valuables and to destroy the buildings on the Haram al-Sharif, an agreement was reached in November 1187, which permitted the inhabitants to ransom themselves after surrender. Only the Eastern Christians remained, and Jerusalem soon assumed the character of a predominantly Muslim city. (...). The influx of Learned Jews from France attested for the period ca. 1210-15 in both literary texts and Geniza letters proves that Ayyubid rule at that time must have had a reputation of an orderly government able to guarantee the safety of foreigners. (...). The Khwarazmians over-ran Syria and Palestine, took Jerusalem in August 1244 and plundered and murdered in the town, desecrating the Holy Sepulchre and other churches. ۴

شہر میں مسلمانوں اور یہودیوں کے قتل عام کے پیچھے مذہبی اور دفاعی تحفظات یکساں طور پر کارفرما تھے۔ (....)۔ بلاشبہ ہولناک خون ریزی کا بازار گرم کیا گیا۔ (....)۔ یروشلم [اس تباہی کے نتیجے میں مکمل طور پر] مسیحی شہر بن گیا۔ یہاں کسی مسلمان یا یہودی کو اپنے مذہب کے مطابق عبادت کی اجازت نہ تھی اور کوئی بھی غیر مسیحی وہاں مستقل رہائش اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ مساجد کو کلیسیاؤں میں تبدیل کر دیا گیا۔ انھیں دنیاوی ضرورت کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔ یہ نئی قائم شدہ [سیکی] بادشاہت بجا طور پر سلطنت یروشلم کہلائی جانے لگی، کیونکہ اس سلطنت کے قیام کا اصل مقصد ہی اس مقدس شہر کو مسیحی مقدس مقام میں تبدیل کرنا تھا۔ (....)۔ [جو شہر یہودیوں اور مسلمانوں ہی کا شہر تھا] اب اس میں یہودیوں اور مسلمانوں کا داخلہ ممنوع قرار پایا، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انھیں یہاں صرف عبادت اور کاروبار کی غرض سے آنے کی اجازت دے دی گئی۔ (....)۔

(جولائی ۱۱۸۷ء میں) طہین کی فیصلہ کن فتح کے بعد صلاح الدین ایوبی نے یروشلم کی طرف پیش قدمی کی اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ طویل گفت و شنید کے بعد نومبر ۱۱۸۷ء میں ایک معاہدہ طے پایا جس میں وہاں کے باشندوں کو اس بات کی اجازت دی گئی کہ وہ ہتھیار ڈالنے کے بعد معاوضہ دے کر اپنے آپ کو آزاد کرالیں۔ اس گفت و شنید میں زیر محاصرہ مسیحیوں نے مسلمان قیدیوں اور تمام غیر محاربین کو قتل کرنے، تمام قیمتی اشیاء کو نذر آتش کرنے اور حرم الشریف کی تمام عمارتوں کو تباہ و برباد کرنے کی دھمکی دی تھی۔ صرف مشرقی مسیحی ہی شہر میں باقی رہ گئے اور یروشلم نے جلد ہی غالب طور پر ایک مسلمان شہر کی حیثیت اختیار کر لی۔ (....)۔ فرانس سے آنے والے بکثرت یہودی علما نے اس

بات کی تصدیق کی ہے کہ قریباً ۱۲۱۰ء-۱۲۱۵ء کے بارے میں ادبی متون اور جنیزہ (Geniza) کے خطوط دونوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُس دور کی ایوبی حکمرانی کی شہرت ایک منظم سلطنت کی تھی جو غیر ملکیوں کے تحفظ کی ضمانت دینے کی پوری صلاحیت رکھتی تھی۔ (...) خوارزمیوں نے فلسطین اور شام کو تاخت و تاراج کیا، اگست ۱۲۴۳ء میں یروشلم پر قبضہ کر لیا، شہر میں لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم کیا، کلیسیاے مقدسہ پلنگر اور دوسرے کلیسیاؤں کی بے حرمتی کی۔

ممالیک کے دور (۱۲۵۰ء-۱۵۱۶ء) کے آغاز میں یروشلم زیادہ تر دیوان اور کھنڈر تھا۔ ممالیک نے شہر کی تعمیر نو کی ذمہ داری سنبھالی۔ ان دنوں میں اس شہر میں مقدس صوفیوں کا بسیرا تھا۔ یروشلم پر ۱۵۱۶ء سے ۱۸۳۱ء تک عثمانی ترکوں کی حکومت رہی۔ 'فوسٹ بائبل' ڈکشنری میں اس کا خلاصہ اس طرح پیش کیا گیا ہے:

In a dismantled state it was ceded to the Christians [or Muslims?] by the treaty with the emperor Frederick II, in 1219, and has ever since remained in the Mahometans' hands. From the first siege by the children of Judah (Judges 1:8), 1400 B.C., to A.D. 1244 Jerusalem underwent 27 sieges, the last being by the Kharesmian hordes who slaughtered the priests and monks. There was the city before David, the second that of Solomon 1000 to 597 B.C., the third city that of Nehemiah which lasted for 300 years. A Grecised city under Herod (the fourth city) succeeded. This city, destroyed by Titus A.D. 70, was followed by a Roman city, the fifth, which lasted until the Mahometan time, the sixth city. Then followed the Christian city of Godfrey and the Baldwins, the seventh; lastly the eighth, the modern city of 600 years of Moslem rule. The Ottoman Suleiman in 1542 built the present walls. After a brief possession by the [Ibrahim] Pasha of Egypt from 1832 to 1840, Jerusalem was restored to the Sultan of Turkey, in whose hands it continues.⁴⁵

۱۲۱۹ء میں شاہ فریڈرک دوم (Frederic II) کے ساتھ ایک معاہدے کے ذریعے سے یہ شہر برباد شدہ حالت میں مسیحیوں نے مسلمانوں کے سپرد کیا۔ اُس کے بعد سے یہ شہر ہمیشہ مسلمانوں کے قبضے میں رہا۔ یہودہ کی نسل کے ہاتھوں پہلے محاصرے (قتلاۃ: ۸) کے بعد سے، یعنی ۱۴۰۰ ق م سے ۱۲۴۳ء تک، یروشلم کا ۷۷ مرتبہ محاصرہ کیا گیا جن میں سے آخری محاصرہ وہ تھا جو خوارزمی افواج نے کیا تھا، جنہوں نے سبکی کا ہنوں اور راہبوں کو خوب تہ تیغ کیا تھا۔ پہلا شہر داؤد سے پہلے کا تھا۔

دوسرا شہر [حضرت] سلیمان (۱۰۰۰-۵۹۷ ق م) کے دور والا تھا۔ تیسرا شہر [حضرت] نحمیاہ والا تھا جو ۳۰۰ سال تک باقی رہا۔ اس کے بعد چوتھا شہر آیا جو ہیرود کے زیرِ اقتدار یونانی رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ یہ شہر مائینس نے ۷۰ء میں تباہ و برباد کر دیا۔ اس کے بعد پانچواں شہر ویسوں کا تھا جو مسلمانوں کے دورِ اقتدار تک باقی رہا، جو چھٹا شہر ہے۔ پھر اس کے بعد ساتواں شہر گوڈفرے (Godfrey) اور بالڈوینیوں (Baldwins) کا سبکی شہر تھا۔ آخری اور آٹھواں جدید شہر ہے، جو ۶۰۰ سال سے مسلم حکمرانی کے زیرِ تسلط ہے۔ عثمانی شہنشاہ سلیمان [ذیشان] نے ۱۵۴۲ء میں موجودہ تفصیل تعمیر کی۔ ۱۸۳۲ء سے ۱۸۴۰ء تک مصر کے ابراہیم پاشا کے مختصر سے تسلط کے بعد یروشلم دوبارہ ترکی سلطان کے زیرِ اقتدار چلا گیا اور اب تک یہ [عثمانی] ترکوں ہی کے قبضے میں ہے۔

۱۸۶۵ء میں یروشلم کا تار (ٹیلی گراف) کے ذریعے سے بیرونی دنیا سے رابطہ قائم ہو گیا تھا۔ ۱۸۶۸ء میں یروشلم اور یافہ کے درمیان پہلی سڑک پایہ تکمیل کو پہنچی جو پہیوں والی گاڑیوں کے لیے قابلِ استعمال تھی۔ اس کے بعد ۱۸۹۲ء میں ریلوے لائن بھی بن گئی۔

۱۱ دسمبر ۱۹۱۷ء کو برطانوی جرنیل ایلن بائی (Allenby) یروشلم میں داخل ہوا۔ یکم جولائی ۱۹۲۰ء کو برطانوی فوج کی ملٹری حکومت کی جگہ سول ایڈمنسٹریشن نے لے لی۔ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق شہر کی آبادی ۹۰۵۰۳ نفوس پر مشتمل تھی، جن میں سے ۵۱۲۲۲ یہودی تھے ۱۹۸۹ء مسلمان تھے اور ۱۹۳۵ء مسیحی تھے۔ دوسری جنگ عظیم کی ابتدا تک یہ آبادی قریباً ڈیڑھ لاکھ نفوس تک پہنچ گئی۔ میونسپل کارپوریشن کا میئر ہمیشہ مسلمانوں میں سے مقرر کیا جاتا تھا۔

اپریل ۱۹۲۰ء میں یروشلم میں یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان پہلا خونریز تصادم رونما ہوا جس میں بہت سے لوگ مارے گئے اور زخمی ہوئے۔ نئے برطانوی ہائی کمشنر سر ہربرٹ سموئیل (Sir Herbert Samuel) نے الحاج امین الحسینی کو یروشلم کا مفتی مقرر کیا۔ ۱۹۲۱ء میں انھیں حکومت کی بنائی ہوئی مسلم سپریم کونسل کا سربراہ چن لیا گیا۔ انھوں نے ۱۹۳۱ء میں یروشلم کے مسلمانوں کی ایک کانفرنس طلب کی۔ اسی سال مولانا محمد علی جوہر کو حرم شریف کی حدود میں دفن کیا گیا۔ ۱۹۳۳ء

اور اس کے بعد میں رونما ہونے والی یہودی پناہ گزینوں کی اجتماعی ہجرت کے نتیجے میں یہودیوں اور عربوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔

آج کل یروشلم اسرائیل کی اُس جدید ریاست کا دار الحکومت ہے جو ۴ مئی ۱۹۴۸ء کو بطور ایک یہودی ریاست کے اُس سرزمین پر قائم ہوئی تھی جسے پہلی جنگ عظیم کے بعد لیگ آف نیشنز نے برطانوی حکومت کے کنٹرول میں دیا تھا۔

'انٹرنیکو پیڈیا امریکانا' نے یروشلم کی تاریخ کے اس مرحلے کے حالات جامع انداز میں اس طرح بیان کیے ہیں:

In the 19th century, Jerusalem and the rest of Palestine, then part of the Ottoman Empire, became the focus of international concern. For several centuries European countries had had political and commercial interests in Palestine because of its position at the crossroads to India and the Far East. Several of these countries had attempted to expand their influence there from the 16th century on by extending their protection and patronage over the Christian Holy Places and the Christian subjects of the Ottomans. They also sought certain privileges within the empire. It was such privileges that the Ottomans had granted to the French and the Russians that the British, Austrians, Prussians, and Italians attempted to have set aside in their favor in the 19th century.

The Ottoman Turks were defeated in World War I and evicted from Palestine by the British, to whom the League of Nations awarded the Palestine mandate. The mandate period witnessed an immense struggle between Arab and Jewish nationalist movements for control of Palestine, with Jerusalem as the chief prize and heart of the conflict. (...)

By the end of World War II the British had despaired of unraveling the tangled issue, and it was turned over to United Nations. A UN resolution of November 29, 1947, recommended the partition of the country between Arabs and Jews and the internationalization of Jerusalem. The Palestinian Arabs and the Arab states rejected the plan. The day after its adoption a general attack was launched against the Jews throughout the area. As a result of the ensuing war, Jerusalem was divided by an armistice agreement in 1949 between Jordan and Israel, with the Old (Walled) City and East Jerusalem under Jordanian control and West Jerusalem (the New City) under Israeli rule.

Jordan ruled East Jerusalem for 19 years, until 1967. On June 5, 1967, after war broke out between Israel and Egypt, Jordan's King Hussein opened hostilities in the Jerusalem sector. The Israeli Army conquered and occupied East Jerusalem on June 7, and on June 27 the city was annexed to the state of Israel.⁴⁷

انیسویں صدی میں یروشلم اور بقیہ فلسطین جو اُس وقت عثمانی سلطنت کا حصہ تھا، بین الاقوامی دلچسپی کا مرکز بن گیا۔ کئی صدیوں تک یورپی ممالک کے فلسطین کے ساتھ سیاسی اور تجارتی مفادات وابستہ رہے تھے، کیونکہ یہ اٹلیا اور مشرقی بعید کے چوراہے پر واقع تھا۔ سولہویں صدی سے لگاتار ان میں سے اکثر ممالک اس بات کی کوشش میں تھے کہ مسیحی مقدس مقامات اور عثمانیوں کی مسیحی رعایا کے تحفظ اور سرپرستی کے بھانے اپنا اثر و رسوخ وہاں تک پھیلائیں۔ انھوں نے سلطنت عثمانیہ میں بعض خصوصی مراعات بھی حاصل کر لیں تھیں۔ یہ اسی طرح کی خصوصی مراعات تھیں جو عثمانیوں نے فرانسیسیوں اور روسیوں کو عطا کی تھیں۔ انیسویں صدی میں برطانیہ، آسٹریا، پرشیا اور اٹلی والوں نے کوشش کی کہ یہ مراعات فرانس اور روس والوں کے بجائے انھیں عطا کی جائیں۔

جنگ عظیم اول میں عثمانی ترکوں نے شکست کھائی اور برطانیہ نے انھیں فلسطین سے بے دخل کر دیا۔ لیگ آف نیشنز نے برطانیہ کو فلسطین کا مینڈیٹ عطا کیا۔ مینڈیٹ کے زمانے کے دوران میں عرب اور یہودی قومی تحریکوں کے درمیان فلسطین کا کنٹرول حاصل کرنے کے لیے شدید کشمکش جاری رہی۔ اس کشمکش کا مرکز و محور یروشلم پر تسلط حاصل کرنا تھا۔ (...)

دوسری جنگ عظیم کے اختتام تک برطانیہ اس الجھی ہوئی تھی کو سلجھانے کی طرف سے مایوس ہو چکا تھا، اس لیے اسے اقوام متحدہ کی طرف منتقل کر دیا گیا۔ ۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء کو اقوام متحدہ کی ایک قرارداد میں سفارش کی گئی کہ ملک کو عربوں اور یہودیوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے اور یروشلم کو بین الاقوامی شہر قرار دے دیا جائے۔ فلسطینی عربوں اور عرب ریاستوں نے یہ منصوبہ مسترد کر دیا۔ اس قرارداد کے پاس ہونے کے ایک دن بعد ہی یہودیوں کے خلاف پورے علاقے میں ایک عسوی حملہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد جو جنگ برپا ہوئی، اُس کے نتیجے میں ۱۹۴۹ء میں اردن اور اسرائیل کے درمیان ایک معاہدہ صلح کے ذریعے سے یروشلم کو اس طرح تقسیم کر دیا گیا کہ فیصل کے اندر والا پرانا شہر اور مشرقی یروشلم اردن کے کنٹرول میں دے دیا گیا اور مغربی یروشلم (نیا شہر) اسرائیل کی سکرانی میں چلا گیا۔

اردن نے ۱۹۶۷ء تک پورے انیس سال مشرقی یروشلم پر حکومت کی۔ ۵ جون ۱۹۶۷ء کو جب اسرائیل اور مصر کے درمیان جنگ چھڑ گئی تو اردن کے شاہ حسین نے بھی یروشلم سیکٹر میں جنگی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ۷ جون کو اسرائیلی فوج نے مشرقی یروشلم کو فتح کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ اور ۲۷ جون کو یہ شہر اسرائیلی ریاست میں ضم کر دیا گیا۔

’انسائیكلوپيڈيا آف اسلام‘ بیان کرتا ہے:

The Peel Royal Commission, sent out in 1936 to investigate the situation, for the first time recommended the creation of an Arab and a Jewish state and the conversion of Jerusalem, together with Bethlehem, into a separate unit remaining under British mandate. But neither this nor any other of the subsequent attempts of the mandatory government to find a solution led to results. On 29 November 1947, the General Assembly of the United Nations adopted Resolution 189 (II) calling for the division of Palestine into two states, but united by economic union. Jerusalem was to be "internationalized".

Immediately after this decision the country was in flames. Jerusalem in particular suffered great losses in life and property even before 15 May 1948, the official end of the British mandate. (....). The ceasefire divided Jerusalem by a line slightly west of the western wall of the old city. (....). On 13 Dec. 1948 the Transjordanian parliament resolved the annexation of the areas of Palestine occupied by the Arab Legion. Israel followed suit by transferring its parliament from Tel Aviv to Jerusalem in Feb. 1949 and proclaiming Jerusalem its capital on 13 Dec. 1949. Both actions were in contradiction of the UN resolution of Nov. 1947, which had foreseen Jerusalem as a corpus separatum. The matter came up repeatedly in the UN until 1952, when it was left dormant, until the war of 1967 created an entirely new situation.⁴⁸

پیل رائل کمیشن (Peel Royal Commission) نے، جو ۱۹۳۶ء میں صورت حال کی تفتیش کے لیے بھیجا گیا تھا، پہلی دفعہ یہ سفارش کی تھی کہ عربوں اور یہودیوں کی الگ الگ ریاستیں قائم کر کے یروشلم بشمول بیت اللحم کو برطانوی انتداب میں برقرار رکھتے ہوئے ایک الگ یونٹ بنادیا جائے، لیکن برطانیہ کی انتدابی حکومت کی نہ تو یہ اور نہ بعد میں کی جانے والی کوئی دوسری کوشش نتیجہ خیز ثابت ہو سکی۔ ۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے قرارداد نمبر ۱۸۹ (II) منظور کی، جس میں

کہا گیا کہ فلسطین کو دو ریاستوں میں تقسیم کر دیا جائے، لیکن معاشی یونین کے طور پر متحد رکھا جائے۔
(البتہ) یروشلم کو بین الاقوامی تحویل میں دیا جانا تھا۔

اس فیصلے کے فوری بعد ملک میں جنگ کے شعلے بجڑک اٹھے۔ بالخصوص یروشلم نے ۱۵ مئی ۱۹۴۸ء کے سرکاری طور پر برطانوی انتداب کے خاتمے سے بھی پہلے بڑے جانی اور مالی نقصانات برداشت کیے۔ (....)۔ جنگ بندی میں یروشلم کو پرانے شہر کی مغربی دیوار سے ذرا مغرب میں کھینچی گئی ایک لائن کے ذریعے سے (دو حصوں میں) تقسیم کر دیا گیا۔ (....)۔ ۱۳ دسمبر ۱۹۴۸ء کو شرق اردن کی پارلیمنٹ نے ایک قرارداد کے ذریعے فلسطین کے اُن علاقوں کا اپنے ساتھ الحاق کر لیا جن پر عرب لجن (فوج) نے قبضہ کیا تھا۔ اسرائیل نے بھی اسی طرح کی روش اختیار کی اور فروری ۱۹۴۹ء میں اپنی پارلیمنٹ تل ابیب سے یروشلم منتقل کر دی اور ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کو یروشلم کے اسرائیل کا دار الحکومت قرار دیے جانے کا اعلان کر دیا۔ یہ دونوں اقدام اقوام متحدہ کے نومبر ۱۹۴۷ء والی قرارداد کے خلاف تھے، جس کے مطابق یروشلم کو ایک الگ وجود قرار دیا گیا تھا۔ ۱۹۵۲ء تک یہ معاملہ اقوام متحدہ میں بار بار زیر بحث آیا، جس کے بعد یہ زیر التوا ہی رہا حتیٰ کہ ۱۹۶۷ء کی جنگ نے مکمل طور پر ایک نئی صورت حال پیدا کر دی۔

اباعمان اسرائیل کے وزیر خارجہ رہے ہیں انھوں نے 'میرٹ اسٹوڈنٹس انسائیکلو پیڈیا' کے ۱۹۷۳ء کے سال نامے میں یروشلم پر ایک خوبصورت مضمون لکھا ہے۔ اس عالمانہ مضمون کے بعض اقتباسات درج ذیل ہیں:

Yet none of this would have brought Jerusalem into the war had King Hussein heeded a message from Israeli Prime Minister Levi Eshkol on June 5, 1967. Fighting had broken out with Egypt as a result of President Gamal Abdel Nasser's blockade of the Straits of Tiran on May 22 and his intimidatory troop concentrations accompanied by threats to destroy Israel. Eshkol's message, conveyed through the United Nations chief of staff, General Odd Bull, said plainly that if Jordan kept out of the war, Israel would leave every-thing as it was. The reply was an all-out Jordanian assault on western Jerusalem. Indeed, the fighting in Jerusalem was the fiercest of that in any sector-and it took a heavy toll of Israeli lives. On June 5, Israel hastily improvised troop convoys for the Jerusalem front. By June 7 the laconic⁴⁹ message of the brigade commander ('The Temple Mount is ours') conveyed the momentous news that Jerusalem was united. It had

known many masters. Now, after 19 centuries, its original builders were back again. Soon the barriers were down-the barbed-wire fences, the tank traps, the Mandelbaum Gate, all the symptoms of ghetto-like separation-and Jews, Muslims, and Christians, with multitudes of pilgrims from all over the world, swarmed together, mingling, jostling, sometimes colliding, but always together in a single human destiny. Requests from United Nations organs that they get themselves divided again-back to their respective cages and compartments-evoked their good-humoured derision.⁵⁰

پھر بھی اگر شاہ حسین نے اسرائیلی وزیراعظم لاوی اشکول (Levi Eshkol) کے ۵ جون ۱۹۶۷ء کے پیغام کو اہمیت دی ہوتی تو ان میں سے کسی بات کی وجہ سے یروشلم میں جنگ برپا نہ ہوتی۔ صدر جمال عبدالناصر کے ۲۲ مئی کو آبنائے طیران کی ناکہ بندی کرنے اور اسرائیل کو تباہ و برباد کرنے کی دھمکیوں کے ساتھ مرعوب کرنے کے لیے افواج کی صف بندی کے نتیجے میں مصر کے ساتھ جنگ شروع ہو گئی۔ اقوام متحدہ کے چیف آف سٹاف جنرل اوڈیل (Odd Bull) کے ذریعے سے پہنچائے گئے اشکول کے پیغام میں واضح طور پر کہا گیا تھا کہ اگر اردن جنگ سے باہر ہا تو اسرائیل ہر چیز کو اسی حالت میں رکھے گا جیسی یہ پہلے تھی۔ اس کے جواب میں اردن نے مغربی یروشلم پر ایک بھرپور حملہ کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یروشلم کی یہ جنگ کسی بھی سکیل سے زیادہ شدید تھی اور اس کی وجہ سے اسرائیل کا بہت زیادہ جانی نقصان ہوا تھا۔ ۵ جون کو اسرائیل نے جلدی سے یروشلم کے محاذ کے لیے فوجی دستے ترتیب دیے۔ ۷ جون تک بریگیڈ کمانڈر نے یہ عظیم اور یادگاری خبر (نیٹل کی پہاڑی اب ہماری ہے) پہنچائی کہ یروشلم اب متحد ہو گیا ہے۔ اس نے اب تک بہت سے مالک دیکھے تھے۔ انیس صدیوں کے بعد اب اس کے اصل معمار ایک بار پھر واپس آ گئے تھے۔ جلدی تمام رکاوٹیں۔ خاردار تاروں کے جنگلے، بارودی سرنگیں، منڈل بام گیٹ، غرض یہودیوں کی الگ بستیوں جیسی تمام علامات۔ ہنادی گئی تھیں۔ پوری دنیا کے یہودی، مسلمان اور عیسائی زائرین جوق در جوق اکٹھے ہوتے، ملتے جلتے، دھکم پیل کرتے، بلکہ بعض اوقات تو متصادم ہوتے نظر آتے تھے، لیکن ہمیشہ ایک متحدہ انسانی مقصد کی تکمیل کے لیے مصروف تھے۔ اقوام متحدہ کے اداروں کی طرف سے یہ درخواست، کہ وہ پھر الگ الگ ہو جائیں اور اپنے اپنے ہجڑوں اور حجروں میں پھر سے جا کر بند ہو جائیں، اُن کی حس مزاح کو تو دعوت دے رہی تھی، لیکن وہ اُس کا منہ چڑانے اور مسخر اڑانے کے علاوہ کوئی

جواب نہ دے سکتے تھے۔

اباعبان اپنے فاضلانہ مقالے کا اختتام اس عبارت کے ساتھ کرتے ہیں:

Jerusalem's population distribution (218,300 Jews, 62,300 Muslims, and 11,100 Christians) cannot fail to be determinant in its political status. But on a deeper and higher level of history, Jerusalem represents the confluence of many streams of memory and culture. Its sun has risen and set on a multitude of human longings, passions, agonies, and hopes. It is the capital of one nation and yet also the touchstone of the entire human condition.¹

یروشلم کی آبادی کی تقسیم (دو لاکھ اٹھارہ ہزار تین سو یہودی، باسٹھ ہزار تین سو مسلمان اور گیارہ ہزار ایک سو عیسائی) اس کے سیاسی مستقبل کی حیثیت کے تعین میں بڑی اہمیت کی حامل ہے، لیکن تاریخ کی اعلیٰ اور گہری سطح پر دیکھا جائے تو یروشلم ثقافت اور روایات کی بہت سی ندیوں کے جھم کے حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا سورج رنگارنگ انسانی امنگوں، جذبوں، دکھوں اور امیدوں پر طلوع و غروب ہوتا رہا ہے۔ یہ اگرچہ دار الحکومت تو ایک ہی قوم کا ہے، تاہم پورے عالم انسانیت کے احوال کی جانچ پرکھ کے لیے ایک کسوٹی کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔

'وی جیوئش انسائیکلو پیڈیا' (۱۳۶۰، ۱۳۸۰) سے یروشلم کی سال بہ سال تاریخ کی ایک بیچہ جھلک درج ذیل ہے۔ وہاں درج ہے:

یہ سال بہ سال تاریخی چارٹ اُن زیادہ اہم واقعات کی ایک فہرست فراہم کرتا ہے جن کا یروشلم کے یہودیوں کی تاریخ سے بلا واسطہ یا بالواسطہ کوئی تعلق ہے:

B.C.

1500. Earliest historical mention of Jerusalem, found in the El-Amarna tablets.

1048. David takes possession of Jerusalem from the Jebusites.

1007. Solomon's Temple completed after seven years' labor [It may be ca. 955]

972. Shishak of Egypt takes the city from Rehoboam.

722. The fall of Samaria at the hands of Assyrians.

713. Sennacherib advances toward Jerusalem.

700. Hezekiah perfects the water-supply.

586. (Ab 9.) [Jerusalem] Captured by Nebuzar-adun [Nebuchadnezzar].

516. Rebuilt during reign of Darius.

350. Seized by the Persians.

332. Visited by Alexander the Great?

320 or 305. Seized by Ptolemy Soter.

170. Plundered by Antiochus Epiphanes.

165. Judas Maccabeus recaptures Jerusalem and reconsecrates the Temple.

166. Pompey enters Jerusalem.

37. Besieged and taken by Herod the Great.

20. Restoration of the Temple begun by Herod the Great.

C.E.

29. (April.) Jesus of Nazareth executed at Jerusalem.

70. (Nisan 14.) Siege commenced by Vespasian, lasting 134 days.

70. (Ab 9.) Jerusalem destroyed by Titus.

135. Hadrian rebuilds the city.

136. Jerusalem called Elia Capitolina.

362. Restoration of the Temple undertaken by Julian the Apostate.

614. Jews aid the Persian Chosroes II. in attack on Jerusalem.

628. Retaken by Heraclius; Jews forbidden to enter the city.

637. Omar puts Jerusalem under Moslem power.

688. 'Abd al-Malik builds the Dome of the Rock.

1046. Solomon ben Judah head of the yeshibah at Jerusalem.

1077. Seljuk Turks capture Jerusalem.

1099. (July 15.) Crusaders put 70,000 infidels to the sword, and found a new Christian kingdom.

1100. "Assize of Jerusalem" established by Godfrey of Bouillon.

1140. Judah ha-Levi visits Jerusalem.

1173. Benjamin of Tudela visits Jerusalem.

1187. (Oct. 2.) Saladin defeats the Franks and takes Jerusalem.

1211. Several hundred English and French rabbis settle in Jerusalem.

1218. Al-Harizi visits Jerusalem.
1267. (Aug. 12.) Nahmanides visits Jerusalem.
1437. Elijah of Ferrara made chief rabbi.
1492. Jews expelled from Spain settle in Jerusalem.
1517. Capture by Ottoman Turks.
1580. Nahmanides synagogue closed by the Moslems, claiming that it had previously been a mosque.
1621. Isaiah Horowitz and a number of his friends settle in Jerusalem.
1627. Ibn Farukh, governor of Jerusalem and persecutor of the Jews, deposed.
1705. Jews subjected to certain vexatious restrictions in matters of attire.
1798. Napoleon visits Palestine; Jewish community of Jerusalem accused of assisting him and its members threatened with death.
1827. First visit of Moses Montefiore.
1838. Edward Robinson commences archeological research in Jerusalem.
1840. Crémieux, Montefiore, and Albert Cohn visit Jerusalem.
1841. (Nov. 7.) S. M. S. Alexander, convert to Christianity, consecrated first Anglican Bishop of Jerusalem.
1854. Albert Cohn establishes many charitable institutions.
1862. (Sept. 5.) Treaty to preserve the Holy Sepulcher signed by Russia, France, and Turkey.
1880. Siloam Inscription discovered.
1892. (Sept. 13) Railway from Jerusalem to Jaffa, built by a French company, opened.
1898. (Nov. 1.) William II. of Germany visits Jerusalem in state and receives a Jewish deputation.
1900. Abarbanel Library founded.

Sources Consulted (for 'Hist. Of Jerusalem')

ENCYCLOPAEDIAS, ETC.

Compton's Enc. Chicago: Compton's Learning Co., 1989, s.v.

'Jerusalem' (12:99-102).

Enc. Americana. Connecticut: Grolier Incorporated, 1986, s.v. 'Jerusalem', by J. L. Kramer, Tel Aviv University, 16:26-32.

Enc. of Islam, New (1986) edn., s.v. 'al-Kuds' by O. Grabar, Harvard Univ.

Enc. of Judaism Second (2005) edn. Leiden: Brill, s.v. 'Jerusalem in Judaism', by Mayer Gruber (2:1201-1211).

Enc. of Religion, Second (2005) edn. USA: Thompson Gale, s.v. 'Jerusalem' by Reuven Firestone.

Grolier Academic Enc., 1985 (11:399-401).

Illustrated World Enc. NY: Illustrated World Enc., Inc., 1969 (12:2903-05).

International Standard Bible Enc. (Version 1.0 © 1997). Albany, OR USA: AGES Software, s.v. 'Jerusalem' (6:180-250).

Jewish Enc. NY: KTAV Publishing House, INC., 1901 (7:118-57).

Merit Students Enc. USA: Crowell-Collier Educational Corporation, 1967 edn., s.v. 'Jerusalem' by Donald N. Wilber (10:158-162).

----Year Book 1973, s.v. 'Jerusalem' by Abba Eban (p. 46-55).

New Book of Knowledge, The Children's Enc. NY: Grolier Inc., 1970 (10:78-81).

New Caxton Enc. London: Caxton Pubg. Co., 1973, s.v. 'Jerusalem' (11:3420-22).

New Enc. Britannica, Macropaedia. Chicago: University of Chicago, 1982, s.v. 'Jerusalem' by Stewart Henry Perowne (10:138-44).

New Standard Enc. Chicago: Standard Educational Corp., date etc. have been recorded in Vol. I only, which is not available (7:J-52 to J-55).

Universal World Reference Enc. Chicago, Illinois: Consolidated Book Publishers, 1964 (8:2709-10).

al-Suwaidān, Dr. Tariq. *Falastine, al-Tarikh al-Musawwar*. al-Ibda' al-Fikri, Kuwait, 2004 (84-86).

Jerusalem. Keter Books, Israel Povyket Library, 5 (1973).

Jannie Scott & Paul simpson-Housley. *Sacred Places and Profane Spaces*. NY: Greenwood Press, 88 Post Road West, Westport, CT 06881, 1991.

Islamic Studies (Special. Issue on 'Jerusalem'), Vol. 40: Nos. 3,4 Autumn-Winter, 2001. Ed. Dr. Zafar Ishaq Ansari, Guest ed. Salma Khadra

Jayyusi. Islamabad: Isl. Research Institute, International Isl. Univ.

ATLASES

Oxford Bible Atlas. Ed. Herbert G. May. Oxford: Oxf. Univ. Press, 1984.

New Bible Atlas. Ed. J. J. Bimson and J. P. Kane. Leicester: I.V. Press, 1985.

Terrien, Samuel. *Lands of the Bible*. Wisconsin: Western Pblg. Co. Inc., 1957.

Magi, Giovanna. *Jerusalem*. Florence: Casa Editrice Bonechi, 1992.

DICTIONARIES, ETC:

Fausset's Bible Dic. (Version 1.0 © 2000). Albany, OR USA: AGES Software, s.v. 'Jerusalem' (2:417-51).

Interpreter's Dic. of the Bible (2000). Nashville: Abingdon Press, s.v. 'Jerusalem' by M. Burrows (2:843-66).

McKenzie, John L. *Dic. of the Bible*. London: Geoffrey Chapman (1984), s.v. 'Jerusalem' (426-31).

Smith, William. *Dic. of the Bible*. Michigan: Regency Reference Library, Zondervan Pblg House, Grand Rapids (1967), s.v. 'Jerusalem' (292-305).

Illustrated Bible Dic. Inter-Varsity Press (1980). S.v. 'Jerusalem' by D.F. Payne, London Bible College, (2:752-60).



حواشی ضمیمہ ۴، 'یروشلم' کی مختصر تاریخ

1. *International Standard Bible Enc.*, (Albany, OR USA: Books For The Ages, AGES Software, Version 1.0 © 1997), s.v. 'Jerusalem' by Geerhardus Vos, 6:181.
2. "Jerusalem". Israel Pochket Library, (Kate Books, 1973), 5.

۱۔ قدیم جبری دور (Old Stone Age)، 10,000 BCE سے قبل کا دور (Paleolithic)۔

۲۔ وسطی جبری دور (Middle Stone Age)، 10,000 to 7,500 BCE کا دور (Mesolithic)۔

۳۔ اواخر جبری دور (the latest part of the Stone Age)، اس دور کی نمایاں خصوصیت پتھروں کے کئے ہوئے اور یہ نقل شدہ ہتھیاروں اور اوزاروں کا استعمال ہے (Neolithic)۔ ('نیو شائر اوکسفرڈ ڈکشنری، ۱۹۹۳ء)۔

۴۔ عہد کانسی (Copper Age)، 4,000 to 3,150 BCE (Chalcolithic)۔

۵۔ اس اصطلاح کے صحیح سبب 'celts' ہونے چاہئیں، جس کے معنی ہیں: پتھر کا کلباڑا۔ جہاں تک 'Celts' (بڑے 'سی' کے ساتھ) کا تعلق ہے، یہ اصطلاح مغربی یورپ کے لوگوں کے لیے مستعمل ہے، جو رومن کے آنے سے پہلے برطانیہ میں آباد ہو گئے تھے۔ وہ بڑے تندو ختم کے جنگجو اور اعلیٰ قسم کے شہسوار تھے۔ وہ اچھے کسان بھی تھے اور بیلوں سے کینچنے جانے والے ہل استعمال کرتے تھے۔

8. *International Standard Bible Enc.*, CD-ROM Version 1.0, 1997, 6:227.
9. *International Standard Bible Enc.*, CD-ROM Version 1.0, 1997, 6:227-28.
10. *Enc. of Judaism*, Second (2005) edn., 2:1201.
11. *Interpreter's Dic. of the Bible*, (2000), 2:846.
12. *Enc. Britannica: Macropaedia 15th edn.* (1982), s.v. 'Jerusalem' 10:139.
13. *Interpreter's Dic. of the Bible*, (2000), 2:846-47.

۱۴۔ Judges 1:8 NKJV یہ اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ یہکسل سلیمانی کی تعمیر سے قبل بھی یہ شہر تعمیر اس میں نہیں تھا۔

15. William Smith, *A Dic. of the Bible* (Michigan: Grand Rapids, 1067), 302.
16. *Interpreter's Dic. of the Bible* (2000), 2:847.

Interprete's Dic. of the Bible, 2:848. دیکھیے

18. *International Standard Bible Enc.*, 'Jerusalem,' 6:231.

19. *Enc. Britannica: Macropaedia 15th edn.* (1982), 10:139.

20. 2-Kings 14:14 KJV.

۱۸ ملاحظہ کیجیے 'سمتھ کی لغات بائبل'، ۱۹۶۷ء، زیر لفظ 'یوسا' صفحہ ۳۲۴۔

22. *International Standard Bible Enc.*, s.v. 'Jerusalem,' by Geerhardus Vos, 6:237.

۲۳ 'Victuals' کے معنی ہیں: سامان رسد و خوراک۔

۲۴ 'Overreach' کے معنی ہیں: ناممکن کے حصول کی کوشش کی وجہ سے ناکامی کا سامنا کرنا۔

25. *International Standard Bible Enc.*, s.v. 'Jerusalem,' by Geerhardus Vos, 6:239.

26. See *International Standard Bible Enc.*, s.v. 'Jerusalem,' by Geerhardus Vos, 6:240f.

۲۷ جون ہارکنس یا یوحنا بن (John Hyrcanus or Johanan: 135-140 BC.) جو شمعون مکابی

(Simon Maccabeus) کا بیٹا تھا، بمیل کا سردار کاہن اور حسمونی (Hasmonean) خاندان کا ایک شہزادہ

تھا۔ وہ قتل مند اور منصف مزاج حکمران اور ماہر جنگجو تھا۔

28. John L. McKenzie, *Dic. of the Bible* (1984), 340.

29. A. R. Fausset, *Bible Dic.* (Albany: AGES Software, Version 1.0, 2000), 2:434.

۳۰ کیلی گولا (Caligula) جو قیصر اگسٹس (Caesar Augustus) کے نام سے مشہور ہے، سلطنت روم

کا تیسرا بادشاہ تھا۔ وہ ۳۱ اگست ۴۰ء میں پیدا ہوا اور ۲۴ جنوری ۴۱ء کو روم میں قتل ہو گیا۔ اس کی

یہودی بادشاہ اگر پا (Agrippa) کے ساتھ گہری دوستی تھی۔ اس نے اپنی خدائی کا دعویٰ کر دیا تھا۔ اس

نے مختلف مقامات پر ایسی قربان گاہیں تعمیر کروائیں جن پر اس کے نام کی قربانی دی جاتی تھی اور اس کی

عبادت کی جاتی تھی (Jewish Enc., 3:514)۔

۳۱ ماخوذاز: A. R. Fausset, *Bible Dic.*, 2:435-36.

۳۲ جب نزدیک آ کر شہر کو دیکھا تو اُس پر رو یا اور کہا (...), اور تجھ میں کسی پتھر پر پتھر باقی نہ چھوڑیں

گے (لوقا ۱۹:۴۱، ۴۲)۔

33. *International Standard Bible Enc.*, s.v. 'Jerusalem,' by Geerhardus Vos, 6:247.

34. A. R. Fausset, *Bible Dic.*, 2:437-38.

35. *International Standard Bible Enc.*, s.v. 'Jerusalem,' by Geerhardus Vos, 6:248.

36. *International Standard Bible Enc.*, s.v. 'Jerusalem,' by Geerhardus Vos, 6:248, 49.

37. A. R. Fausset, *Bible Dic.*, (2000), 2:438.

۳۸ ڈاکٹر طارق السویدان، فلسطین: التاريخ المصور، (الابداع الفكر، کویت، ۲۰۰۴ء)، صفحہ ۸۴۔

۳۹ ڈاکٹر طارق السویدان، فلسطین: التاريخ المصور، (الابداع الفكر، کویت، ۲۰۰۴ء)، صفحات ۸۵، ۸۶۔

40. *The Enc. of Islam New (1986) edn*, s.v. 'al-Kuds' by O. Graber, Harvard Univ. 5:324-26.

۴۱ ڈاکٹر طارق السویدان، فلسطین: التاريخ المصور، (الابداع الفكر، کویت، ۲۰۰۴ء)، صفحہ ۹۰۔

۴۲ رملہ (Ramla) شہر یروشلم کے شمال مشرق میں قریباً ۴۰ کلومیٹر کی مسافت پر ساحلی میدان میں واقع ہے۔ خلیفہ ولید بن عبد الملک کے دور حکومت میں اس کا بھائی سلیمان بن عبد الملک ارض فلسطین کا والی تھا۔ اپنے والد کی تعمیر کردہ مشہور عمارت 'قبۃ الصخری' سے متاثر ہو کر سلیمان نے رملہ شہر بسایا اور اسے صوبائی دار الحکومت کا درجہ دے دیا۔

43. A. R. Fausset, *Bible Dic.*, 2:438.

44. *The Enc. of Islam*, s.v. 'al-Kuds' by O. Graber, 5:330-31.

45. A. R. Fausset, *Bible Dic.*, 2:438.

۴۶ ۱۹۴۴ء میں مسلمان میسر کے انتقال کے بعد اس وقت کے قائم مقام یہودی میسر کو سرکاری طور پر مقرر کیے جانے کا مطالبہ کر دیا گیا۔ اسی چقلش کے نتیجے میں کونسل کو تحلیل کر دیا گیا اور انگریز افسروں پر مشتمل ایک کمیشن مقرر کیا گیا۔

47. *Enc. Americana* (1985), s.v. 'Jerusalem' by J. L. Kraemer, 16:26f.

48. *The Enc. of Islam*, s.v. 'al-Kuds' by O. Graber, 5:337.

۴۹ 'laconic' سے مراد ہے: 'جامع، مختصر اور دو لفظی'۔

50. *Merit Students Enc.* (Year Book 1973), s.v. 'Jerusalem' by Abba Eban (the then Israeli Minister of Foreign Affairs), p.55.

51. *Merit Students Enc.* (Year Book 1973), p

کتابیات بسلسلہ اکلوتا فرزند ذبیح

(a) The Bible, Translations and Versions:

<u>S. No</u>	<u>NAME OF THE BOOK</u>	<u>ABBREVIATIONS</u>
1.	Authorized/ King James Version.	AV-KJV
2.	The Christian Community Bible. Manila: Divine Word Publ., 1988.	CCE
3.	Contemporary English Version. NY: American Bible Society, 1995.	CEV
4.	Easy-to-Read Version. Texas: World Bible Trans. Center, Inc Fort Worth, 2000	Easy-to-Read
5.	Good News Bible (Today's Eng Version). NY: American Bible Society, 1982.	GNB/TEV
6.	Good News Bible (Revised Edn.) Manila: The Bible Society in Australia Inc, NSW 2566, 1994.	GNB Rvd
7.	Greek New Testament.	Greek NT
8.	The Holy Scriptures Heb. & English (Hebrew OT with Eng. Tr.). Middlesex. The Society for Distributing Heb. Scriptures, nd.	Heb. OT
9.	The Living Bible Illinois: Tyndale House Publs., 1976.	LB
10.	James Moffatt. A New Trans. of Bible. London: Hodder & Stoughton, Ltd, 1941	Moffatt
11.	The Torah. The Masoretic Text. Jewish Publication. Society of America	MT
12.	New American Bible, Catholic Bibl. Association, 1991.	NAB
13.	The New American Standard Bible. Cambridge Univ. Press, 1977	NASB
14.	The New English Bible. Oxford: Univ. Press, 1985	NEB
15.	New International Version. London, 1984	NIV
16.	The New Jerusalem Bible, Standard Edition. Bombay: St. Pauls, 1993.	NJB
17.	The New King James Version. The Gideons International, 1985.	NKJV
18.	New Living Translation; Award Bible. Ed./Tr. A Huge Team of Tr. Illinois: Tyndale House Publishers, Inc. Wheaton, 1996.	NLT
19.	The New Oxford Annotated Bible, with Apocrypha. Ed Bruce M. Metzger, R. E. Murphy NY: Oxford Univ Press, 1989.	NOAB
20.	New Revd. Stand. Version, Catholic. Edn. for India, 1993.	NRSV
21.	New World Trans. of the Scriptures. NY: Watchtower Bible and Tract Society, 1984	NWTS
22.	The NT, Standard Edn. Tr. Conor Murphy, Limuru Kenya: Paulines Publications Africa, 1995.	NTSEdn

- 23 *The OT books of poetry* 26 trans. Ed. Curtis Vaughan. Michigan: Zondervan B Publishers, Grand Rapids, 1981. 26 TransOTPoetry
- 24 *The Tr. from Peshitta* (The Authorized B. of the Church of the East), 1957. Peshitta
- 25 *The Reader's Digest Bible*. London: The Reader's Digest Association Ltd, 1995. RDI
- 26 *Revd Berkeley Version*. Gideon International. 1974. RBerkeleyV
- 27 *Revd. Standard Version*. UK. The B.F.B.S., 1974. RSV

(B) COMMENTARIES OF THE BIBLE

Sr.No. NAME OF THE BOOK, AUTHOR, PUBLISHER, ETC.

- 1 *An American Com. on the NT*. Ed. Alvah Hovey, Philadelphia: American Baptist Publication Society, 1886.
- 2 *Willim Barclay. The Daily Study Bible*. Bangalore: TPI 1995.
- 3 *William MacDonald Believers Bible Com. (NT)*. Kansas: A & O Press, PO Box 8550, Wichita, 1989.
- 4 *The Bible Knowledge Com*. Ed. John F. Walvoord, Roy B. Zuck. Illinois: Victor Books, Wheaton, 1986.
- 5 *Broadman Bible Com*. Tennessee: Broadman Press, 1971.
- 6 *The Collegeville Bible Com (OT)*. Gen. Ed. Dianne Bergant, Minnesota: The Liturgical Press, Collegeville, 1992.
- 7 *A Commentary on the Holy Bible*. Ed. J. R. Dummelow. The Macmillan Co., 1956.
- 8 *The Expositor's Bible (25 Vols)*. Ed. W. Robertson Nicoll. NY: A. C. Armstrong & Son, 3 & 5 West 18th Street, 1903.
- 9 *John Fawcett, D.D. The Devotional Family Bible*. London: Baldwin, New Bridge Str., 1811.
- 10 *James Comper Gray and George M. Adams. Bible Com*. Michigan: Zondervan Pblg. House, Grand Rapids, na.
- 11 *The Pentateuch and Haftorahs*. Ed. Dr. J. H. Hertz. London: Soncino Press, 1979. Hertz.
- 12 *The International Bible Commentary*. Ed. William R. Farmer et al. Bangalore: TPI, 2004.
- 13 *Rev. S. R. Driver. The International Critical Com. (a Critical & Exegetical C. on Deu.)*. Edinburgh: T. & T. Clarke, 1895.
- 14 *The Interpreter's Bible*. Ed. George Arthur Buttrick. NY: Abingdon Cokisbury Press, Nashville, 1952.
- 15 *Dr. I. W. Slotki. Isaiah*. London: The Soncino Press, 1949.
- 16 *The Jérôme Biblical Com*. Ed. Raymond E. Brown, Joseph A. Fitzmyer, Roland E. Murphy. Bangalore: TPI, 1987.
- 17 *Ronald A. Knox. The Holy Bible Tr. From Latin Vulgate*. London: Burns & Oates, Macmillan & Co Ltd. 1957.
- 18 *Ronald A. Knox. A NT Commentary for English Readers*. London: Burns Oates & Washbourne Ltd, 1955.
- 19 *The Learning Bible: Contemporary English Version*. NY: American Bible Society, 2000.
- 20 *Matthew Henry A Commentary on the Holy Bible*. London: Ward, Lock & Co. Warwick House, Salisbury Square, E.C.

- 21 W. Gunther Plaut, Bernard J. Bamberger. *The Torah, A Modern Com.* NY: Union of American Heb Congregations, 1981.
- 22 *Nelson Study Bible*. Ed Earl D Radmacher. Nashville: Thomas Nelson Pub, 1997.
- 23 *The New Bible Com*. Ed. by F. Davidson etc. Michigan: W M. B. Eerdmans Publ. Co., Grand Rapids, 1953.
- 24 D. Guthrie, J. A. Motyer, etc. *The New Bible Commentary Revised Edn*. London: Inter-Versity Press, 1972.
- 25 *A New Catholic Com. on Holy Scripture*. Ed. Rev. Reginald C. Fuller. Surrey: Thomas Nelson & Sons Ltd, 1981.
- 26 *A New Commentary on Holy Scripture*. Ed. Charles Gore, H. L. Goudge, Alf. Guillaume. London: Society for Promoting Christian Knowledge, 1928.
- 27 *New Jerome Bible Com*. Ed. Raymond E. Brown, Joseph A. Fitzmyer, Roland E Murphy Bangalore: TPI, 1994.
- 28 *NIV Study Bible*. Ed. Kenneth Barker etc. Grand Rapids: Zondervan Publishing. House, 1995.
- 29 *The Open Bible* (Expanded Edn). Ed na. NY: Thomas Nelson Publishers, Nashville, 1985.
- 30 *Peake's Commentary on the Bible*. Ed. Matthew Black, H. H. Rowley. London: Thomas Nelson & Sons Ltd, 1967.
- 31 *Pocket Bible Com*. William Neil. HarperSan Francisco, 1975.
- 32 *The Pulpit Commentary*. Ed. Rev. HDM Spence DD, Dean of Gloucester & Rev. Joseph S. Excell. London: Kegan Paul, Trench, Trubner & Co. Ltd, 1897.
- 33 Thomas Scott, Rector of the Aston Sanford, Bucks. *Scott's Bible*. Philadelphia: J. B. Lippincott & Co, 1857.
- 34 *Seventh-day Adventist Bible Com*. Ed. Francis D. Nichol. Hagerstown: Review & Herald Pblg Association, 1978.
- 35 *A Jewish Com. The Soncino Chumash*. Ed. The Rev. Dr. A. Cohen. Surrey: The Soncino Press, Hinghead, 1950.
- 36 Dr. Frank Charles Thompson. *Thompson Chain Ref Bible* (5th Ed.). Bangalore: The Bible Society of India, 1988.
- 37 Lawrence O. Richard. *Victor Bible Background Com. (NT)*. Colorado, 80918, USA: Victor Books/SP Publ., Inc., 2003.
- 38 Marvin R. Vincent. *Word Studies in NT*. Michigan: WM. B. Eerdmans Publishing. Co, Grand Rapids, 1946.
- 39 Warren W. Wiersbe. *Wiersbe's Expository Outlines on the NT*. Colorado 80918, USA: SP Pubns., Inc., Cook Communications Ministries, 2003.
- 40 *The Wycliffe Bible Com*. Ed. Charles F. Pfeiffer (OT), Everett F. Harrison (NT). Chicago: Moody Press, 1983.

(C) DICTIONARIES, ENCYCLOPEDIAS, CONCORDANCES AND ATLASES

SR.NO NAME, AUTHOR, EDITOR, PUBLISHER, YEAR, ETC.

- 1 *Adv Learner's Enc. Dic*. Ed. Jonathan Crowther. Oxford Univ Press, 1994.

- 2 *The Enc. Americana International Edn.* (in 30 Vols.). Connecticut: Grolier Incorporated, Danbury, 1987.
- 3 *Arabic-English Dictionary* Maan Zulfu Madina. NY: Pocket Books, 1973.
- 4 *Enc. Biblica*. Ed. Rev. T.K. Cheyne. London: Watts & Co. 1899.
- 5 *Enc. Britannica* (15th Edn.) Chicago: the Univ of Chicago, 1988.
- 6 *The Chambers Dic.* Ed. Catherine Schwarz. Edinburgh: Chambers Harrap Pub. Ltd., 1995.
- 7 *Chambers Essential English Dictionary*. 1998
- 8 F. L. Cross. *The Oxf. Dic. of the Christian Church*. London: Oxf Univ Press, 1974.
- 9 *Colliers Enc.* (24 Vols.). NY, 1995.
- 10 Rev. James L. Dow. *Collins Gem Dic. of Bible*. London & Glasgow: Collins, 1974
- 11 Easton's 1897 *Bible Dic.* in "Power Bible" CD. ROM Version.
- 12 *Harper's Bible Dic.* Ed. Paul J. Achtemeier. Bangalore: Theological Publications in India, 1994
- 13 *A Dic. of the Bible*. Ed. James Hastings. Edinburgh: T. & T. Clark, 1904. Hastings
- 14 *Dic. of Bible* Ed. James Hastings, Rvd. Edn. By Frederick C. Grant & H. H. Rowley. NY: Charles Scribner's Sons, 1963
- 15 *Holman Concise Topical Concordance*. Tennessee, USA: Holman Bible Publishers, Nashville, 1998.
- 16 *Holman Topical Concordance*. Philadelphia, USA: A. J. Holman Co., 1973..
- 17 *The Illustrated Bible Dic.* Ed. J. D. Douglas, Rvd. Ed. N. Hillyer. Inter-Varsity Press, 1980.
- 18 *International Standard Bible Encyclopedia*, OR USA: Books For The Ages. AGES Software, Version 1.0 © 1997
- 19 *The Interpreter's Dic. of Bible*. (5 Vol). Ed. George Arthur Buttrick. NY: Abington Press, Nashville, 1962.
- 20 *The Enc. of Islam* (New Edn.). Ed. E. Van Donzel, B. Lewis, C. E. Bosworth. Leiden: E. J. Brill, 1978.
- 21 *The Jewish Enc. Mng.* Ed. Dr Isidore Singer. NY: KTAV Pub House, Inc., 1901.
- 22 *Enc. Judaica*-CD-ROM-Ed. Version 1.0. Copyright 1997, Judaica Multimedia (Israel) Ltd.
- 23 *The Lion Handbook to the Bible*. Ed. David & Pat Alexander. Herts, England: Lion Publishing plc, 1986
- 24 *Longman Dic. of Eng. Language & Culture*. Essex: Longman Group UK Ltd, 1992
Longman Dic.
- 25 *Master Study Bible*, NAS, Enc, Concordance, a Harmony of the Gospels, etc. Nashville: Holman Bible Publishers, 1977.
- 26 J.L. McKenzie's *Dic. of Bible*, London: Geoffrey Chapman. 1984.
- 27 *A Dic. of Modern Written Arabic*. Ed. J. Milton Cowan. London: Macdonald & Evans Ltd, 1980.
- 28 *New Bible Dic.* (II Ed.). N. Hillyer (Revision Edn.). Leicester: Inter-Varsity Press, Eng., 1986.
- 29 *The New Shorter Oxford English Dic.*, 1993
- 30 *The New Standard Enc & World Atlas With an Introduction by The Rev. C.A. Alington*, D.D., Hm of Eton. Prepared under the general editorship of J. M. Parrish, M.A. (Oxon). John R. Crossland, F.R.G.S., & A. W. Holland, managing ed. of the *Enc. Britannica* (13th Edn); with the specialist assistance of George Somerville, MD, DPM.; John S. Linnell, B.A. (Oxon); K. M. Gadd, M.A. (Oxon & London); C. H. Knowles, B.Sc. (London); the Rev Eric

- Dixon, M.C., B.A., B.D. (Lond.); E. S. Roberts, B.A., and over 40 experts, learned societies and institutions. Odhams Press Ltd, London, W. C. 2, 1932.
- 31 *The New World Dic.-Concordance to the New American Bib.* Manila, Philippines. Daughters of St Paul, 1994.
- 32 John R. Kohlenberger III. *NIV Compact Concordance*. Manila, Philippines: OMF Literature Inc. PO Box 2217, 2002.
- 33 J. D. Douglas & Merrill C. Tenney. *NIV Compact Dic. of the Bible*. Michigan: The Zondervan Corp., Grand Rapids, 1989.
- 34 *Oxf. Dic. & Thesaurus*. Melbourne: Oxf. Univ. Press, 1997.
- 35 *Pictorial Biblical Enc.* Ed. Gaalyahu Cornfeld. NY: Macmillan Co., 1964. Pictorial Bib Enc
- 36 *The Enc. of Religion*. NY: Macmillan Publishing Co., 1987.
- 37 *Roger's II New Thesaurus*. Ed. Fernando de Mello Vianna. Boston: Houghton Mifflin Co, 1980.
- 38 *The Seventh-day Adventist Bible Dic.* (Rvd Edn by R. H. Woolsey). Ed. Don F. Neufeld, Washington DC. Hagerstown: Review & Herald Publishing Association, 1978.
- 39 H.A.R. Gibb, J. H. Kramer. *Concise Enc. of Islam*. Leiden: Brill Academic Publishers, Inc. 2005.
- 40 W. Smith. *A Dic. of Bible* (Revd. Ed. F.N., M.A. Peloubet). Michigan: Regency Ref. Lib. Grand Rapids, 1984.
- 41 *The Standard Jewish Enc.* Ed. Dr. Cecil Roth. London: W. H. Allen, 1959.
- 42 James Strong. *Strong's Exhaustive Concordance*. Michigan: Baker Book House. Grand Rapids, 1984.
- 43 James Strong. *A Concise Dic. of the Words in The Hebrew Bible*. NY, Cincinnati: The Methodist Book Concern, 1890.
- 44 W. E. Vine, Merrill F. Unger, William White Jr. *Vine's Complete Expository Dictionary of O & NT Words with Topical Index*. Nashville, USA: Thomas Nelson, Inc., 1996.
- 45 *Webster's Dic. of Eng. Usage*. Ed. E. Ward Gilman. Massachusetts: Merriam-Webster Inc., Springfield, 1989.
- 46 *Webster's New Dic. of Synonyms*. Ed. Philip B. Grove. Massachusetts: G.&C. Merriam Co, Springfield, 1978.
- 47 *Webster's New World College Dic.* 3rd Edn. Ed. Victoria Neufeldt. NY, USA: Macmillan, 1997.
- 48 Ahmad bin Fāris. *Mu'jam Maqāyis al-Lughah*. Beirut: Dār Ihyā al-turāth al-'Arabī, 2001.
- 49 Ismā'īl ibn Hammād al-Jawharī. *Tāj al-Lughat wa Ṣiḥāḥ al-'Arabīyah*. Beirut: Dār al-'Ilm lil Malāyih, 1984.
- 50 Al-Ustādḥ al-Ṭahīr Ahmad al-zāwī. *Tartīb al-Qāmūs al-Muḥīṭ 'ala Tariqah al-Mubdḥ al-Munir*, 1979.
- 51 *Mu'jam al-Wasṭī*. Beirut: Dār Ihyā al-turāth al-'Arabī, 1972.
- 52 Ibn Manzūr. *Lisān al-'Arab*. Beirut: Dār Ṣādir, 1300 AH. Lisān al-'Arab
- 53 Mu'allim Butrus al-Bustānī. *Muḥīṭ al-Muḥīṭ*. Beirut: Maktabah Lubnān Nashirūn, 1993

(D) MISCELLANEOUS

SR NO NAME OF THE BOOK, AUTHOR, EDITOR, PUBLISHER, YEAR,

- 1 Al-Imām Abī 'Abd Allāh Muḥammad bin Ishāq al-Fākihī, *Akhbār Makkah fī Qadīm al- Dahr*

- 1 wa *Hadīthihī*. Makkah: Maktabah al-Nabḍat al-Hadīthah, 1987.
- 2 Dr. Muḥammad Muḥsin Khān. *Tr. of the Meanings of Sahih Al-Bukhare*. Riyādh: Dār al-Salām, S. A., PO Box 22743, 1997.
- 3 Hamid al-Dīn Farāhī. *al-Ra'y al-Sāḥih fī man Hawa al-Dhabīh*. Damascus. Dar al-Qalam, 1999.
- 4 George Sale, 'The Preliminary discourse' to the *Alkoran of Mohammed*. London: Frederick Warne & Co., na.
- 5 *The Koran*, Tr. N. J. Dawood, India: Penguin Books, 1994.
- 6 N. J. Dawood, Revised Dr. Zayid. *The Quran, An Eng Trans*. Beirut: Dar Al-Choura, 1980.
- 7 *The QUR'AN*, Tr. E. H. Palmer. Delhi: Motilal Banarsidass, 1988.
- 8 Geddes MacGregor. *The Bible in the Making*. London. John Murray. 1961.
- 9 Raymond E. Brown. *An Introduction to NT*. Bangalore: Theological Pub in India (TPI), 2000.
- 10 *The Cambridge History of the Bible*. Ed. P. R. Ackroyd & C. F. Evans. Cambridge: at the University Press, 1970.
- 11 Paul Johnson. *A History of Christianity*. NY: Simon & Schuster, 1995.
- 12 Rheme Perkins. *NT Introduction*. Bombay: St Paul Publications. Bandra, 1992.
- 13 Werner H Schmidt. *OT Introduction*, Tr. by Matthew J. O'Connell, Bombay: St Paul Publications, Bandra, 1992.
- 14 *The Works of Flavius Josephus*. Tr. by W. Whiston. Boston: D Lothrop & Co., na.
- 15 The Book of the Jubilees, in *The Apocrypha and Pseudepigrapha of the OT in Eng.* Ed. R. H. Charles. Oxford: The Clarendon Press, 1968.
- 16 *A Lion Handbook: the World's Religions*. Ed. R. Pierce Beaver, etc. England: The Lion Publishing, Herts, 1984.
- 17 Raymond E. Brown, Joseph A. Fitzmyer, and Roland E. Murphy. *The New Jerome Bible Handbook*. Minnesota: The Liturgical Press, Collegeville, 1993.
- 18 *The NT Background*. Ed. C. K. Barrett. HarperSanFrancisco, 1995.
- 19 Bruce M. Metzger. *The Text of the NT*. Oxford: at the Clarendon Press, 1964.
- 20 F. F. Bruce. *Places Abraham Knew*. London: Scripture Union, City Road, EC1V 2JN, 1984.
- 21 Joseph Kudasiewicz. *Synoptic Gospels Today*. Manila: T Pauls, Makati City, Philippines, 1996.
- 22 Mawlānā Aḥsan Iṣlāhī. *Tadabbur-e-Qur'dn*. (Lahore: Faran Foundation, 1977).
- 23 Ken Anderson. *Where to Find It in the Bible*. Nashville. USA: Thomas Nelson Publ. 1996.

حواشی کا انڈکس

- دیباچہ (مصحح اول): ۰۱ - عقیدہ
 دیباچہ (ایضاً): ۰۲ - امام حمید الدین فراہی
 مقدمہ: ۰۱ - عبارت میں نام اسحاق
 باب اول: ۰۳ - ابراہیم کی طرف غلط بیانی کی نسبت
 ۰۳ - ابراہیم کی نام نہاد بے رحمی
 ۰۵ - تحریف و اضافہ اور حضرت موسیٰ
 سے اس کی نسبت
 ۰۶ - ابراہیم کی نسل
 ۰۸ - منتخب قوم
 باب دوم: ۰۲ - باجہ کینہ نہیں، بلکہ شہزادی و شہزادہ
 ۰۵ - اسحاق، اکلوتا بیٹے نہ تھے
 ۱۰ - ربی راشی: "حیرا اکلوتا، دو بیٹے
 ۱۱ - دو بیٹے
 ۱۲ - اکلوتا
 ۱۲ - اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا
 ۱۵ - لیکن میں دونوں سے محبت کرتا ہوں
 ۱۶ - اسحاق ہی
 باب سوم: ۰۲ - پہلوئے کی قربانی
 باب چہارم: ۰۱ - اسحاق اور اسماعیل دونوں قابل احترام
 باب پنجم: ۰۵ - ۱۰ - کالوری
 ۰۸ - ممرے اور مور یاہ مختلف مقامات
 باب ششم: ۰۵ - ابراہیم کا بنجیدہ و سرگرم سفر
 باب ششم: ۰۶، ۰۹ - سفر ایک ہفتے سے کم کا تذکرہ
 ۱۵ - مصنف کتاب تواریخ کے مبالغے
 ۱۷ - صیہون بطور مقام تکمل و باب یازدہم،
 ماثیہ ۱۲
 باب ہفتم: ۱۹ - جیون
 باب ہفتم: ۲۰ - بیرسج
 باب نہم: ۰۳ - عربیہ فیکس اور عرب کے دیگر حصے
 ۱۰ - جوڑ بٹس: مسلمانوں عربوں میں ختنہ
 باب دہم: ۰۳ - نئے پردہ شرم کی شوکت: مسیحیہ ۶۰
 ۰۹ - عبارتوں میں تو ذمہ و ذریعہ تحریف
 ۱۰ - عورتوں مردوں کا اکٹھے آنا
 ۱۱ - مسند مردوں کی دولت
 ۱۲ - نذر کی تمام چیزوں کی اکثریت کا
 تعلق عرب سے
 ۱۳ - مدیان
 ۱۵، ۱۲ - مدیان، عیساہ اور شیبہ غریب
 کی قومیں ہیں۔
 ۱۷ - نباوت اور قیدار
 ۱۸ - (بیکل کی) خدمت، عبادت
 ۲۲ - جدہ کا ہوائی اڈہ
 ۲۳ - تیشیش رطیشیش
 ۲۴ - پھانک رات دن بند نہ ہوں گے
 ۲۷، ۲۵ - تحریف

- باب دہم: ۲۸- ہاجرہ ایک چھوٹی ہوئی بیوی ضمیر اول: ۵۵- مسوراتی متن سے حذف
- ۲۹- نیا حرم ابیدی اور بڑا ہونگا ۵۵- منہ چڑانا کھیل یا تسخر
- ۳۰- ۳۱، ۳۰- اقتدار اور عظمت پھر کبھی ختم نہ ہوگی ۵۶- ہاجرہ باندی نہیں بلکہ شہزادی تھی و
- ۳۳- یروشلم کی دوبارہ تعمیر باب دوم، حاشیہ ۲
- ۴۱- اونٹوں کے بڑے کاروان آئیں گے ۵۷- سارہ کا نام نہاد غصہ اور ظلم
- باب یازدہم: ۴۱- ۸۴ ویں مزمور داؤد کا مصنف ۵۸- مشکوٰۃ کثیر کا اخراج ممنوع
- ۴۲- رب الافواج ۵۹- سارہ اور ہاجرہ کے کردار
- ۴۳- خیمہ اجتماع یا خیمہ عبادت ۱۰- سارہ کا نام نہاد کینہ
- ۴۴- داؤد کے دل میں جیت اللہ کی تمنا ۱۱- اسماعیل کا اخراج قابل ملامت
- ۴۵- بابائیل کا بھی ایک گھر ہے ۱۲، ۱۲- سارہ کے اسماعیل کے ساتھ
- ۴۹- ہمیشہ میری تعریف کرتے ہیں رویے پر ابراہیم کا دکھ
- ۱۰، ۱۰- حج دنیائیت کی خواہش ۱۳- خدا ابراہیم کو اُس کے فطری دکھ
- ۱۲، ۱۲- صیہون / ملک پر تسلط دیتا ہے
- ۱۵، ۱۳- کہہ ۱۴- ابراہیم کا ہاجرہ سے لگاؤ
- ۱۶- جوق در جوق آنا ۱۵- اسماعیل ایک بڑی قوم
- ۱۸- اللہ کا حقیر ترین مہمان بننے کو ۱۶- اسماعیل: ابراہیم کی نسل
- میش کی زندگی پر ترجیح ۱۷- مشکیزہ یا بوتل
- ۳۰- ہفتادی ترجمہ ۱۸- ہاجرہ روئیوں کے ایک تھیلے پہنی ہے
- ۳۱- ولکیت (Vulgate) بھرت ایک مشکیزہ، اور سترہ سال کے
- ضمیر اول: ۵۱- حضرت سارہ ایک لڑکے کا بوجہ کیسے اٹھا سکتی تھی؟ کیا
- ۵۲- کنعان ابراہیم ایسے ظالم ہو سکتے تھے؟
- ۵۳- دودھ چھڑانے کی تقریب ۱۹- یہ ناقابل یقین ہے کہ ابراہیم اپنے
- ۵۴- حضرت اسماعیل ہاجرہ کے بیٹے اسماعیل اور اُس کی ماں ہاجرہ کو اپنی
- فرزند نہ کہ سارہ کے بیوی سارہ کے حکم پر اس طرح بے یار و مددگار
- ۵۴- ابراہیم سے بے انصافی کی توقع چھوڑ سکتے تھے

- ضمیمہ اول: ۱-۲۹، ۳۸، ۴۱-۱۰۱ عی ۱۶ یا ۱۷ سال کا جوان تھا ضمیر سوم: ۱-۱۰۱ تابوت سیکر یا عہد کا تابوت
- ۲۲- ۱-۱۰۱ عی کی حفاظت کے لیے اللہ ۱۰۲- ٹیکل کے لیے فراہم کردہ
- موجود تھا سونے چاندی کی قیمت کا تخمینہ
- ۲۳- فرشتے نہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ ۱۰۳- حرم شریف
- ۲۴- ہاجرہ کی خداوند سے ہم کلامی ضمیر چہارم: ۱۰۳- قدیم ہجری دور
- ۳۰، ۴۲، ۵۲- خداوند ہاجرہ اور اسماعیل کے ۱۰۴- درمیانی ہجری دور
- ۱۰۵- آخری ہجری دور لیے سر جان اور قوم تھا
- ۳۱- اسماعیل جب فاران بھیجے گئے تو ۱۰۶- کانسی کا دور
- دودھ پیتے بچے تھے، سہارہ کی ظلم و حد ۱۰۷- celts/ Celts
- ۲۳- Victuals سے برکت
- ۳۱، ۴۳- میر سب کے معانی ۲۴- Overreach
- ۵۴- میر سب سات کائناتوں ۲۵- جون ہارٹنکس
- ۵۵- زم زم ۳۰- کیلی گولا (قیصر آکسٹس)
- ۵۸- کہانی کے متعلق مسلم روایت ۴۲- رملہ
- ۵۹- ہاجرہ کا صبر و سکون ۴۹- Laconic
- ضمیمہ دوم: ۱۰۲- حذف راتفاق یا ارادی
- ۱۲- غلط وقت، موسم کا لباس وغیرہ

